بچّوں کا
اسلامی اِنسائیکلوپیڈیا

العربی بن رزوق

بچّوں کا

اسلامی اِنسائیکلوپیڈیا

عقائد وعبادات، اخلاق وآداب اور سیرت وتاریخ کی روشنی میں کردار سازی اور شخصیت آموزی کے لیے

اِسلامی تعلیمات کا خوبصورت انتخاب، جو بچّوں کی شاندار تعلیم وتربیت کے لیے شرطِ لازم ہیں

تالیف : العربی بن رزوق

ترجمہ : محمد یحییٰ خان

نظرِثانی واضافہ : پروفیسر محمد یحییٰ

ترتیب وتخریج : طارق جاوید عارفی

دار السلام

کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

DARUSSALAM

سعودی عرب (ہیڈآفس)

پوسٹ بکس: 22743 الریاض: 11416 سعودی عرب فون: 00966 1 4043432-4033962 فیکس: 4021659

E-mail: darussalam@awalnet.net.sa - riyadh@dar-us-salam.com

Website: www.darussalam.com

- الریاض۔العُلیا۔ فون: 01 4614483 فیکس: 4644945 • الملز فون: 01 4735220 فیکس: 4735221 • سویلم فون: 01 2860422
- مندوب الریاض: موبائل: 0503459695-0505196736 • قصیم (بریدہ): فون/فیکس: 06 3696124 موبائل: 0503417156
- مکہ مکرمہ: موبائل: 0502839948-0506640175 • مدینہ منورہ فون: 04 8234446 فیکس: 8151121 موبائل: 0503417155
- جدّہ فون: 02 6879254 فیکس: 6336270 • الخُبر فون: 03 8692900 فیکس: 8691551
- ینبع البحر فون/فیکس: 04 3908027 موبائل: 0500887341 • خمیس مشیط فون/فیکس: 07 2207055 موبائل: 0500710328

شارجہ فون: 00971 6 5632623 امریکہ • ہوسٹن فون: 001 713 7220419 • نیویارک فون: 001 718 6255925

لندن فون: 0044 208 539 4885 آسٹریلیا فون: 0061 2 9758 4040

پاکستان (ہیڈآفس ومرکزی شوروم)

- 36- لوئر مال، سیکرٹریٹ سٹاپ، لاہور

فون: 0092 42 7240024-7232400-7111023-7110081 فیکس: 7354072 موبائل: 0322-8484569

- غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703 موبائل: 0322-4439150
- Y-260 بلاک کمرشل ایریا، فیز III ڈیفنس، لاہور فون: 042-5084895 موبائل: 0321-4212174

Website: www.darussalampk.com E-mail: info@darussalampk.com

اسلام آباد F-8 مرکز، اسلام آباد فون/فیکس: 0092 51 2281513 موبائل: 0321 5370378

کراچی مین طارق روڈ، (D.C.HS / 110,111-Z) ڈالمن مال سے (بہادرآباد کی طرف) دُوسری گلی، کراچی

فون: 0092 21 4393936 فیکس: 4393937 موبائل: 0321-2441843

فهرسة مكتبة الملك فهد الوطنية أثناء النشر
بن رزق، العربي
الموسوعة الاسلامية للاطفال. / العربي بن رزق الرياض، ١٤٣٠هـ
ص: ٢٦٦ مقاس: A٤
ردمك: ٥-٠٢١-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨
(النص باللغة الاردية)
١- الإسلام - موسوعات أ. العنوان
ديوي ٢١٠،٣ ٣٦٤٩/ ١٤٣٠

رقم الإيداع: ٣٦٤٩/ ١٤٣٠
ردمك: ٥-٠٢١-٥٠٠-٦٠٣-٩٧٨

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

عرض ناشر

بچے، جنت کے پھول، تتلیاں، آنکھوں کی ٹھنڈک، دل کا سُرور اور زندگی کا نور ہیں۔ اسی لیے والدین اپنے پیارے بچوں کی چھوٹی سے چھوٹی خواہش بھی دل و جان سے پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

پیارے نبی ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر بچہ فطرتِ (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے والدین اُسے یہودی، عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں مسلمان والدین اپنے بچوں کی تربیت اس احساسِ فرض کی وجہ سے کرتے ہیں کہ نئی نسل کی تربیت کا معاملہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک اس قدر اہم ہے کہ یہ فرض ادا کرنے والا شخص اپنے رب کے ہاں کبھی ختم نہ ہونے والا اجر و انعام پاتا ہے۔

نئی نسل کی تربیت کے لیے ضروری ہے کہ بچوں کے اخلاق و کردار سنوارنے کے لیے ان میں دینی تعلیمات سے لگاؤ پیدا کیا جائے۔ اس مقصد کے لیے بچوں کی ابتدائی عمر ہی سے اچھی تربیت کی کوشش ضروری ہے کیونکہ عام اصول یہی ہے کہ بلند و بالا پکی عمارت بنانے کے لیے سب سے پہلے بنیادوں کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسی احساس کے پیشِ نظر دارالسلام نے بچوں کے لیے ابتدائی عمر ہی سے دینی و اخلاقی لٹریچر کی تیاری کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ اس سلسلے کے پہلے مرحلے میں اردو اور انگریزی زبان میں طباعت و اشاعت کے بین الاقوامی معیار کے مطابق مختلف عمر کے بچوں کے لیے دلچسپ، بامقصد اور دیدہ زیب لٹریچر تیار کیا جا رہا ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مبنی دل نشیں کہانیوں کی کتابوں کی تیاری کے ساتھ ساتھ نصابی اور دیگر مفید و معین کتب کا سلسلہ بھی شروع کیا گیا ہے۔ اس مقصد کے لیے بچوں کی ذہنی و نفسیاتی کیفیات کا ادراک رکھنے والے، دینی سوچ کے حامل ماہرینِ تعلیم کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔

''بچوں کا اسلامی انسائیکلو پیڈیا'' اسی سلسلے کی نہایت اہم پیش کش ہے جسے ادارے کو پہلے انگریزی میں اور بعد ازاں اردو میں تیار کرنے کا اعزاز حاصل ہو رہا ہے۔ اس میں حروفِ تہجی کے اعتبار سے بنیادی دینی تعلیمات اور اصطلاحات کو بچوں کی ذہنی سطح کے مطابق بہت آسان اور عام فہم انداز میں تحریر کیا گیا ہے۔ اس کے لیے بہت اہم معلومات معروف صحافی جناب محمد یحیٰی خاں نے بڑی خوبی سے انگریزی سے اُردو کے قالب میں ڈھالی ہیں۔

دارالسلام کے سینئر ریسرچ سکالر جناب پروفیسر محمد یحیٰی حفظہ اللہ نے اس پر نظر ثانی فرمائی اور متعدد مقامات پر تسہیل و تنقیح کے ساتھ ساتھ مفید اضافے بھی کیے جس سے اس انسائیکلو پیڈیا کی اہمیت و افادیت دو چند ہو گئی ہے۔ اسی طرح جناب طارق جاوید عارفی

نے بھی بچوں کے اسلامی انسائیکلو پیڈیا میں اپنی محنت و ریاضت کا جادو جگایا ہے۔ انھوں نے جہاں اسے از سر نو مرتب کیا، اس کی نوک پلک درست کی، وہاں قرآنی آیات اور احادیث و آثار کی تخریج بھی کی۔ ان کے رفقائے کار مولانا عبداللہ ناصر، قاری عبدالرشید راشد اور انور اعوان حفظہ اللہ نے اسے بنظر غائر پڑھا ہے۔ ان عوامل کے نتیجے میں بچوں کے اِس انسائیکلو پیڈیا کی اہمیت وافادیت اور وزن و وقار میں بڑا آگہی بخش اضافہ ہوگیا ہے۔

انسائیکلو پیڈیا کے ظاہری حُسن کو چار چاند لگانے کے لیے دارالسلام لاہور کے آرٹ ڈائریکٹر جناب زاہد سلیم چودھری، اُن کے ساتھی محمد نعیم مغل، محمد سہیل مغل، حفیظ عبدالرؤف ہاشمی، ابو ہریرہ اور کمپوزنگ سیکشن کے ابو مصعب اور خرم شہزاد نے جس محنت اور لگن سے کام کیا ہے، اس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں۔ بچوں کے لیے اِس قدر بامقصد، دلچسپ اور جاذب نظر انسائیکلو پیڈیا منظر عام پر لانے کے لیے جس فرد نے اپنی صلاحیتوں کو بر سرِ کار رکھا ہے، وہ مدیرِ دارالسلام لاہور عزیزی حافظ عبدالعظیم اسد حفظہ اللہ ہیں۔ وہ زندگی کو بلند اخلاقی سطح سے دیکھتے ہیں۔ ان کا یہ زاویہ نگاہ دارالسلام کی دیگر کتابوں کی طرح اس انسائیکلو پیڈیا میں بھی جلوہ نما ہے۔

میری دلی دُعا ہے کہ ''بچوں کا اسلامی انسائیکلو پیڈیا'' نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا بھر میں پھیلے ہوئے اُردو دان بچوں کے دینی شعور کو پختہ تر کر دے اور انھیں سچا اور کھرا مسلمان بننے کا ذوق و ذہن عطا کرے۔ آمین!

الٰہی دیکھنے والی نظر دے
دلِ پُر درد دے، سوزِ جگر دے
ہمیں عثمانؓ و حیدرؓ آشنا کر
ہمیں ایمانِ بوبکرؓ و عمرؓ دے

خادم کتاب وسنت

عبدالمالک مجاہد

مدیر، دارالسلام، الریاض۔ لاہور

مارچ 2009ء

تقدیم

کسی بھی قوم کی بڑی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری اپنی نئی نسل کی تربیت ہے۔ امتِ مسلمہ کے لیے یہ کام اور بھی زیادہ اہم ہے۔ جو قومیں مادہ پرستانہ نقطۂ نظر رکھتی ہیں، ان کے لیے نئی نسلوں کی تربیت نسبتاً آسان ہے۔ انھیں صرف اتنا کرنا ہوتا ہے کہ مادی ضرورتوں کے پورا کرنے یا مادی آسائشوں اور تعیشات کے حصول کی جو خواہش ہر انسان میں پائی جاتی ہے، اس کو بنیاد بنا کر وہ علوم وفنون سکھانے کا انتظام کر دیں جو اس مقصد کے لیے معاون ہو سکتے ہیں۔ اگر ان کی نئی نسلیں ان چیزوں کے حصول میں اپنے آباء واجداد سے آگے نکل جائیں، چاہے وہ ان کی نسبت دوسروں کا زیادہ شدت سے استحصال کر کے ہی آگے نکلیں، ان اقوام کے نزدیک وہ انتہائی کامیاب ہیں۔

ان کے برعکس اللہ نے امت مسلمہ کو یہ حکم دیا ہے کہ یہ دنیا محض ایک عارضی مرحلہ ہے۔ ان کا اصل کام اپنی زندگی اور اپنی ساری صلاحیتوں کو چند روزہ تعیشات کے حصول کے لیے ضائع کر دینا نہیں۔ دنیا کی خوش حالی ان کی اصل جدوجہد کے ضمن میں خود بخود حاصل ہو جائے گی۔ دنیوی زندگی کے دوران میں ان کا اصل کام سب سے پہلے تو یہ سمجھنا ہے کہ اس ساری کائنات میں اصل اختیار کس کا ہے؟ اس کو کس نے بنایا اور کس مقصد کے لیے بنایا ہے؟ یہ سمجھنے کے بعد اس مختارِ مطلق کی مرضی کے مطابق اپنی دنیا کو نیکیوں، بھلائیوں، امن اور سلامتی سے معمور کر دینا ہے۔ ہر صورت میں انھیں اپنا کردار بھلائیوں کی تقسیم کے حوالے سے ادا کرنا ہے۔ ساری منفی کارروائیاں، مثلاً: حسد، بغض، استحصال، دوسروں کی قیمت پر اپنا فائدہ، ظلم، ناانصافی وغیرہ ان قوتوں کے ایما پر کی جاتی ہیں جو بنی نوع انسان کی دشمن ہیں۔ جنھیں انسان کی خیر اور عزت وکرامت کی وجہ سے انسانوں سے سخت حسد ہے۔ اسی وجہ سے وہ انسانوں سے منفی کام کروا کر انھیں برباد کرنا چاہتی ہیں۔ یہ ابلیسی قوتیں ہیں۔

ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ نیکی اور بھلائی کو پھیلائے اور بری قوتوں کی کارروائیوں سے اچھائی کا دفاع کرے۔ اس جدوجہد میں کامیابی کا انعام اسے دنیا کی اس عارضی زندگی میں بھی ملے گی اور اس کے بعد ایک مستقل اور لافانی زندگی اسی انعام سے عبارت ہوگی۔ یہ کامیابی اصل کامیابی ہے جس کے لیے موجودہ زندگی بسر ہونی چاہیے۔

امت مسلمہ کے ذمے یہ ہے کہ اس کامیابی کے حصول کے لیے اپنی نئی نسلوں کو بھی تیار کرے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ جب بچے سات سال کی عمر کو پہنچیں تو انھیں نماز سکھاؤ۔ ہم لوگ نماز سکھانے سے مراد صرف یہ سمجھتے ہیں کہ دعائیں یاد کرا دیں اور قیام، رکوع وسجود وغیرہ پر مشتمل جسمانی حرکات سکھا دیں۔ اس تربیت کی بنا پر ایک عام مسلمان ساری عمر سمجھے بغیر محض دعاؤں کے الفاظ دہراتا اور جسمانی اعمال کو ادا کرتا رہتا ہے جبکہ نماز سکھانے کا حقیقی مطلب یہ ہے کہ پہلے بچے کو اچھی طرح سمجھایا جائے کہ اس

کائنات کا مالک، ہمارا خالق، رازق، رحیم و کریم، محافظ، عادل، منصف، شافی، ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب، ہماری دعائیں سننے والا، ہماری ضرورتیں پوری کرنے والا، ہمارے اپنے غلط اعمال کے برے نتائج سے ہمیں بچانے والا، ہر دم نگرانی کرنے والا، ہماری زندگی کے لیے اس کائنات کی بے شمار چیزوں کو مسخر کرنے والا، ہم سے بے حد پیار کرنے والا ہمارا اکیلا معبود اللہ ہے۔ اس کے سامنے حاضر اور اس کے قریب ہونے، اسی سے اپنی ضرورتیں کہنے اور مانگنے، اپنے وہم و گمان سے بھی زیادہ اس کی رحمت سے مستفید ہونے اور ہر مصیبت اور مشکل سے بچنے کے لیے اس کی طرف رجوع کیا کریں۔ نماز وہ طریقہ ہے جس کے ذریعے سے انسان اپنے رب کے انتہائی قریب اور کائنات میں سب سے زیادہ عزت مند، محفوظ اور افضل ہو جاتا ہے۔

پھر ان کو یہ سمجھانا ہے کہ اس کے قرب کے لیے ہمارا پاک اور صاف ہونا ضروری ہے۔ اس سے مانگنے کے لیے ہمیں اپنی زبان اور منہ کو پاک کرنا ہوگا، اس کے سامنے سجدہ کرنے کے لیے اپنی پیشانی کو ہر آلودگی سے پاک کرنا ہوگا۔ پھر اس کی بڑائی اور کبریائی کی شہادت دینی ہوگی۔ ہر طرف سے توجہ ہٹا کر اپنے دل و دماغ، شعور اور خیال میں صرف اسی کو بسانا ہوگا۔ پھر بچوں کو سمجھانا ہوگا کہ اس کی ثنا اور حمد کا طریقہ کیا ہے۔ اس کے سامنے اسی کے کلام کی تلاوت کر کے یہ کیسے ثابت کریں کہ ہمارے لیے سب سے اہم اس کے احکام ہیں۔ ہماری سب سے قیمتی متاع اس کی دی ہوئی ہدایت ہے۔ زندگی کا سب سے خوبصورت کام اسی رب کے سامنے دست بستہ کھڑے ہونا، اس کی عظمت کے سامنے سر جھکانا، اس کی رفعت اور بلندی کا اقرار کرتے ہوئے اپنا سر اس کے آگے زمین پر ٹکانا ہے۔

پھر یہ تعلیم دینا کہ اس دوران میں اس سے مانگنا کیسے ہے۔ اس سے مناجات کیسے کرنی ہیں۔ اس کی بندگی کی لذتیں کیا ہیں۔ اس کے رسول ﷺ نے یہ ساری عبادت کس طرح اور دل کی کن کیفیات کے ساتھ کی ہے اور ہمیں سکھائی ہے۔ نماز کی تعلیم کائنات کی تمام بڑی حقیقتوں اور سچائیوں کی تعلیم ہے۔ کائنات کے پروردگار کا قرب حاصل کرنے کی تعلیم ہے۔ خود کو ہمیشہ برائیوں سے محفوظ، آلائشوں سے پاک اور عظیم الشان روحانی لذتوں سے لطف اندوز ہونے کی تعلیم ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا نماز سکھانے کا حکم حقیقت میں ہمارے پورے نصاب کی مستحکم بنیاد رکھنے کا حکم ہے جس کے مطابق تربیت حاصل کرنا اور اس کی پابندی کرتے ہوئے زندگی گزارنا حتمی اور عظیم الشان کامیابی کی ضمانت ہے۔

انسانیت درحقیقت ایک ایسے ہی متوازن نصاب کی محتاج ہے جس میں کائنات کی تمام بڑی بنیادی حقیقتیں بھی موجود ہوں اور وہ تمام نافع علوم وفنون بھی جو انسان کی جسمانی اور مادی خوش حالی کے لیے ضروری ہیں۔ ان بنیادی حقیقتوں کے بغیر علوم وفنون کی ترقی کا نتیجہ ایسی تباہ کن ایجادات کا بہت بڑا ذخیرہ بھی ہے جو منٹوں میں ساری انسانیت کو عبرتناک موت کے منہ میں دھکیل سکتا ہے۔ بدقسمتی یہ ہے کہ نام نہاد ترقی یافتہ قومیں بار باران کے استعمال کے قریب پہنچ جاتی ہیں اور اگر استعمال نہیں بھی کرتیں تو ان کے خوف میں مبتلا کر کے کروڑوں بلکہ اربوں انسانوں کو بدترین استحصال کا شکار بنائے رکھتی ہیں۔

دنیا کی فلاح اسی میں ہے کہ انسانیت کو تباہ کن مادہ پرستانہ سوچ کی قید سے آزاد کرانے کے لیے نئی نسلوں کی تربیت کا ایک

متوازن نظام اختیار کیا جائے۔ اس کا مقصد محض یہ نہ ہو کہ چند اقوام کی مادی خوش حالی کا انتظام پکا رہے۔ لیکن بد قسمتی یہ ہے کہ جس امت کو پوری انسانیت کے لیے یہ عظیم الشان ذمہ داری نبھانی ہے، وہ خود اپنی نئی نسل کی تربیت سے یکسر غافل ہے۔

بازار بچوں کے لیے طرح طرح کی خوبصورت اور جاذبِ نظر کتابوں سے بھرے پڑے ہیں۔ عام معلومات میں اضافے کی کتابوں سے لے کر مختلف علوم وفنون کے لیے انسائیکلو پیڈیاز تک اور سائنس سے لے کر قوموں اور نسلوں کی برتری کے پرچار سے بھرے ہوئے بچوں کے ناولوں تک لاکھوں کی تعداد میں کتابیں موجود ہیں۔ ہر گلی کی کتابوں کی دکان میں ان کے ڈھیر لگے ہیں۔ اگر دشوار ہے تو ایسی کتابوں کا ڈھونڈنا جو بچوں کو انسانیت کی سلامتی، امن اور ہم آہنگی کے ابدی اصولوں سے روشناس کرا سکیں۔ جو انسانیت کی بھلائی کے ضامن دین کے بارے میں بچوں کو معلومات دے سکیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ ''دارالسلام'' اس میدان میں بھی اپنے حصے کا کام کیے جا رہا ہے۔ بچوں کے لیے انتہائی دیدہ زیب، پاکیزہ اور دلچسپ کتابوں کی ایک سیریز ہے جن سے ہر بچے کی لائبریری سج جاتی ہے۔ الحمد للہ! یہ کتابیں ہماری نئی نسل کو محض روایتی مسلمانوں کی بجائے باشعور، صحیح معلومات سے مسلح، پُرعزم، پُرجوش اور انسانی خدمت اور بھلائی کا مخلصانہ احساس رکھنے والے نوجوانوں کی حیثیت سے پروان چڑھانے میں اپنا کردار ادا کر رہی ہیں۔

اس سلسلے کی موجودہ کڑی ''بچوں کا اسلامی انسائیکلو پیڈیا'' ہے۔ انگریزی زبان سے ترجمے کے بعد دارالسلام کی تحقیقی ٹیم نے اسے مزید آسان، دل نشین اور بچوں کے لیے پُرکشش بنانے میں اپنا کردار ادا کیا ہے۔ یہ معنوی اور صوری اعتبار سے مسلمان بچوں کی لائبریری میں ایک خوبصورت اور مفید اضافہ ہوگا، ان شاء اللہ! اس میں درج معلومات مستند ہیں۔ معلومات کی ترتیب صحیح زاویۂ نگاہ سے رکھی گئی ہے۔ اس لیے ہمیں یقین ہے کہ اپنی خوبیوں کی وجہ سے یہ انسائیکلو پیڈیا نہ صرف بچوں کے لیے صحیح اسلامی معلومات کا خزینہ ثابت ہوگا بلکہ یہ ان میں مطالعے، تحقیق اور جستجو کے صحیح ذوق کی آبیاری بھی کرے گا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اسے ہماری نئی نسل کے لیے زیادہ سے زیادہ مفید بنائے اور اہتمام کر کے شائع کرنے والوں کی طرف سے اسے ذخیرۂ آخرت کے طور پر قبول فرمائے۔ آمین!

پروفیسر محمد یحییٰ

سینئر ریسرچ سکالر دارالسلام، لاہور

مارچ 2009ء

عرضِ مؤلف

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ ہم اسی کی حمد کرتے ہیں، اسی سے مدد مانگتے ہیں اور اسی سے مغفرت طلب کرتے ہیں۔ ہم اپنے نفس اور اپنے برے اعمال سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں۔ جس کی رہنمائی اللہ تعالیٰ کرے، اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے، اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی بھی عبادت کے لائق نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر، ان کی نیک اولاد، ان کے صحابہ، تابعین، تبع تابعین اور ان کی پیروی کرنے والوں پر تا قیامت اپنی رحمتیں نازل کرتا رہے!

یہ کتاب مسلمان بچوں کو اسلام کی بنیادی تعلیمات اور تصورات سے آگاہ کرنے کے لیے ایک ادنیٰ سی کوشش ہے۔ یہ حوالے کی ایک کتاب ہے جو بنیادی طور پر دس سال اور اس سے کچھ زائد عمر کے بچوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ اس میں شامل موضوعات نہایت آسان اور سلیس زبان میں حروف تہجی کی ترتیب سے پیش کیے گئے ہیں۔ یہ معلومات حوالہ در حوالہ (Cross References) کے طور پر اس طرح درج کی گئی ہیں کہ پڑھنے والے کو ایک متن سے دوسرے متن کی طرف جانے کی ترغیب ملتی ہے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد ان میں سے بہت سی بنیادی باتوں کو بھول چکی ہے اور یہ بھی ایک مسلمہ امر ہے کہ کچھ غیر مسلموں نے ان میں سے بعض تصورات کی غلط تعریف پیش کرکے، ان کے بارے میں الجھاؤ پیدا کیا ہے، بعض نے دانستہ طور پر ایسا کیا ہے اور بعض نے اپنی لاعلمی کے باعث یہ حرکت کی ہے۔ اس کتاب میں اسلامی تعلیمات اور تصورات کو صحیح اور واضح انداز میں پیش کیا گیا ہے تاکہ ہماری نئی نسل مغالطوں میں مبتلا نہ ہونے پائے۔

یہ کتاب نہ صرف توحید، شرک، ایمان اور احسان جیسی اصطلاحات کی تشریح و تصریح کرتی ہے بلکہ مشہور و نامور انبیاء و رسل علیہم السلام کے حالاتِ زندگی پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ اس کے علاوہ اہم تقریبات، مثلاً: عیدین وغیرہ اور ان کے منائے جانے کے فوائد، نیز ان خلفائے راشدین کی مختصر سوانح حیات بھی اس کتاب میں شامل ہیں جنھوں نے ملّتِ اسلامیہ کی تشکیل میں اہم کردار ادا کیا ہے اور تاریخ پر انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

یہ کتاب اگرچہ مسلمان بچوں کے لیے مرتّب کی گئی ہے لیکن بڑی عمر کے طلبہ و طالبات اور دیگر عقائد و مذاہب سے تعلق رکھنے والے شائقینِ مطالعہ بھی اس کے ذریعے سے اسلام کے بارے میں مستند معلومات سے آگہی حاصل کرسکتے ہیں۔ اس سے ان کے ذخیرۂ علم میں مزید اضافہ ہوگا۔

اس کتاب میں پیش کردہ معلومات و تصریحات زیادہ تر قرآن مجید کی آیات اور نبیِ اکرم ﷺ کی مستند احادیث پر مبنی ہیں۔

جب قرآن مجید کی کسی سورت کا حوالہ دیا گیا ہے تو اس میں سورت کا نام، سورت نمبر اور آیت کا نمبر شمار بھی درج کیا گیا ہے، مثلاً: مریم 11:19، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ یہ آیت قرآن مجید کی 19 ویں سورت مریم کی 11 ویں آیت ہے۔ حدیث کا حوالہ دیتے ہوئے کتاب کا نام اور حدیث نمبر یا صفحہ نمبر ذکر کیا گیا ہے۔

اس کتاب کی تالیف و تدوین میں بے شمار کتابوں اور ویب سائٹس سے مدد لی گئی ہے۔ ان میں سے کچھ ڈائریکٹر دارالسلام برادر عبدالمالک مجاہد کی ترجمہ کردہ تحریروں پر بھی مشتمل ہیں۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری اس حقیر کاوش کو جو صرف اور صرف اُس کی خوشنودی کے لیے کی گئی ہے، کامیاب بنائے اور اسے شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ اِس سے ان سب لوگوں کو صحیح معنوں میں مستفید ہونے کی توفیق دے جو اسے پڑھیں۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ شرفِ قبولیت ہی ہے جس پر ہماری اس کاوش کی کامیابی کا دارومدار ہے۔ اصل کامیابی وہی ہے جو اس کی نگاہ میں کامیابی ہو:

﴿اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ﴾

''میں کچھ نہیں چاہتا سوائے (سب کی) اصلاح کے، جہاں تک مجھ سے ہو سکے۔ اور مجھے (اس کی) توفیق ملنا اللہ کی مدد کے سوا (ممکن) نہیں۔'' [1]

﴿رَبَّنَا عَلَيْكَ تَوَكَّلْنَا وَاِلَيْكَ اَنَبْنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝﴾

''اے ہمارے رب! ہم نے تجھی پر توکل کیا، تیری ہی طرف رجوع کیا اور تیری ہی طرف ہمیں لوٹنا ہے۔'' [2]

العربی بن رزوق

الریاض، سعودی عرب

[1] هود 88:11. [2] الممتحنة 4:60.

آدم علیہ السلام

حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں سب سے پہلے انسان تھے۔ وہ سب سے پہلے نبی بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا کہ وہ آدم کو پیدا کرے گا تو انھوں نے کہا:

"کیا تو زمین میں ایسی مخلوق بنائے گا جو اس میں فساد کرے گی اور خون بہائے گی؟ جبکہ ہم تیری تعریف کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ اللہ نے کہا: بلاشبہ میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔ اور اللہ نے آدم کو (ان چیزوں کے) سب کے سب نام سکھا دیے (جن کے ذریعے سے انھوں نے دنیا کی ایسی زندگی گزارنی تھی جو اللہ نے ان کے لیے مقرر کی تھی)، پھر انھیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور کہا: اگر تم سچے ہو تو پھر مجھے ان چیزوں کے نام (ہی) بتاؤ۔ انھوں نے کہا: تو پاک ہے، ہمیں علم نہیں سوائے اس کے جو تو نے ہمیں سکھا دیا، بے شک تو ہی خوب جاننے والا، بڑا حکمت والا ہے (اس سے فرشتوں کو پتہ چل گیا کہ آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی زندگی جس مقصد کے لیے اور جس طرح کی ہوگی، وہ ابھی اس کو نہیں سمجھتے)۔"[1]

آدم علیہ السلام کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تاکہ وہ جان لیں کہ آدم علیہ السلام کی زندگی اعلیٰ اور ارفع مقاصد کے لیے ہے تو ابلیس کے سوا سب سجدے میں گر گئے۔ ابلیس جنوّں میں سے ایک جنّ تھا۔ اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا اور اکڑ دکھاتے ہوئے کہا:

"(میں اسے کیوں سجدہ کروں؟) میں اس سے بہتر ہوں، تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور اسے تو نے مٹی سے۔"[2]

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے لیے ان کی بیوی حوا علیہا السلام کو پیدا کیا۔ قرآن مجید میں حوا علیہا السلام کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ ان کے ذریعے سے آدم علیہ السلام کا جوڑا بنایا تا کہ وہ ان سے سکون حاصل کریں۔

آدم اور حوا علیہما السلام کو جنت میں رہنے اور اپنی مرضی کے مطابق زندگی گزارنے کی اجازت دی گئی۔ یہ ایک خوبصورت زندگی تھی۔ یہاں نہ کھانے پینے کی کمی تھی، نہ لباس کی اور نہ انھیں گرمی یا سردی ہی محسوس ہوتی تھی۔ ان پر صرف ایک پابندی تھی کہ وہ ایک خاص قسم کے درخت کے قریب جا کر اس کا پھل نہ چکھیں۔ شیطان نے جو ان کا شدید دشمن تھا، اپنے فریب سے ان کو بہکا دیا۔ شیطان ان کا خیر خواہ بن کر آیا اور ان سے کہا:

''تمھارے رب نے تمھیں اس درخت سے صرف اس لیے روکا ہے کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ، یا کہیں تم دونوں ہمیشہ کی زندگی نہ پالو۔''[3]

وہ شیطان کی باتوں میں آکر اللہ کا حکم بھول گئے اور اس کی نافرمانی کرتے ہوئے انھوں نے اس درخت کا پھل توڑ کر کھالیا۔ پھل کھاتے ہی ان کے جسم سے ان کا لباس اتر گیا اور وہ دونوں مارے شرم کے جنت کے پتے جوڑ جوڑ کر اپنی شرم گاہیں چھپانے لگے۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے انھیں یاد دلایا کہ میں نے اسی لیے تمھیں اس درخت کا پھل کھانے سے منع کر رکھا تھا اور تمھیں بتا دیا تھا کہ شیطان کی بات نہ ماننا، وہ تمھارا کھلا دشمن ہے۔

پھل کھانے والی غلطی آدم و حوا علیہما السلام دونوں سے ہوئی تھی۔ اس میں جتنا قصور آدم علیہ السلام کا تھا اتنا ہی حوا علیہا السلام کا تھا۔ اس لیے قرآن مجید اس غلطی کی ذمے داری آدم اور حوا علیہما السلام دونوں پر ڈالتا ہے جبکہ موجودہ انجیل یہ کہتی ہے کہ حوا علیہا السلام نے آدم علیہ السلام کو اس درخت کا پھل کھانے کی ترغیب دی تھی۔ بلکہ یہاں تک کہتی ہے کہ حوا علیہا السلام نے آدم علیہ السلام سے پہلے پھل کھا لیا تھا۔ قرآن مجید یہ نہیں کہتا کہ حوا علیہا السلام آدم علیہ السلام سے زیادہ قصور وار تھیں۔

قرآن بتاتا ہے کہ گناہ دونوں نے کیا تھا اور اللہ سے اس پر معافی دونوں نے مانگی جس پر اللہ تعالیٰ نے ان

دونوں کو معاف فرما دیا تھا۔ دونوں نے معافی مانگنے کے لیے یہ دعا کی:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ

''اے ہمارے رب! ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور تو نے ہم پر رحم نہ کیا تو یقیناً ہم خسارے والوں میں سے ہو جائیں گے۔'' [4]

اللہ تعالیٰ نے دونوں کے گناہ کو معاف کر دیا اور انھیں زمین پر اترنے کا حکم دیا:

''تم دونوں اکٹھے اس سے اتر جاؤ، تم میں سے بعض بعض کا دشمن ہے، پھر اگر کبھی واقعی تمھارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کے پیچھے چلا، نہ وہ گمراہ ہوگا اور نہ مصیبت میں پڑے گا۔'' [5]

اسلام میں ایسا کوئی تصور نہیں کہ آدم اور حوا علیہما السلام کا گناہ وراثت میں سب انسانوں کو منتقل ہوا اور ہم سب پیدائشی گناہ گار ہیں۔ اس کے برعکس انسان فطرتاً گناہوں سے پاک اور معصوم پیدا ہوتا ہے۔ ہر انسان کو عمل کی آزادی حاصل ہے، اس لیے وہ جو عمل بھی کرتا ہے، اپنی ذمے داری پر کرتا ہے۔ وہ جس راستے کا انتخاب کرے گا، اس کے لیے وہ خود اللہ کے سامنے ذمے دار ہوگا۔ شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے یہ بات بڑی خوبصورتی سے کہی ہے:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی
یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

1 البقرۃ 2:30-32۔ 2 صٓ 38:76۔ 3 الأعراف 7:20۔ 4 الأعراف 7:23۔ 5 طٰہٰ 20:123۔ دیکھیے: ابلیس اور شیطان۔

2

آیت

لغت میں آیت ''نشانی'' کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید نے انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات کو آیات کہا ہے۔ یہ معجزات اس بات کی نشانیاں تھیں کہ جنھیں یہ معجزات ملے تھے، وہ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ نبی کے سوا کوئی دوسرا شخص ایسے معجزے نہیں دکھا سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے معجزات کے ساتھ ساتھ ایک ایسا عظیم الشان معجزہ بھی عطا ہوا جو قیامت تک قائم و دائم ہے۔ یہ معجزہ قرآن مجید ہے جس کا ہر جملہ بذاتِ خود ایک معجزہ ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان جملوں کو آیات قرار دیا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک منصب یہ بیان کیا ہے:

''وہ ایسا رسول ہے جو تمھارے سامنے اللہ کی واضح بیان کرنے والی آیات کی تلاوت کرتا ہے۔''[1]

قرآن مجید کا ہر جملہ اپنے عدیم النظر صوتی آہنگ، معانی اور تاثیر غرض ہر اعتبار سے ایک معجزہ ہے جو ہر سلیم الفطرت سننے اور پڑھنے والے کے دِل میں اتر کر اسے یقین دِلاتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ یہ کسی انسان کا کلام ہو ہی نہیں سکتا۔

دوسرے انبیاء کی بعثت ایک خاص وقت کے لیے تھی۔ ان کے معجزات بھی انھی کی امتوں کے لیے تھے جو ظاہر ہونے کے بعد ختم ہو گئے، لیکن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت قیامت تک کے لیے ہے اور آپ کو عطا کیا جانے والا معجزہ، یعنی قرآن مجید بھی قیامت تک کے لیے محفوظ ہے۔ اس کی ہر آیت قیامت تک پڑھنے اور سننے والے کو قائل کرتی رہے گی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول اور آپ کا لایا ہوا دین اللہ کا عطا کردہ سچا دین ہے۔

قرآن مجید کی 114 سورتیں ہیں اور ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھی جاتی ہے، سوائے سورۂ توبہ کے۔ کچھ لوگ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو سورت کی آیات میں شمار کرتے ہیں اور کچھ لوگ شمار نہیں کرتے۔ اگر بسم اللہ کو ہر سورت کی مستقل آیت شمار کیا جائے تو قرآن مجید کی آیات کی تعداد 6349 بنتی ہے اور اگر اسے مستقل آیت نہ سمجھا جائے تو قرآنی آیات کی تعداد 6236 بنتی ہے۔

1 الطلاق 11:65، دیکھیے: آیت الکرسی اور قرآن مجید۔

3

آیت الکرسی

آیت الکرسی سورۃ البقرہ کی آیت نمبر 255 ہے۔ اس کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

﴿ اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ﴾

''وہ اللہ ہے، اس کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں، زندہ ہے، سب کو سنبھالنے والا ہے۔''

آیت الکرسی بلاشبہ قرآن مجید کی عظیم ترین اور اعلیٰ ترین آیت ہے۔ اس میں اللہ کا تعارف ہے اور اس کے ذریعے سے کائنات کی سب سے بڑی حقیقت اور اسلام کے بنیادی عقیدے کو بیان کیا گیا ہے۔ ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے پوچھا: قرآن مجید میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت کون سی ہے؟

آپ نے فرمایا:

﴿ اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ۬ۚ لَا تَاۡخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّ لَا نَوۡمٌ ﴾

''یعنی آیت الکرسی۔'' [1]

آیت الکرسی اور اس کا ترجمہ اس طرح ہے:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

''اللہ وہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، زندہ ہے، ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے، نہ اسے کچھ اونگھ پکڑتی ہے اور نہ کوئی نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے۔ کون ہے وہ جو اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرے۔ وہ جانتا ہے جو کچھ ان کے سامنے اور جو ان کے پیچھے ہے، اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کرتے مگر جتنا وہ چاہے۔ اس کی کرسی آسمانوں اور زمین کو سمائے ہوئے ہے اور اسے ان دونوں کی حفاظت نہیں تھکاتی اور وہی سب سے بلند، سب سے بڑا ہے۔''[2]

آیت الکرسی کے متعدد فضائل ہیں جن میں سے چند ایک حسب ذیل ہیں:

- یہ قرآن مجید کی افضل ترین آیت ہے۔
- اس میں ''اسمِ اعظم'' ہے۔[3] جب کوئی شخص اس آیت کو پڑھ کر دعا مانگے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو شرفِ قبولیت بخش دیتا ہے۔
- جو شخص رات کو سوتے وقت اسے پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک محافظ مقرر کر دیتا ہے، یہ محافظ رات بھر اس کے بستر کے پاس رہتا ہے، صبح تک کوئی شیطان اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔[4]
- جو شخص صبح کو آیت الکرسی پڑھے، اسے شام تک اور جو شام کو پڑھے، اسے صبح تک جنوں اور شیطانوں کے شر سے اللہ تعالیٰ کی حفاظت حاصل رہتی ہے۔[5]
- جو شخص فرض نمازوں کے بعد آیت الکرسی پڑھنا اپنا معمول بنا لے، اس کے بہشت میں داخل ہونے میں صرف موت حائل ہے۔ اسے جونہی موت آئے گی، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا (اور بہترین زندگی پائے گا)۔[6]

[1] سنن أبي داود، حديث: 4003. [2] البقرة 2:255. [3] مسند أحمد: 6/461. [4] صحيح البخاري، حديث: 2311.
[5] صحيح الترغيب والترهيب، حديث: 662. [6] صحيح الترغيب والترهيب، حديث: 1595، دیکھیے: قرآن مجید اور دعا۔

ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے انتہائی مطیع وفرمانبردار بندوں اور جلیل القدر انبیاء میں سے تھے۔ مشکل سے مشکل حالات میں بھی وہ حق اور صرف ایک اللہ کی عبادت اور اطاعت پر قائم رہے۔ ان کے زمانے میں لوگ پتھر اور لکڑی کے بنے ہوئے بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ وہ ستاروں، سیاروں، چاند اور سورج کی بھی پرستش کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر لوگ اپنے بادشاہوں اور حکمرانوں کے سامنے بھی سجدہ ریز ہوتے تھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے ایسا دل اور ذہن عطا کیا تھا کہ وہ سچائی کے سوا کسی شے کو قبول نہ کرتے تھے۔ وہ غور وفکر کے عادی تھے اور زندگی کو سنجیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے جبکہ ان کے اردگرد کے لوگ لا اُبالی اور بے فکری کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سچائی کے دلدادہ اور شیدائی تھے جبکہ دوسرے لوگ صرف وراثت میں آئی ہوئی رسموں اور روایات میں جکڑے ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد عام قسم کا بت پرست نہیں تھا کیونکہ وہ نہ صرف بتوں کی پوجا کرتا بلکہ اپنے ہاتھوں سے بت بنایا بھی کرتا تھا۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام کے دل ودماغ کو اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی سے روشن کر دیا تھا۔ وہ ہر معاملے میں عقل وشعور سے کام لیتے اور لوگوں کی اس بے عقلی پر حیرت کا اظہار کرتے کہ وہ خود ہی بت بناتے ہیں اور پھر انھیں حاجت روا اور کارساز سمجھنے لگتے ہیں۔ انھوں نے اپنے گھر والوں اور اپنی قوم کے دین کو پرکھنا ضروری سمجھا۔ انھوں نے فطری جستجو کی بنا پر اس بات کو سمجھنے کی کوشش کی کہ کس نے اس کائنات کو پیدا کیا اور کون اس کا نظام چلا رہا ہے؟ جن چیزوں کی لوگ پوجا کر رہے ہیں، وہ تو خود بے بس اور کسی دوسرے کے حکم کی پابند ہیں۔ ستارے اور چاند حتیٰ کہ سب سے بڑھ کر روشن سورج بھی حکم کے مطابق طلوع ہوتا ہے اور حکم کے مطابق غروب ہو جاتا ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ربِّ کائنات نہیں ہوسکتا۔ رب وہی ہے جس نے ان سب کو پیدا کیا اور جس کے حکم پر سب کچھ ہوتا ہے۔ وہ دوسرے لوگوں کو بھی ان کے جھوٹے معبودوں کی بے بسی کا قائل کرنا اور ان بے جان پتھروں کی پرستش پر شرمسار بھی کرنا چاہتے تھے۔ اس کے لیے آخر انھیں ایک اچھا موقع مل ہی گیا۔

ایک روز سب لوگ کسی بڑے میلے میں شرکت کے لیے بستی سے باہر گئے
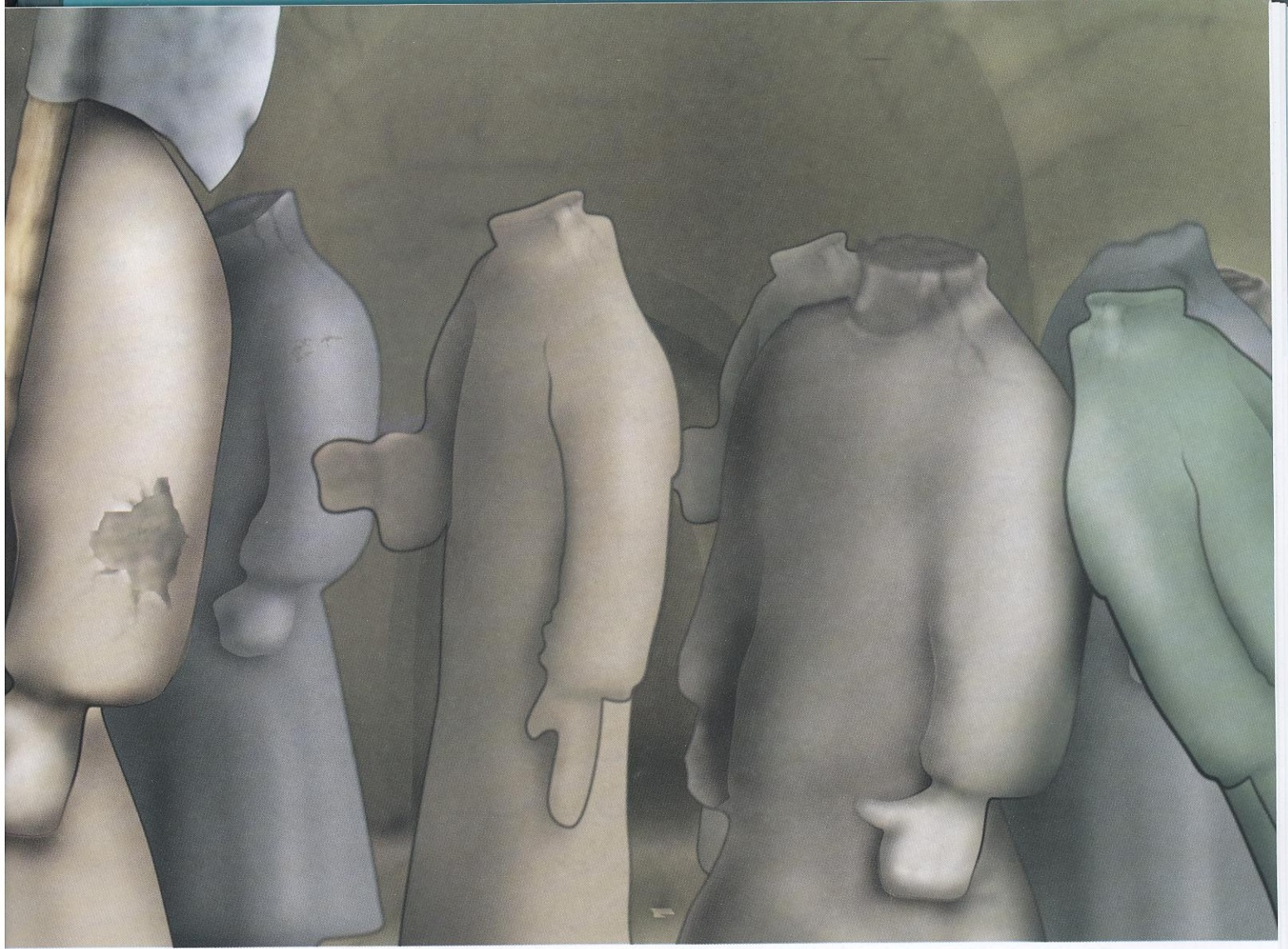
ہوئے تھے اور بت کدہ خالی پڑا ہوا تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کلہاڑا لے کر اس کے اندر داخل ہو گئے اور سب سے بڑے بت کو چھوڑ کر باقی سب کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ منظر اس طرح بن گیا جیسے سب کے درمیان لڑائی ہوئی ہو اور سب سے بڑے بت نے غصے میں آ کر چھوٹوں کو تباہ کر دیا ہو۔

جب لوگ واپس آئے تو اپنے بت کدے کی تباہی دیکھ کر ہکے بکے رہ گئے۔ ان کا ذہن فوراً ابراہیم علیہ السلام کی طرف گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بلا کر لایا گیا اور ان سے پوچھا گیا کہ کیا ہمارے معبودوں کا یہ حال آپ نے کیا ہے؟ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا: بلکہ لگتا ہے کہ یہ کام ان کے اس بڑے نے کیا ہے، لہٰذا تم ان ہی سے پوچھ لو اگر وہ بولتے ہیں۔ یہ بات سن کر وہ اپنے دل میں سوچنے پر مجبور ہو گئے اور آپس میں کہنے لگے: بے شک تم ہی ظالم ہو کہ بتوں کے بارے میں وہ کچھ کہتے ہو جو ثابت نہیں ہو سکتا، پھر وہ شرمندگی کے مارے اپنے سر ڈال کر اوندھے ہو رہے اور ابراہیم علیہ السلام کے سامنے یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ یقیناً تم بھی جانتے ہو کہ یہ بت بولتے نہیں۔ اس جواب نے ابراہیم علیہ السلام کو موقع دے دیا کہ وہ بتوں کی پوجا کو حماقت ثابت کریں۔ جو بات ابراہیم علیہ السلام اب تک کہتے آئے تھے، وہ خود مشرکوں کے منہ سے نکل پڑی تھی۔

بت پرستوں پر اگرچہ اپنے جھوٹے اعتقاد کی بے ہودگی واضح ہو چکی تھی، لیکن وہ اپنی غلط ضد پر ڈٹے رہے۔ اپنی شکست کے

باوجود انھوں نے ابراہیم علیہ السلام کو سزا دے کر اپنی خفت مٹانے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے بہت بڑے پیمانے پر آگ کا الاؤ جلانے کے انتظامات کیے۔ ایک گہرا گڑھا کھود کر اس میں لکڑیوں کے انبار لگا کر انھیں آگ لگا دی۔ جب آگ کے بلند شعلے نکلنے لگے تو ابراہیم علیہ السلام کو اس کے اندر پھینک دیا گیا۔ ان کا خیال تھا اس طرح ان کی شکست کے نشانات مٹ جائیں گے اور سچائی ختم ہو جائے گی مگر اللہ تعالیٰ نے سچائی کو واضح کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے ابراہیم علیہ السلام کو صاف بچا لیا۔ اس کا ذکر قرآن مجید میں یوں آیا ہے:

''ہم نے کہا: اے آگ! تو ابراہیم پر ٹھنڈی اور سلامتی (دینے) والی بن جا۔'' [1]

اس واضح دلیل اور عظیم معجزے کے باوجود قوم توحید کو ماننے پر تیار نہ ہوئی۔ بلکہ ابراہیم علیہ السلام کے والد اس حد تک پہنچ گئے کہ ابراہیم علیہ السلام سے صاف کہہ دیا کہ اگر تم ہمارے بتوں کو برا بھلا کہنے سے باز نہ آئے تو میں تمھیں سنگسار کر دوں گا اور یہ کہ تم مجھ سے الگ ہو جاؤ۔ [2]

اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ اس گمراہ اور ضدی معاشرے کو چھوڑ کر اللہ کی توفیق اور اس کی ہدایت کے مطابق کوئی نیا ٹھکانہ بنائیں جہاں ایک

اللہ کی عبادت اور اطاعت کی بنیاد پر نیا معاشرہ وجود میں آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے نکل پڑے۔ آخر کار انھوں نے اللہ کے حکم پر ارض مقدس کے ایک بے آباد علاقے میں ٹھکانہ بنا لیا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شادی ان کی چچا زاد سیدہ سارہ علیہا السلام سے ہوئی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت سارہ علیہا السلام کے ہاں جب خاصا عرصہ گزرنے کے باوجود اولاد پیدا نہ ہوئی تو سیدہ سارہ علیہا السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ وہ ان کی لونڈی حضرت ہاجرہ علیہا السلام سے شادی کر لیں، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے ہاجرہ علیہا السلام سے شادی کر لی جن کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ بعد میں حضرت سارہ علیہا السلام کے ہاں حضرت اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ اپنی بیوی ہاجرہ اور بیٹے اسماعیل علیہما السلام کو لے کر ایک ایسی وادی میں جائیں جہاں نہ پانی تھا اور نہ فصلیں اگتی تھیں، بالکل بے آب و گیاہ وادی تھی۔ ان کو حکم ہوا کہ وہ دونوں ماں بیٹے کو صرف اور صرف اللہ کے آسرے پر اس جگہ چھوڑ کر آجائیں اور جب اللہ کی اجازت ہو تو ان سے ملنے جاتے رہیں۔ اللہ نے اس جگہ کو آباد کرنے کے لیے ہاجرہ علیہا السلام اور ان کے بیٹے کے لیے ایک چشمہ ''زم زم'' جاری کر دیا۔

جب حضرت اسماعیل علیہ السلام کچھ بڑے ہوئے تو اپنے والد کے ساتھ ان کا بھی سخت امتحان ہوا۔ اس امتحان میں باپ بیٹا دونوں کامیاب ہوئے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے مل کر اللہ تعالیٰ کا مقدس و متبرک گھر خانہ کعبہ تعمیر کیا۔

بیت اللہ (اللہ کے گھر) کی تعمیر کے بعد اللہ سے دیگر چیزیں مانگتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام نے یہ بھی دعا کی:

''اے ہمارے رب! بے شک میں نے اپنی کچھ اولاد، ایک بے زراعت وادی میں بسائی ہے، تیرے محترم گھر (کعبے) کے پاس، اے ہمارے رب! تاکہ وہ نماز قائم کریں، چنانچہ تو بعض لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہونے والے کر دے اور انھیں ہر قسم کے پھلوں سے رزق دے تاکہ وہ (تیرا) شکر کریں۔''[3]

اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول کی اور شہر مکہ پر اپنی برکتیں نازل کیں۔ مکے کا علاقہ اگرچہ بنجر اور پتھریلا ہے مگر یہاں ہر طرف خوشحالی اور مادی زندگی کی سہولتوں کی فراوانی نظر آتی ہے۔ وہاں آپ نے یہ دعا بھی کی:

''اے ہمارے رب! اور ان میں انھی میں سے ایک رسول بھیج جو ان پر تیری آیتیں پڑھے اور انھیں کتاب و حکمت سکھائے اور انھیں پاک کرے۔ بے شک تو ہی سب پر غالب، کمال حکمت والا ہے۔''[4]

آج یہ دنیا کا مقدس ترین شہر ہے جہاں دنیا کے چاروں کونوں کے مسلمان حج اور عمرے کے لیے حاضری دیتے ہیں اور اس میں واقع کعبہ شریف کی طرف رخ کر کے نمازیں ادا کرتے ہیں۔

---

1 الأنبياء 69:21.   2 مريم 46:19.   3 إبراهيم 37:14.   4 البقرة 129:2. دیکھیے: اسماعیل علیہ السلام، مکہ مکرمہ اور زم زم۔

5

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین میں سب سے پہلے خلیفہ تھے۔ وہ عمر میں نبیِ کریم ﷺ سے دو سال چھوٹے تھے۔ ان کا خاندان مکہ کے امیر ترین تاجروں کا خاندان تھا۔ وہ معزز ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے۔ انھیں اپنی طبعی شرافت اور راستبازی کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل تھی۔ ان کی دیانت اور سچائی حضرت محمد ﷺ سے ان کی قربت کا باعث بنی۔ دونوں کے درمیان لڑکپن کے زمانے میں دوستی قائم ہوئی اور زندگی بھر بڑھتی رہی۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ دنیا کے پہلے بالغ مرد تھے جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ انھوں نے یہ کام کسی ہچکچاہٹ کے بغیر انتہائی جوش وخروش سے کیا۔ ایک دفعہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے تمھاری طرف (نبی بنا کر) بھیجا تھا تو تم لوگوں نے کہا: تم جھوٹ بولتے ہو، لیکن ابوبکر نے کہا کہ آپ سچے ہیں اور انھوں نے اپنی جان و مال کے ذریعے سے میری مدد کی تھی۔''[1]

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ مسلمانوں کے لیے انتہائی نرم دل تھے۔ وہ جب بھی کسی مسلمان کو تکلیف میں دیکھتے تو جس قدر ان کے بس میں ہوتا، اس کی مدد کرتے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام کے لیے انھوں نے کسی قربانی سے دریغ نہ کیا۔ سنگ دل قریشی آقا اپنے غلاموں کو اسلام ترک کرنے پر مجبور کرنے کے لیے ان پر مظالم ڈھاتے، ان پر کوڑے برساتے یا انھیں ننگے جسم تپتی ہوئی دھوپ
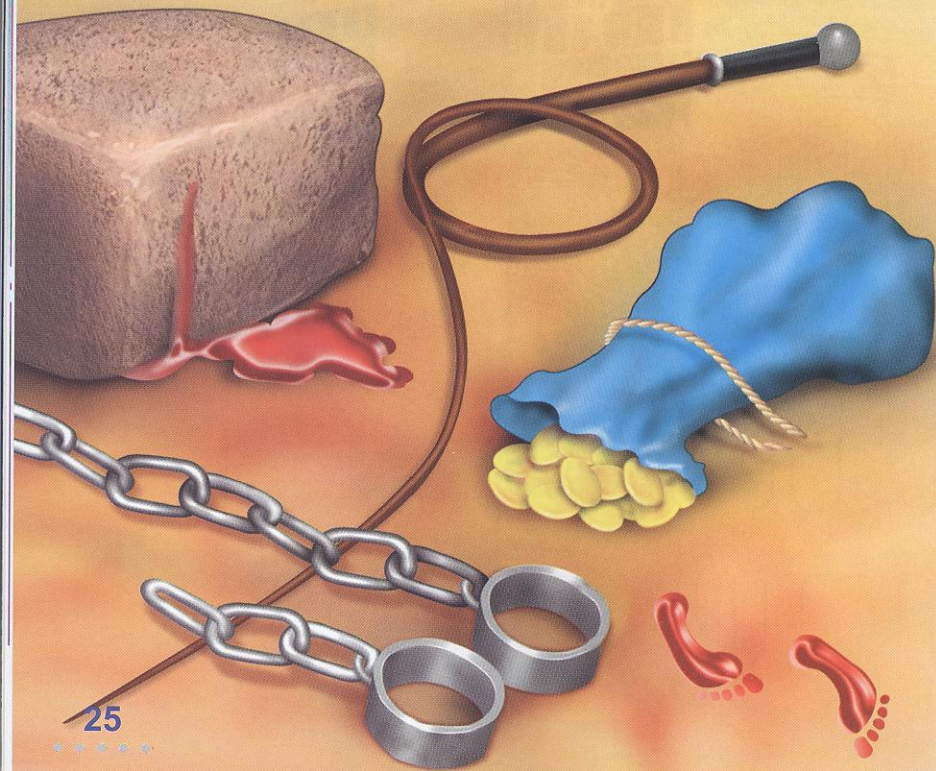
میں گرم ریت پر لٹا دیتے تھے۔ ایک قریشی سردار امیہ بن خلف نے اپنے غلام حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو سخت دھوپ میں تپتی ریت پر لٹا کر ان کے سینے پر بھاری پتھر رکھوا دیے تھے۔ سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنی دولت خرچ کر ایسے بے کس اور مظلوم مسلمان غلاموں کو خریدا اور اللہ کی خوشنودی کے لیے انھیں آزاد کیا۔

جب نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے غزوۂ تبوک کے لیے مالی تعاون کی اپیل کی تو ہر کوئی اپنی اپنی استطاعت کے مطابق جو کچھ لا سکتا تھا، لایا۔ حضرت عمر گھر کے سارے سامان کا آدھا حصہ لے آئے جبکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس رقم سمیت جو کچھ بھی تھا، وہ سب ایک گٹھڑی میں باندھ کر لے آئے اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں رکھ دیا۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا:

''ابو بکر! گھر والوں کے لیے بھی کچھ باقی رکھ آئے ہو؟''

انھوں نے جواب دیا:

''(ہاں) اللہ اور اس کے رسول کو۔'' [2]

شاعرِ مشرق علامہ اقبال نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اس جواب کو یوں شعر میں ڈھالا ہے ؎

پروانے کو چراغ ہے، بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خدا کا رسول بس

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ''الصدیق'' کا خطاب دیا جس کے معنی ہیں، انتہائی سچا اور راست باز۔ اس کا سبب یہ بنا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت جبریل علیہ السلام کے ہمراہ سفرِ معراج پر گئے اور لوگوں کو اس عظیم واقعے کی اطلاع دی تو دشمنانِ اسلام اس پر تمسخر اڑانے لگے۔ ان میں سے کچھ دوڑے دوڑے سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور کہا: ''تم نے سنا، تمھارے ساتھی (محمد ﷺ) نے یہ دعویٰ کر دیا ہے کہ وہ آج کی رات بیت المقدس کی سیر کر کے آئے ہیں!'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''کیا انھوں نے ایسا کہا ہے؟'' کافروں نے جواب دیا: ہاں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''اگر انھوں نے کہا ہے تو واقعی سچ ہے۔'' لوگوں نے کہا: ''کیا تم اس بات کی تصدیق کرتے ہو کہ وہ رات کو بیت المقدس گئے اور صبح ہونے سے پہلے ہی واپس بھی آ گئے؟'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا: ''میں تو ان کی اس سے بھی بڑی باتوں کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں تو صبح وشام ان تمام باتوں کی تصدیق کرتا ہوں جو آسمان سے ان کے پاس آتی ہیں۔'' اسی روز سے ان کا لقب ''الصدیق'' رکھ دیا گیا۔[3]

رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا ایک اہم تاریخی واقعہ مدینہ کی طرف آپ کی ہجرت تھی۔ اس کے جملہ انتظامات سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کیے اور نبی ﷺ کے ہمراہ سفر کیا۔ تمام صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں سے یہ اعزاز بھی ان کے حصے میں آیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے انتہائی نازک مواقع پر آپ کے ساتھ رہے۔ وہ تمام غزوات میں بھی آپ کے ہمراہ آپ کے پرچم تلے دادِ شجاعت دیتے رہے۔ قرآن مجید کی جمع وتدوین کا کام بھی انھی کی نگرانی میں سرانجام پایا۔

رسول اللہ ﷺ اپنی حیاتِ مبارکہ کے آخری ایام میں جب علالت کے باعث بے حد کمزور ہو گئے اور نماز کی امامت کرانا مشکل ہو گیا تو آپ نے انھی کو اپنی جگہ امام مقرر فرمایا۔

نبیِ اکرم ﷺ کی وفات کے بعد مسلمانوں نے انھیں خلیفۂ اول منتخب کیا۔ انھوں نے اپنی استقامت اور ایمانی قوت کی بدولت اسلام کی بنیادوں کو ہر قسم کے نقصان سے بچایا۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ان لوگوں سے بھی لڑنا پڑا جنھوں نے اسلام ترک کر کے مسلمانوں کے خلاف لڑائی شروع کر دی تھی۔ انھوں نے منکرینِ زکاۃ کے خلاف بھی جہاد کیا اور نبوت کے جعلی دعویداروں مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی وغیرہ کو شکستِ فاش سے دوچار کیا۔

سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ جتنی سادہ اور پرخلوص شخصیت کے مالک تھے، اتنے ہی ایمان میں پختہ اور مضبوط تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی طرح ان کا انتقال بھی 63 سال کی عمر میں ہوا۔ جس طرح وہ نبی ﷺ کی پیدائش کے دو سال بعد دنیا میں آئے، اسی حساب سے نبی ﷺ سے دو سال بعد دنیا سے رخصت ہوئے۔ انھیں نبی ﷺ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ ان کے بارے میں نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

''اگر میں (اپنی امت کے) کسی فرد کو اپنا خلیل (پکا دوست) بنا سکتا تو ابوبکر کو بناتا لیکن وہ میرے بھائی اور میرے ساتھی ہیں۔''[4]

1 صحيح البخاري، حديث: 3661. 2 جامع الترمذي، حديث: 3675. 3 سلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 306.
4 صحيح البخاري، حديث: 3656. دیکھیے: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خلفائے راشدین، اسراء ومعراج اور زکاۃ۔

6

اِحرام

حج یا عمرہ کرنے یا دونوں ایک ساتھ ادا کرنے کی نیت کرتے ہی انسان حالتِ احرام میں چلا جاتا ہے۔ احرام کا لفظی معنی (کچھ چیزوں یا کاموں کو) حرام کرنا ہے۔ جب کوئی شخص احرام کی حالت اختیار کر لے تو چند حلال چیزیں اور کام اب اس کے لیے حرام ہو جاتے ہیں، لہٰذا اب اسے ان کاموں سے رک جانا چاہیے، مثلاً:
مردوں کا سلے ہوئے اور عورتوں کا بھڑکیلے کپڑے پہننا۔ احرام کے لیے عورتیں سادہ لباس پہن لیتی ہیں جبکہ مرد دو اَن سلی چادروں سے جسم ڈھانپتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کاموں سے رکنا ضروری ہے: ناخن کاٹنا۔ بال منڈوانا، کاٹنا یا جان بوجھ کر کھینچ کر نکال دینا۔ خوشبو لگانا یا خوشبو دار صابن استعمال کرنا۔ میاں بیوی کا ازدواجی تعلقات قائم کرنا۔ منگنی کرنا یا کرانا، خواہ اپنی ہو یا کسی اور کی۔ شادی کرنا۔ دستانے پہننا۔ مردوں کا ایسی چیز سے سر ڈھانپنا جو سر کو چھو رہی ہو، البتہ چھتری یا اس قسم کی کسی چیز سے سر پر سایہ کیا جا سکتا ہے لیکن اسے سر سے فاصلے پر رہنا چاہیے۔ قمیص، پگڑی، چغہ اور پاجامہ پہننا۔ عورتوں کا چہرے پر نقاب ڈالنا، سوائے اس صورت کے جب مرد قریب ہوں اور کپڑا چہرے کو نہ چھوئے۔ شکار کرنا۔ جب کوئی شخص احرام کی حالت میں ہو تو اسے اس بات کا خاص خیال رکھنا چاہیے کہ وہ ہر اس کام سے بچے جس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہے۔ احرام کی حالت میں یہ اور زیادہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو نہ زبان سے دکھ پہنچایا جائے اور نہ ہاتھ سے اس کو ایذا دی جائے۔

دیکھیے: حج، عمرہ، طواف اور سعی۔

7

احسان

عربی زبان میں لفظ احسان کے کئی معنی ہیں، مثلاً: کسی بھی کام کو انتہائی خوبصورتی سے مکمل کرنا یا اچھائی، خلوص، صدقہ وخیرات میں کامل ہونا۔ اسلامی شریعت میں احسان دین کی اعلیٰ ترین سطح ہے، اس کے بعد ایمان آتا ہے اور پھر اسلام کی باری آتی ہے۔

ایک دفعہ جبریل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ احسان کیا ہے؟ آپ نے جواب دیا: ''تم اللہ کی عبادت کرو اس طرح کہ جیسے تم اللہ کو دیکھ رہے ہو، اگر تم اسے دیکھنے کا تصور پیدا نہیں کر سکتے تو پھر یہ کہ وہ تمھیں دیکھ رہا ہے۔''[1]

ایمان اور احسان کے ملنے سے اسلام مکمل ہو جاتا ہے۔ یہاں ایک درجہ بندی بھی پائی جاتی ہے: اسلام ابتدا ہے، ایمان اس سے بلند سطح پر آتا ہے اور احسان اعلیٰ ترین سطح ہے۔ اسلام ایک ظاہری اظہار ہے، ایمان دل کا یقین ہے جو عمل میں ڈھل جائے اور احسان، اسلام اور ایمان کی بہترین صورت پر لاگو ہوتا ہے۔

یعنی احسان، اسلام اور ایمان دونوں کے کامل ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔ یہ ہر فعل کو اعلیٰ ترین اور کامل ترین طریقے سے انجام دینے کا نام ہے۔ یہ اللہ کی عبادت اس کیفیت میں کرنے کا مطالبہ کرتا ہے کہ گویا ہم اسے دیکھ رہے ہیں یا کم از کم یہ کیفیت کہ وہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔

1 صحیح مسلم، حدیث: 8. دیکھیے: اسلام اور ایمان۔

8

احکام

احکام، حکم کی جمع ہے جس کے معنی کسی سے کچھ کرنے کا مطالبہ کرنا ہے۔ اس کے علاوہ 'فیصلے' کو بھی حکم کہا جاتا ہے کیونکہ فیصلے پر بھی عمل کرنا مطلوب ہوتا ہے۔ کامیابی کی منزل پر پہنچنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انسان کو سیدھا راستہ دکھایا ہے۔ جس طرح راستے پر ہدایات درج ہوتی ہیں کہ یہ کرو، اس طرف مڑو، یہ نہ کرو، اس طرف نہ مڑو، فلاں چیز سے بچو، اسی طرح منزل تک پہنچانے والے سیدھے راستے (صراطِ مستقیم) پر چلنے کے لیے ہدایات یا احکام ہیں۔ ان تمام احکام کے مجموعے کو شریعت (راستے کی تفصیل) کہا جاتا ہے۔ شریعت اسلامیہ میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے یا اس کے مطابق فیصلہ کرنے کے متعلق ہدایت کا نام ''حکم'' ہے۔ قرآن مجید میں جو ماخذِ شریعت ہے، نماز پڑھنے، روزہ رکھنے، بیت اللہ کا حج کرنے اور برے کاموں سے بچنے کے احکام دیے گئے ہیں۔ اسلام کے مقرر کردہ احکام کی مختلف قسمیں ہیں۔ ان کی تفصیل یہ ہے:

فرض (یا واجب)

فرض وہ کام ہے جسے لازمی یا ضروری طور پر کرنے کا حکم دیا گیا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اور تم نماز قائم کرو اور زکاۃ ادا کرو۔'' [1]

فرض کی تعمیل کرنے والوں کو آخرت میں کامیابی اور اجر ملے گا اور اس سے غفلت کرنے والوں کو ناکامی اور سخت سزا ملے گی۔ بعض فقہاء (ماہرین شریعت) فرض اور واجب کو الگ الگ کام قرار دیتے ہیں۔ فرض ان کے نزدیک وہ ہے جسے ہر صورت بجا لانا ضروری ہے۔ واجب بھی ضروری ہے لیکن فرض سے کچھ کم۔
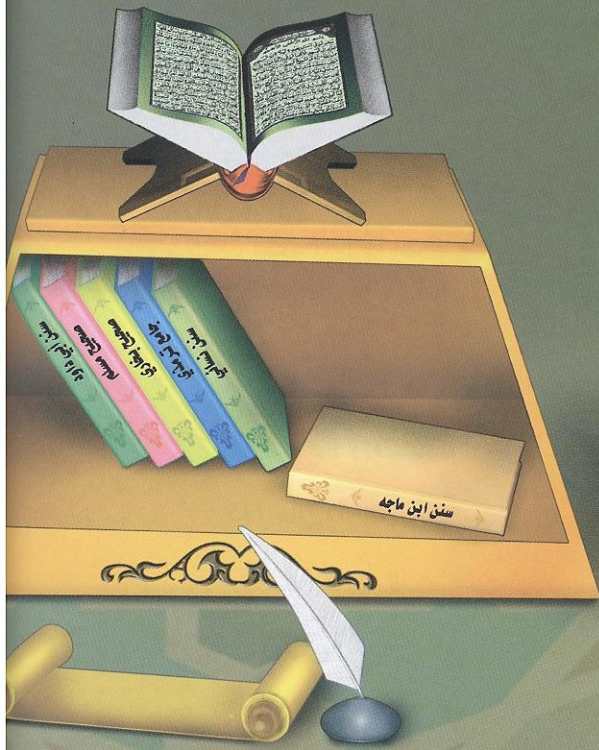
فرض یا واجب احکامات کی دو قسمیں ہیں: فرض عین اور فرض کفایہ۔

فرضِ عین

فرض عین کا مطلب یہ ہے کہ شریعت کی طرف سے وہ حکم ہر مکلّف شخص کے لیے ہے۔ اگر وہ اس کو چھوڑے تو وہ گناہ گار تصور ہوگا۔ اکثر فرائض، مثلاً: نماز، زکاۃ اور رمضان کے روزوں کی یہی نوعیت ہے۔ یہ تمام فرائض بغیر کسی تخصیص کے ہر فرد پر لازم ہیں، اگر کوئی شخص انھیں چھوڑے گا تو وہ گناہ گار ہوگا۔ واضح رہے کہ مکلّف سے مراد وہ مسلمان ہے جو اخلاقی طور پر ذمہ دار سمجھا جاتا ہو، یعنی بالغ اور عاقل ہو۔

فرضِ کفایہ

فرضِ کفایہ سے مراد وہ فعل ہے جس کی ادائیگی مجموعی طور پر سب لوگوں پر ضروری قرار دی گئی ہو، جیسے کسی گاؤں یا آبادی کے چند افراد بھی ادا کر دیں تو باقی ماندہ افراد کی طرف سے بھی وہ فرض ادا ہو جاتا ہے اور ان میں سے کوئی شخص بھی مذمت یا سزا کا مستحق نہیں ہوتا۔ لیکن اگر کوئی ایک بھی اسے ادا نہ کرے تو پورا گاؤں یا بستی گناہ گار قرار پائے گی۔ اس کی مثال نماز جنازہ ہے۔ اسلامی علوم کی نشر و اشاعت، نیکی کا حکم کرنا، برائی سے روکنا اور مفید صنعتیں قائم کرنا بھی اسی کے تحت آتا ہے۔

حرام

حرام سے مراد وہ کام ہے جسے ہر صورت نہ کرنا اور اس سے بچ جانا لازمی ہو۔ قرآن مجید میں ہے:

''اور تیرے رب نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تم نہ عبادت کرو (کسی کی) سوائے اس کے اور والدین سے اچھا سلوک کرو۔ اگر کبھی تیرے پاس دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان دونوں کو اُف تک نہ کہو اور انھیں مت جھڑکو۔'' [2]

اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی بھی دوسرے کی عبادت کرنا اور والدین کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا حرام ہے۔ حرام سے بچنے والوں کو آخرت میں اجر و ثواب اور حرام کا ارتکاب کرنے والوں کو سخت سزا ملے گی۔

مستحب

مستحب سے مراد کسی عمل کا پسندیدہ ہونا ہے۔ مستحب ایسا کام ہے جس کا کرنا لازم نہیں ہوتا، البتہ اس کے کرنے سے بہت سے فائدے حاصل ہوتے ہیں اور اسے کرنے پر شریعت کی طرف سے اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے:

''اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک مقررہ مدت کے لیے ادھار کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو۔'' [3]

اس سے اگلی آیت میں فرمایا:

''اور اگر تم میں سے کوئی دوسرے پر اعتبار کرے (اور کوئی چیز گروی رکھے بغیر قرض دے دے) تو جس پر اعتبار کیا گیا ہو اسے چاہیے کہ دوسرے کی امانت واپس ادا کر دے اور اپنے رب، اللہ سے ڈرے۔'' [4]

ان دونوں آیتوں کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ باہمی لین دین کے معاملات کو لکھنا فرض نہیں ہے، صرف مستحب ہے۔

مکروہ

مکروہ کا مطلب ہے ''ناپسندیدہ کام۔'' مکروہ سے مراد شریعت کی جانب سے کسی کام سے غیر حتمی طور پر روکنا ہے، یعنی مکروہ کو نہ کرنا، کرنے سے بہتر ہوتا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ان باتوں کے بارے میں سوال نہ کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمھیں بری لگیں۔''

اس سے آگے فرمایا:

''اور اگر تم ان کے متعلق سوال کرو گے، جب قرآن نازل کیا جا رہا ہو تو وہ تم پر ظاہر کر دی جائیں گی۔'' [5]

اس آیت کے مطالعے سے معلوم ہوا کہ بلاوجہ اور موقع و محل کے بغیر سوال کرنا مکروہ ہے، البتہ ضرورت کے تحت اور مناسب موقعے پر سوال کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

مباح

مباح کا مطلب ہے جائز، یعنی کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا انسان کو اختیار ہو۔ چاہے تو وہ کام کرے اور چاہے تو نہ کرے، جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''آج تمھارے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں اور ان لوگوں کا کھانا تمھارے لیے حلال ہے جنھیں کتاب دی گئی اور تمھارا کھانا ان کے لیے حلال ہے۔'' [6]

یعنی اہل کتاب کا کھانا ہمارے لیے حلال ہے۔ ہمیں اختیار ہے کہ ہم اسے کھائیں یا نہ کھائیں۔ تاہم مباح میں یہ خطرہ موجود رہتا ہے کہ اگر انسان کی نیت بدل جائے تو مباح، واجب، مستحب، مکروہ یا حرام تک میں بدل سکتا ہے۔ بعض دوسری چیزیں بھی مباح کی پوزیشن کو تبدیل کر سکتی ہیں، مثلاً: جو مباح چیز کسی حالت میں نقصان دہ ثابت ہو جائے، اس حالت میں وہ حرام ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں جو چیز کسی وقت واجب کے تقاضے کو پورا کرتی ہو، اس خاص وقت اور حالت میں وہ چیز بھی واجب قرار پاتی ہے، مثلاً: بیماری کی حالت میں اس حلال چیز کو کھانا حرام ہو جاتا ہے جس کے کھانے سے موت کا خطرہ ہو۔ اسی طرح مباح چیز کا استعمال زندگی بچانے کے لیے ضروری ہو تو اس کا استعمال فرض ہو جاتا ہے اور وہ چیز واجب قرار پا جاتی ہے۔

---

[1] البقرة 2:43. [2] بنی إسراء یل 17:23. [3] البقرة 2:282. [4] البقرة 2:283. [5] المائدة 5:101. [6] المائدة 5:5.

دیکھیے: شریعت۔

9

اَخلاق

''خَــلُـق'' کا معنی ہے کسی چیز کو ملائم یا ہموار کرنا۔ تخلیق کا مفہوم یہی ہے کہ اللہ نے ہر چیز کو مکمل ترین صورت میں پیدا کیا۔ دنیوی چیزیں چونکہ بار بار استعمال کرنے سے ہموار ہوتی ہیں، اس لیے خَلَق کا ایک مفہوم چیزوں کو پرانا کرنا بھی ہے۔ وہ اچھے کام جو بار بار کیے جائیں اور خوبصورت عادتیں بن جائیں، ان کو اخلاق کہتے ہیں۔ اس کا واحد ''خُــلُـق'' ہے۔ یہ واحد تمام اخلاق کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔

اسلام اپنے پیروکاروں کو عمدہ اَخلاق اختیار کرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نبیِ کریم ﷺ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

''اور بے شک آپ خُلقِ عظیم پر (کاربند) ہیں۔'' [1]

قرآن مجید کی متعدد آیات میں مسلمانوں کو اعلیٰ اخلاق و کردار اختیار کرنے کی نصیحت کی گئی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور تم لوگوں سے بھلی بات کہو۔'' [2]

بہت سی احادیث میں اچھے اعمال اور پسندیدہ اخلاق سمجھائے گئے اور انھیں اختیار کرنے کی نصیحت کی گئی ہے، جیسا کہ نبیِ

کریم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے:

''تم جہاں کہیں بھی ہو، اللہ سے ڈرتے رہو، گناہ (ہو جائے تو اس) کے بعد نیکی کر لیا کرو، وہ نیکی اس گناہ کو مٹا ڈالے گی۔ اور لوگوں کے ساتھ اچھے اخلاق سے پیش آؤ۔'' [3]

نبیِ کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

''جو شخص اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ اچھی بات کہے یا خاموشی اختیار کرے۔ اور جو کوئی اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ اپنے ہمسائے کی عزت کرے۔ اور جو انسان اللہ اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔'' [4]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی شخص (اس وقت تک حقیقی طور پر) مومن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند نہ کرے جو وہ اپنی ذات کے لیے پسند کرتا ہے۔'' [5]

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

''قیامت کے روز مومن کے ترازو میں اچھے اَخلاق سے زیادہ وزنی کوئی چیز نہ ہوگی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ بد گو، زبان دراز شخص کو ناپسند کرتا ہے۔'' [6]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''بے شک مجھے تم میں سب سے زیادہ محبوب اور قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جو تم میں سے زیادہ اچھے اَخلاق والے ہیں۔'' [7]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''ایمان والوں میں سے کامل ترین ایمان والے وہ ہیں جو اَخلاق میں سب سے اچھے ہیں۔'' [8]

نبیِ کریم ﷺ کی بعثت کا ایک بڑا مقصد انسانوں کو اعلیٰ اَخلاق کی تعلیم دینا تھا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میں اس لیے بھیجا گیا ہوں کہ اچھے اَخلاق کی تکمیل کروں۔'' [9]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نبیِ اکرم ﷺ کے اَخلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو انھوں نے جواب دیا:

''اللہ کے نبی ﷺ کا اَخلاق عین قرآن (کے مطابق) تھا۔'' [10]

اس کا مطلب یہ ہے کہ نبیِ کریم ﷺ زندگی کے ہر لمحے میں قرآن کی شاندار تعلیمات پر عمل پیرا رہتے تھے۔

---

1 القلم 68:4. 2 البقرة 83:2. 3 جامع الترمذي، حديث: 1987. 4 صحيح مسلم، حديث: 47.
5 صحيح البخاري، حديث: 13. 6 جامع الترمذي، حديث: 2002. 7 جامع الترمذي، حديث: 2018.
8 جامع الترمذي، حديث: 1162. 9 سلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 45. 10 صحيح مسلم، حديث: 746.

10

اذان واقامت

اذان فرض نمازوں کے لیے کیے جانے والے ایک ''اعلان'' کا نام ہے جس میں نماز کی طرف بلاوا بھی ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائے اور جماعت سے نماز پڑھنا ہر مسلمان مرد کے لیے لازم قرار دیا گیا تو یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ نماز کے اوقات کا اعلان کیسے کیا جائے؟ کچھ لوگوں نے یہ تجویز دی کہ نماز کے وقت بلند مقام پر آگ روشن کی جائے۔ کچھ نے یہودیوں کی طرح نفیری یا قرنا بجانے کا مشورہ دیا اور کچھ نے عیسائیوں کی طرح ناقوس ''گھنٹہ'' بجانا تجویز کیا، مگر نبیِ کریم ﷺ کو ان میں سے کوئی تجویز پسند نہ آئی۔ ابھی معاملہ زیرِغور ہی تھا کہ عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ انھیں خواب میں اذان سکھائی گئی ہے۔ نبیِ کریم ﷺ نے ان سے تفصیل سن کر انھیں کہا کہ جو کچھ تمھیں سکھایا گیا ہے، وہ بلال بن رباح رضی اللہ عنہ کو سکھا دو کیونکہ ان کی آواز تم سے بلند ہے۔ اس طرح سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اسلام کے پہلے مؤذن ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ جب سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دیتے ہوئے سنا تو انھوں نے نبیِ اکرم ﷺ کے پاس جا کر بتایا کہ انھیں بھی ایسا ہی خواب آیا تھا۔ اذان کے الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَرُ

''اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔''

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ، اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں۔''

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰه

''میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔
میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔''

حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃ ، حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃ

''آؤ! نماز کی طرف۔ آؤ! نماز کی طرف۔''

حَیَّ عَلَی الْفَلَاح ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاح

''آؤ! کامیابی کی طرف۔ آؤ! کامیابی کی طرف۔''

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَر

''اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔''

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

''اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں۔''[1]

فجر کی اذان میں ''حَیَّ عَلَی الْفَلَاح'' کے بعد دو بار یہ کلمات زیادہ کہے جاتے ہیں: '' ''(نماز نیند سے بہتر ہے)۔[2]

جماعت شروع کرنے سے پہلے اذان والے الفاظ کمی وبیشی کے ساتھ دہرائے جاتے ہیں۔ ان میں نماز کھڑی ہو جانے کا اعلان ان الفاظ میں ہوتا ہے: قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ (نماز کھڑی ہوگئی، نماز کھڑی ہوگئی)۔ اسے ''اقامت'' یا تکبیر کہتے ہیں۔ تکبیر کے مکمل الفاظ یہ ہیں:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَر ، اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ، اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ ، حَیَّ عَلَی الصَّلَاۃِ ، حَیَّ عَلَی الْفَلَاح ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ ، قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃ ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ اللّٰهُ اَكْبَر ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه

''اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں۔ آؤ! نماز کی طرف۔ آؤ! کامیابی کی طرف۔ نماز کھڑی ہو گئی، نماز کھڑی ہوگئی۔ اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں۔''[3]

جب اذان شروع ہو تو جیسے جیسے مؤذن اذان کے کلمات کہے، سننے والے کو بھی اسی طرح کہنا چاہیے، البتہ

حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ اور حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ کے جواب میں ''برائی سے بچنے کی ہمت ہے نہ نیکی کرنے کی طاقت، مگر اللہ کی توفیق سے'' کہنا چاہیے۔ ارشاد نبوی ہے کہ جو شخص سچے دل سے مؤذن کے کلمات کا جواب دے گا، وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔[4]

اذان سننے کے بعد نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنا چاہیے اور یہ دعا پڑھنی چاہیے:

اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلٰوةِ الْقَائِمَةِ اٰتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيْلَةَ وَالْفَضِيْلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا الَّذِيْ وَعَدْتَّهُ

''اے اللہ! اس پوری پکار (اذان) اور (قیامت تک) قائم رہنے والی نماز کے رب! محمد ﷺ کو وسیلہ اور بزرگی عطا فرما اور انھیں مقام محمود پر پہنچا جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔''[5]

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جب نماز کے لیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان مکروہ آوازیں نکالتا ہوا بڑی تیزی کے ساتھ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتا ہے، پھر جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو وہ (واپس) آ جاتا ہے، پھر جب تکبیر کہی جاتی ہے تو پھر پیٹھ پھیر کر بھاگتا ہے۔ جب تکبیر ختم ہو جاتی ہے تو پھر (واپس) آ جاتا ہے اور نمازی کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے، کہتا ہے کہ فلاں بات یاد کر، فلاں بات یاد کر۔ وہ نمازی کو ایسی باتیں یاد کراتا ہے جن کا اسے خیال بھی نہیں ہوتا، یہاں تک کہ ان وسوسوں کے زیر اثر آدمی کو پتہ نہیں چلتا کہ اس نے کس قدر نماز پڑھی ہے۔''[6]

یہ تو شیطان کا حال ہے لیکن باقی تمام مخلوقات کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''مؤذن کی آواز کو جنات، انسان اور جو بھی چیز سنتی ہے، وہ قیامت کے دن اس کے لیے گواہی دے گی۔''[7]

یہ بات یاد رکھیے کہ جو شخص اذان دیتا ہے، اسے مؤذن کہا جاتا ہے۔

قیامت کے دن مؤذن دوسرے لوگوں سے ممتاز اور سر بلند ہوں گے۔

[1] سنن أبي داود، حديث: 499. [2] سنن أبي داود، حديث: 501. [3] سنن أبي داود، حديث: 499.
[4] صحيح مسلم، حديث: 385. [5] صحيح البخاري، حديث: 614. [6] صحيح البخاري، حديث: 608.
[7] صحيح البخاري، حديث: 609. دیکھیے: شیطان۔

11

استنجا

اسلام صفائی ستھرائی اور پاکیزگی کے اصولوں پر عمل کرنے کا دین ہے اور پاکیزگی کو نصف ایمان قرار دیتا ہے۔ اسلام مکمل پاکیزگی چاہتا ہے، خیالات، عادات واطوار کی پاکیزگی سے لے کر جسم اور لباس کی پاکیزگی کو بھی ضروری قرار دیتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو اپنے خیالات و اعمال کے ساتھ ساتھ لباس اور جسم کی صفائی اور پاکیزگی کے طریقے بھی سکھائے ہیں حتیٰ کہ بیت الخلا (ٹائلٹ/ واش روم) کے استعمال کے آداب بھی سکھائے ہیں۔ انھی طریقوں میں سے ایک ''استنجا'' بھی ہے۔

''استنجا'' رفعِ حاجت کے بعد جسم کے ان حصوں کو پانی سے دھونے کا نام ہے جہاں نجاست لگ جاتی ہے۔ اگر پانی دستیاب نہ ہو تو ٹائلٹ ٹشوز، خشک مٹی کے تین ڈھیلے یا پتھر کام دے سکتے ہیں۔ پتھروں یا خشک مٹی سے صفائی کرنے کو ''اِستِجمار'' کہا جاتا ہے۔ اگر ٹشو پیپر استعمال کر رہے ہوں تو کم از کم تین بار صفائی کریں اور ہر دفعہ نیا ٹشو پیپر استعمال کرنا ضروری ہے۔

بیت الخلا کے استعمال کے لیے ذیل کے رہنما اصول بتائے گئے ہیں:

- ایک مسلمان کو بیت الخلا میں داخل ہونے سے پہلے یہ دعا پڑھنی چاہیے:

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ اِنِّیٓ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَ الْخَبَآئِثِ

''اللہ کے نام کے ساتھ، اے اللہ! میں گندی مخلوق اور گندے کاموں سے تیری پناہ میں آتا / آتی ہوں۔''[1]

- اس کے بعد بیت الخلا میں اس طرح داخل ہونا چاہیے کہ پہلے بایاں پاؤں اندر رکھے۔

- بیت الخلا سے نکلتے ہوئے پہلے دایاں پاؤں باہر نکالنا چاہیے اور ساتھ یہ کہنا چاہیے:

غُفْرَانَكَ

''اے اللہ! میں تیری بخشش چاہتا/ چاہتی ہوں۔''[2]

- اندر کوئی ایسی چیز نہیں لے جانی چاہیے جس پر کوئی مقدس نام یا مقدس عبارت جیسے قرآن کی آیت یا حدیث لکھی ہو۔
- نہ اپنا چہرہ قبلے کی طرف کر کے بیٹھنا چاہیے اور نہ پیٹھ کر کے۔
- غیر ضروری طور پر جسم کے اُن حصوں کو ننگا نہیں کرنا چاہیے جنھیں ڈھانپنا ضروری ہوتا ہے۔ اسے ''عَوْرَة''، یعنی ستر کہا جاتا ہے۔ مرد کا ستر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہوتا ہے جبکہ عورت کا پورا جسم ستر ہوتا ہے۔
- بغیر کسی عذر کے کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کرنا چاہیے بلکہ زمین کے قریب ہو کر اپنا کپڑا ہٹانا چاہیے اور قضائے حاجت کے لیے بیٹھ جانا چاہیے۔
- اس بات کا پورا خیال رکھنا چاہیے کہ پیشاب یا پاخانہ جسم یا کپڑوں کو نہ لگے۔
- اپنی شرمگاہ کو پانی کے ساتھ دھونا چاہیے۔ اگر پانی موجود نہ ہو تو ٹائلٹ ٹشوز، خشک مٹی کے تین ڈھیلے یا پتھر وغیرہ جو بھی دستیاب ہو، استعمال کر لینا چاہیے۔ اگر ٹائلٹ ٹشو اور پانی دونوں استعمال کرنے ہوں تو پہلے ٹائلٹ ٹشو استعمال کیا جائے اور اس کے بعد پانی استعمال کیا جائے۔ ایسا کرنے سے زیادہ سے زیادہ صفائی ہو جائے گی۔
- شرمگاہ کو دھونے کے لیے بایاں ہاتھ استعمال کرنا چاہیے اور اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ یہ عمل طاق دفعہ، یعنی تین، پانچ یا سات بار دہرایا جائے۔
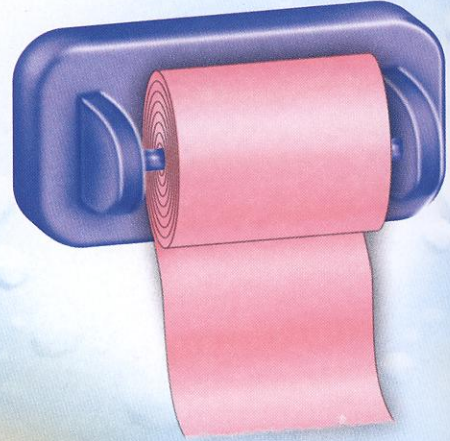
[1] صحيح البخاري، حديث: 142، و فتح الباري: 320/1. [2] سنن أبي داود، حديث: 30، دیکھیے: طہارت۔

12

اِسراء و معراج

اللہ کے رسول ﷺ کے عظیم الشان سفرِ معراج کے دو حصے ہیں: پہلے حصے کو "اسراء" اور دوسرے کو "معراج" کہا جاتا ہے۔ اسراء سے مراد ہے "راتوں رات نبی ﷺ کا مکہ سے بیت المقدس تشریف لے جانا" اور معراج سے مراد ہے "بیت المقدس سے آسمانوں کے اوپر تشریف لے جانا۔" یہ واقعہ بیداری کے عالم میں جسم اور روح سمیت پیش آیا، البتہ جاگتے ہوئے اس جسمانی سفر کے علاوہ سچے خواب میں اور رُوحانی طور پر بھی اس سے الگ ایسے سفر پیش آئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی جس کے گرد ہم نے برکت دے رکھی ہے تاکہ ہم انھیں اپنی نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔"[1]

معراج کب ہوئی؟ اس بارے میں مؤرخین میں بہت زیادہ اختلاف ہے، البتہ سورۂ بنی اسرائیل کے سیاق سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مکی دور کے بالکل آخر کا ہے۔ واقعۂ معراج کی تفصیل اس طرح سے ہے:

"حضرت جبریل علیہ السلام بُراق لے کر تشریف لائے۔ یہ گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا ایک جانور ہے جو اپنا قدم اپنی نگاہ کے آخری مقام پر رکھتا ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ کا یہ سفر شروع ہوا، اس وقت آپ مسجد حرام میں تھے۔ آپ براق پر سوار ہو کر حضرت جبریل علیہ السلام کی معیت میں بیت المقدس تشریف لائے۔ وہاں جبریل علیہ السلام نے براق کو اس حلقے کے ساتھ باندھ دیا جس کے ساتھ انبیاء اپنی سواریاں باندھتے تھے، پھر آپ مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے۔ دو رکعت نماز ادا کی اور اس میں انبیاء علیہم السلام کی امامت فرمائی، پھر حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے پاس تین برتن لائے۔ ایک شراب کا، دوسرا دودھ کا اور تیسرا شہد کا، آپ نے دودھ پسند فرمایا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے کہا: "آپ نے فطرت پائی، آپ کو بھی ہدایت نصیب ہوئی اور آپ کی امت کو بھی۔ اگر آپ نے شراب پسند فرمائی ہوتی تو آپ کی امت گمراہ ہو جاتی۔"[2]

اس کے بعد آپ کو بیت المقدس سے آسمانِ دنیا تک لے جایا گیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا۔ آپ کی آمد کی وجہ سے دروازہ کھولا گیا۔ آپ نے وہاں تمام انسانوں کے والد حضرت آدم علیہ السلام کو دیکھا اور انھیں سلام کیا۔ انھوں نے آپ کے سلام کا جواب دیا، مرحبا (خوش آمدید) کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ ان کی دائیں طرف ایک گروہ تھا، جب وہ انھیں دیکھتے تو مسکراتے۔ یہ سعادت مندوں کی روحیں تھیں اور ان کی بائیں طرف ایک اور گروہ تھا، جب وہ انھیں دیکھتے تو روتے۔ یہ بدبختوں کی روحیں تھیں۔

پھر آپ کو دوسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے دروازہ کھلوایا۔ آپ کی آمد کی وجہ سے دروازہ کھولا گیا۔ آپ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ
الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ ہُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ

نے وہاں دو خالہ زاد پیغمبروں حضرت یحییٰ بن زکریا اور حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کو دیکھا اور انھیں سلام کیا۔ دونوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر تیسرے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا، انھیں دنیا کا آدھا حسن دیا گیا تھا۔ آپ نے انھیں بھی سلام کہا، انھوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر آپ کو چوتھے آسمان پر لے جایا گیا، آپ نے وہاں حضرت ادریس علیہ السلام کو دیکھا اور انھیں سلام کہا۔ انھوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر پانچویں آسمان پر لے جایا گیا، وہاں آپ نے حضرت ہارون علیہ السلام کو دیکھا اور انھیں سلام کہا۔ انھوں نے سلام کا جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔

پھر آپ کو چھٹے آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے انھیں سلام کہا، انھوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا، پھر جب آپ وہاں سے آگے بڑھے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے۔ ان سے پوچھا گیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ تو انھوں نے کہا: ''میں اس لیے رو رہا ہوں کہ ایک جوان جسے میرے بعد مبعوث کیا گیا۔ اس کی امت میری امت سے زیادہ تعداد میں جنت میں داخل ہوگی۔''

اس کے بعد آپ کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ وہاں آپ کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی۔ آپ نے انھیں سلام کیا، انھوں نے جواب دیا، مرحبا کہا اور آپ کی نبوت کا اقرار کیا۔ وہ بیت المعمور سے پشت لگا کر بیٹھے تھے۔ بیت المعمور میں روزانہ ستر ہزار فرشتے نماز پڑھتے ہیں، پھر نکلتے ہیں تو دوبارہ کبھی ان کے پلٹنے کی باری نہیں آتی۔

پھر آپ کو ''سدرۃ المنتہیٰ'' تک لے جایا گیا۔ اس کے پتے ہاتھی کے کان جیسے اور پھل بڑے کونڈوں یا ٹھلیوں جیسے تھے۔ اس پر سونے کے پتنگے چھائے ہوئے تھے اور اللہ کے حکم سے جو کچھ اس پر چھانا تھا، چھا گیا۔ اس سے وہ سدرہ (بیری کا درخت) تبدیل ہو کر اتنا خوبصورت ہو گیا کہ اللہ کی مخلوق اس کا حسن بیان کرنے کی تاب نہیں رکھتی۔

معراج کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پانچ نمازوں کا تحفہ دیا گیا اور جنت و دوزخ کا مشاہدہ کرایا گیا۔ جنت میں آپ نے نہر کوثر اور اللہ کی چند دیگر نشانیاں دیکھیں اور جہنم میں غیبت کرنے والوں، بے عمل خطباء اور صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے قاتل کے بھیانک انجام کا مشاہدہ کیا۔ اس رات آپ کو داروغۂ جہنم جس کا نام مالک ہے، سے بھی ملایا گیا اور دجال کا مشاہدہ بھی کرایا گیا جو قیامت کے قریب نکلے گا۔

1 بنی إسراء یل 17:1. 2 صحيح البخاري، حدیث: 4709. دیکھیے: مسجدِ حرام، بیت المقدس، سود اور جبریل علیہ السلام۔

13

اسلام

اسلام آخری دین ہے جسے اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد بن عبداللہ ﷺ کے ذریعے سے بنی نوع انسان کے لیے بھیجا ہے۔ اسلام کے معنی ''امن واطاعت'' کے ہیں اور مسلمان وہ ہے جو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے سامنے جُھک جائے اور اس کے تمام احکام کو تسلیم کرلے۔ بنیادی طور پر یہ وہی ہدایت ہے جسے نبیِ کریم ﷺ سے پہلے حضرت نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیاء ورسل علیہم السلام لے کر آئے تھے۔ اس ہدایت کی بنیاد یہ ہے کہ ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ اس پیغام کے مطابق تمام انسانوں کے اتحاد کی بنیاد یہی دین ہے جو وحیِ الٰہی کے ذریعے سے پیغمبروں کو عطا کیا گیا اور انھوں نے اسے عالم انسانیت تک پہنچایا، چنانچہ قرآن مجید میں کہا گیا ہے:

''اس (اللہ تعالیٰ) نے تمھارے لیے وہی دین مقرر کیا ہے
جس کا حکم اس نے نوح کو دیا تھا اور جو ہم نے
(اے نبی!) آپ کی طرف وحی کیا ہے
اور جس کا تاکیدی حکم ہم نے
ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو دیا تھا
کہ تم اس دین کو قائم رکھو
اور تم اس میں فرقہ فرقہ نہ
ہو جاؤ۔'' [1]

اسلام ہر لحاظ سے جامع و مکمل دین ہے، اس میں سے کوئی چیز خارج نہیں کی جاسکتی اور نہ اس میں کچھ شامل کیا جاسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کردیا، اور تم پر اپنی نعمت پوری
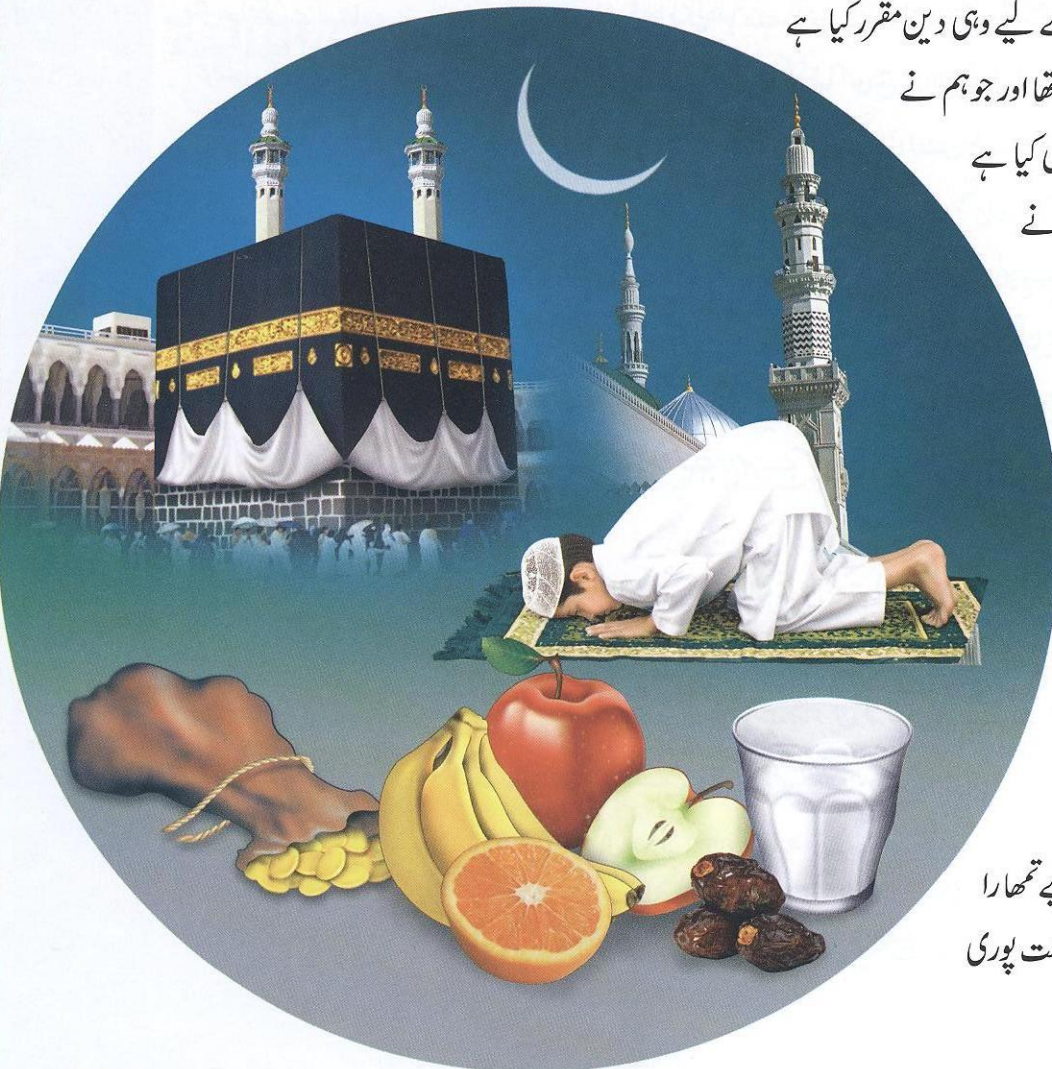
کردی، اور تمھارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔'' [2]

اسلام چونکہ آخری دین ہے، اس لیے اس نے سابقہ تمام ادیان کو منسوخ کر دیا ہے۔ سب کو اسی پر چلنا ہے۔ اب کسی سے اس کے سوا کوئی اور دین قبول نہیں کیا جائے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اور جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کرے گا تو وہ اس سے ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔'' [3]

ایک بار جبریل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا:

''اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی (برحق) معبود نہیں ہے اور بلاشبہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور تو نماز قائم کرے، زکاۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے، اگر تو اس (بیت اللہ) تک سفر کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔'' [4]

اسلام ہر اس چیز کو جائز اور حلال قرار دیتا ہے جو اخلاقی طور پر درست ہو اور فرد یا معاشرے کے لیے فائدہ پہنچاتی ہو۔ جو چیز معاشرے یا فرد کے لیے نقصان دہ اور اخلاقی طور پر غلط ہو، اسے ناجائز اور حرام قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارا اور ہر چیز کا خالق ہے۔ وہی جانتا ہے کہ ہمارے لیے بہترین طریقۂ زندگی یا دین کیا ہے۔ اس کے احکام اور اس کی منع کی ہوئی چیزیں ہماری روحانی اور ذہنی نشوونما کے لیے ہیں۔ وہ پوری انسانیت کے اخلاق اور مادی فوائد کی ضامن ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وہ (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) انھیں اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے اور انھیں برے کاموں سے روکتا ہے، اور وہ ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔'' [5]

اسلام تمام اچھے کاموں کی تلقین کرتا ہے، مثلاً: سچ بولنے، انصاف سے کام لینے، رحم کرنے، محبت وشفقت سے پیش آنے، فراخ دلی اختیار کرنے، دوسروں سے بے غرض اور بے لوث ہو کر پیش آنے اور محنت کرنے کا سبق دیتا ہے۔ اسی طرح تمام برائیوں سے روکتا ہے، مثلاً: ناانصافی، بدمعاشی وشرارت، بے حیائی، دھوکا، حسد اور دیگر گناہ کے کاموں سے روکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''(کامل) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔'' [6]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

''انسان کا بے فائدہ کاموں کو چھوڑ دینا اس کے حسنِ اسلام کی علامت (اچھے مسلمان ہونے کی دلیل) ہے۔'' [7]

سفیان بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا:

''اے اللہ کے رسول! مجھے اسلام کے بارے میں ایسی بات بتا دیں کہ (پھر) آپ کے بعد مجھے اس کے بارے میں کسی سے سوال کرنے کی ضرورت نہ رہے۔ آپ نے فرمایا: ''تو کہہ: میں اللہ پر ایمان لایا اور پھر اس پر ثابت قدم ہو جا۔'' [8]

---

[1] الشوریٰ 42:13 [2] المآئدة 5:3. [3] آلِ عمران 3:85. [4] صحيح مسلم، حديث: 8. [5] الأعراف 7:157.

[6] صحيح البخاري، حديث: 10. [7] جامع الترمذي، حديث: 2317.

[8] صحيح مسلم، حديث: 38، دیکھیے: نماز، زکاۃ، حج، روزہ، رمضان المبارک اور شہادت۔

۱ محرم
۲ صفر
۳ ربیع الاول
٤ ربیع الثانی
٥ جمادی الاولی
٦ جمادی الثانیة
۷ رجب
۸ شعبان
۹ رمضان
۱۰ شوال
۱۱ ذوالقعدة
۱۲ ذوالحجة

14

اسلامی کیلنڈر

اسلام سے قبل عربوں کے پاس اپنا کوئی کیلنڈر نہیں تھا۔ انھیں اگرچہ بارہ قمری مہینے معلوم تھے لیکن وہ وقت کا حساب اہم واقعات کے حوالے سے کرتے تھے، یعنی فلاں بات فلاں اہم واقعے سے پہلے یا بعد کی ہے، مثلاً: عام الفیل (ہاتھیوں والا سال) کا واقعہ مدت بتانے کے لیے استعمال کیا جاتا۔

بارہ قمری مہینوں پر مبنی اسلامی کیلنڈر کی بنیاد رسول اللہ ﷺ نے اللہ کے حکم سے حجۃ الوداع کے موقع پر رکھی اور بتایا کہ لوگوں نے مہینوں کے حساب میں جو خرابیاں پیدا کر رکھی تھیں اللہ نے ان کو اس حج کے ساتھ درست کر دیا ہے۔ اس کیلنڈر کو آخری شکل حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے دی۔ ایک دفعہ یوں ہوا کہ انھیں ایک قانونی دستاویز موصول ہوئی جس میں تاریخ ماہِ شعبان لکھی ہوئی تھی۔ اس سے یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ اس سے مراد اسی سال کا ماہِ شعبان ہے یا بعد کے سال کا ماہِ شعبان مراد ہے، چنانچہ انھوں نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا کہ مسلمانوں کے نئے کیلنڈر کا آغاز کس تاریخ سے کیا جائے؟ بہت سوچ بچار کے بعد طے پایا کہ اسلامی کیلنڈر کے لیے واقعۂ ہجرت کو بنیاد بنایا جائے اور اس کی ابتدا ماہِ محرم سے کی جائے کیونکہ 13 نبوت کے ذوالحجہ کے بالکل آخر میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا منصوبہ طے کر لیا گیا تھا اور اس کے بعد جو چاند طلوع ہوا، وہ محرم کا تھا۔

اسلامی کیلنڈر کا پہلا مہینہ محرم ہے۔ اس کے بعد کے مہینوں کے نام یہ ہیں: صفر، ربیع الاول، ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ، جمادی الثانیہ ، رجب، شعبان، رمضان، شوال، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ۔

زمین کے گرد چاند کا چکر 354 دنوں میں پورا ہوتا ہے، اس لیے اسلامی قمری سال 354 دنوں کا ہوتا ہے۔ ہر قمری مہینہ نئے چاند سے شروع ہوتا ہے۔ ایک مہینہ

کبھی 29 دن کا ہوتا ہے اور کبھی 30 دن کا، یعنی قمری مہینہ 29 سے کم اور 30 سے زیادہ دِنوں کا نہیں ہوتا۔

اسلامی کیلنڈر کے لیے انگریزی زبان کے حروف ''A.H'' (After Hijrah) استعمال کیے جاتے ہیں جس کا مطلب ہے بعداز ہجرت، جیسا کہ مغربی کیلنڈر کے لیے ''A.D'' استعمال کیا جاتا ہے جو Anno Domini کا مخفف ہے جس کے معنی ہیں ''بعداز سالِ خداوند'' (عیسیٰ علیہ السلام کے بعد کا سال)۔

مسلمانوں کو اسلامی کیلنڈر ہی استعمال کرنا چاہیے کیونکہ تمام اسلامی معاملات کی تاریخوں کا تعین اسی سے ہوتا ہے، مثلاً: رمضان کے روزے اور حج کی تاریخیں اور عیدین وغیرہ۔

دیکھیے: عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، عام الفیل اور ہجرت مدینہ۔

15

اسماعیل علیہ السلام

حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام ہاجرہ علیہا السلام تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شان و عظمت کا تذکرہ قرآن مجید میں اس طرح کیا گیا ہے:

''اور کتاب میں اسماعیل کا ذکر (بھی) کیجیے، بے شک وہ وعدے کے سچے اور رسول (اور) نبی تھے۔ اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکاۃ کا حکم دیتے تھے اور وہ اپنے رب کے ہاں انتہائی پسندیدہ تھے۔''[1]

اللہ کے حکم پر اللہ کے گھر کی تعمیر اور اس کے ساتھ مکہ کا مقدس شہر بسانے کے لیے اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو منتخب کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی ہاجرہ علیہا السلام اور بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو لے کر ایک ایسی بنجر وادی میں پہنچے جہاں نہ پانی تھا، نہ کوئی درخت، نہ کوئی پھل اور نہ کوئی خوراک تھی۔ یہ وہی جگہ تھی جو آج کل مکہ کہلاتی ہے۔ ابراہیم علیہ السلام انھیں وہاں چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ ہاجرہ علیہا السلام جانتی تھیں کہ ان کے شوہر نے یہ کام اپنی مرضی سے نہیں بلکہ اللہ کے حکم کے تحت کیا ہے، اس لیے انھیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ انھیں اور ان کے بیٹے کو بے یار و مددگار اور بے وسیلہ نہیں چھوڑے گا، ان کے لیے ضرور کوئی بندوبست کر دے گا۔ واقعی اللہ تعالیٰ نے انھیں مایوس نہ کیا۔ سب سے پہلے یہ ہوا کہ اللہ نے ان کے لیے زمین سے پانی کا ایک چشمہ نکال دیا۔ آج اس بابرکت پانی کو آبِ زم زم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ پانی مکہ کی پوری آبادی کے علاوہ دنیا بھر سے آئے ہوئے لاکھوں حاجیوں کو سیراب کرتا ہے بلکہ حجاجِ کرام یہ پانی لاکھوں بلکہ کروڑوں گیلنوں کی مقدار میں دنیا بھر میں لے کر بھی جاتے ہیں۔

زم زم کے نمودار ہونے کے بعد وہ دونوں ماں بیٹا وہیں زندگی بسر کرنے لگے۔ کچھ عرصے بعد قبیلہ جُرہُم کے چند افراد قریب سے گزرے۔ انھوں نے وہاں پانی کا چشمہ دیکھا تو اس کا پانی خوب سیر ہو کر پیا، پھر انھوں نے اس جگہ کو موزوں پا کر ہاجرہ علیہا السلام سے اجازت مانگی کہ کیا ہم بھی آپ کے پاس زم زم کے قریب آباد ہو سکتے ہیں؟ ان کی طرف سے اجازت ملنے پر وہ یہاں رہنے لگے۔ جب اسماعیل علیہ السلام پل کر جوان ہو گئے تو انھوں نے اسی قبیلے کی ایک دوشیزہ کے ساتھ شادی کر لی۔

یہ اسماعیل علیہ السلام ہی تھے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے والد اور اپنے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں حکم دیا تھا کہ وہ انھیں اللہ کی راہ میں قربان کر دیں۔ جب انھوں نے اپنے بیٹے سے ذکر کیا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تمھاری قربانی دے رہا ہوں۔ اس پر تمھارا کیا خیال ہے؟ اسماعیل علیہ السلام نے فوراً سرِ تسلیم خم کیا اور خود کو قربانی کے لیے پیش کر دیا۔ قرآن مجید نے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے:

”پھر جب وہ (اسماعیل علیہ السلام) ان (ابراہیم علیہ السلام) کے ساتھ دوڑنے بھاگنے (کی عمر) کو پہنچے تو انھوں نے کہا: اے میرے پیارے بیٹے! بے شک میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تمھیں ذبح کر رہا ہوں، اب تم دیکھ لو! تمھاری کیا رائے ہے؟ بیٹے نے کہا: ابا جان! جو آپ کو حکم دیا گیا ہے، اس پر عمل کر گزریں، ان شاء اللہ! مجھے آپ صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔“ [2]

جب ان دونوں نے اللہ کی مرضی کے مطابق خود کو پیش کر دیا، یعنی ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کی پیشانی کو پکڑ کر ذبح کے لیے لٹا دیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی: ”اے ابراہیم! تو نے اپنا خواب یقیناً سچ کر دکھایا ہے (تم نے اپنی عبادت اور اطاعت کا ثبوت پیش کر دیا ہے) بے شک ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ بلاشبہ یہ کھلی آزمائش ہی تھی۔ اور ہم نے اس (اسماعیل) کے بدلے میں ایک عظیم القدر (جانور) ذبح کرنے کو دیا۔“ [3]

اس طرح یہ قربانی آئندہ آنے والی تمام نسلوں کے لیے مثال بن گئی۔ اللہ کے نیکوکار بندے ہمیشہ اس پر عمل کرتے رہے اور کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اپنے والد کے ساتھ مل کر کعبہ کی تعمیر بھی کی۔ اس مبارک کام کو کرتے ہوئے دونوں نے ایک عظیم الشان دعا کی جس کا ایک حصہ یہ ہے:

”اے ہمارے رب! تو ہم سے (یہ نیکی) قبول کر لے، بے شک تو ہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔“ [4]

---

[1] مریم: 55,54:19۔ [2] الصّٰفّٰت 102:37۔ [3] الصّٰفّٰت 37:104-107۔ [4] البقرة 127:2، دیکھیے: ابراہیم علیہ السلام اور زم زم۔

اسمائے حسنیٰ

''اللہ'' ہمارے رب کا ذاتی نام ہے۔ اس نے ہمیں پیدا کیا۔ وہ ہمیں پالتا ہے، رزق دیتا ہے، ہم پر بہت مہربان ہے، ہماری حفاظت کرتا ہے اور ہمیں شفا دیتا ہے۔ یہ سب اس کی صفات ہیں۔ ان صفات پر مبنی اس کے بہت سے انتہائی خوبصورت نام ہیں۔ اللہ کے انتہائی پیارے خوبصورت ناموں کو اسمائے حسنیٰ کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سب نام اس کی عظمت، بزرگی، تقدیس، پاکیزگی اور اس کی صفاتِ کاملہ کے مظہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر انتہائی رحمت فرماتے ہوئے خود کہا ہے کہ اپنی ہر ضرورت کے لیے

اسمائے حسنیٰ

اُسے انھی ناموں سے پکارو۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ تم مجھے پکارو، میں تمھاری پکار سنوں گا اور جواب دوں گا۔ تمھاری ضرورت پوری کروں گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''اور تمھارے رب نے کہا ہے کہ مجھے پکارو میں تمھاری پکار کا جواب دوں گا۔'' [1]

اللہ تعالیٰ کو کیسے پکارنا ہے، اس کا طریقہ اللہ تعالیٰ نے یوں بتایا ہے:

''اور اللہ ہی کے لیے سب سے اچھے نام ہیں، لہٰذا تم اسے ان (ناموں) سے پکارو۔'' [2]

ایک مسلمان کو اللہ کے تمام ناموں پر ایمان رکھنا چاہیے اور یہ اعتقاد رکھنا چاہیے کہ اللہ کے ناموں کے نہ معنی تبدیل کیے جائیں، نہ ان سے بے توجہی برتی جائے اور نہ انھیں اس کی مخلوق کے ساتھ مشابہ قرار دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔'' [3]

اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے چند مشہور نام یہ ہیں:

اَلرَّحْمٰنُ (نہایت مہربان) اَلرَّحِیْمُ (بہت رحم کرنے والا) اَلْخٰلِقُ (پیدا کرنے والا) اَلْمَلِكُ (بادشاہ) اَلْقُدُّوْسُ (نہایت پاک) اَلْعَزِیْزُ (غالب، زبردست) اَلْحَکِیْمُ (خوب حکمت والا) اَلسَّلٰمُ (سلامتی والا) اَلْعَلِیْمُ (خوب جاننے والا) اَلْمُؤْمِنُ (امن دینے والا) اَلْمُهَیْمِنُ (نگہبان) اَلْجَبَّارُ (اپنی بات منوانے والا) اَلْمُتَکَبِّرُ (بڑائی والا) اَلْبَارِئُ (موجد) اَلْمُصَوِّرُ (صورتیں بنانے والا)۔

نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

''اللہ کے ننانوے (99) نام ہیں، یعنی ایک کم سو، جو کوئی (ذکر اور دعا میں) ان کو شمار کرے گا، وہ جنت میں داخل ہو گا۔'' [4]

شمار کرنے کا مطلب ہے: ان پر ایمان لاتے ہوئے، ان کو یاد کرنا اور ایک ایک کر کے ان سب کو اخلاص کے ساتھ پڑھنا۔ اور ان ناموں سے پکارتے ہوئے اس سے مانگنا اور اس کے سامنے زاری کرنا۔

---

[1] المؤمن 60:40۔ [2] الأعراف 180:7۔ [3] الشورٰی 11:42۔ [4] صحيح البخاري، حديث: 2736، دیکھیے: اللہ تعالیٰ۔

17

اعتکاف

اعتکاف سے مراد ماہِ رمضان کے آخری دس دنوں میں گھر چھوڑ کر مسجد کے اندر ہی قیام کرتے ہوئے اللہ کی عبادت میں مشغول رہنا ہے۔ اس طرح بندہ اللہ تعالیٰ کے قریب تر رہتا ہے، لیلۃ القدر کو تلاش کرتا ہے اور اس کی برکات سے مستفید ہوتا ہے۔ اعتکاف بیٹھنے والے شخص کو مُعتَکِف کہتے ہیں۔ معتکف کو مسجد سے نکلنے کی اجازت نہیں سوائے قضائے حاجت یا کسی اور بے حد ضروری کام کے۔ گھر سے کھانا لانے والا کوئی شخص نہ ہو تو خود گھر سے کھانا لا سکتا ہے۔ مگر ایسے ضروری کاموں میں بھی اسے کم سے کم وقت صرف کرنا چاہیے۔ معتکف کو اپنا وقت قرآن مجید کی تلاوت، ذکر و فکر، تسبیح، نوافل کی ادائیگی اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا میں گزارنا چاہیے۔

اعتکاف بیٹھنا سنت ہے، فرض نہیں ہے۔ تاہم اگر کسی شخص نے اعتکاف بیٹھنے کی نذر مانی ہو تو اس کے لیے یہ فرض ہے۔

دیکھیے: رمضان المبارک اور لیلۃ القدر۔

18

اللہ تعالیٰ

آسمانوں اور زمین کو بنانے والا، پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا، ہر چیز کا رب اور مالک جس کے سوا کوئی حقیقی معبود اور پالنے والا نہیں۔ وہ عظمت و جلال والا ہے جس کی تمام صفات کامل ہیں۔ جو ہر عیب و نقص سے پاک ہے۔ اس کا ذاتی نام "اللہ" ہے۔ اس نام کی کوئی جمع اور کوئی تذکیر و تانیث نہیں ہے۔ اللہ ہی آسمانوں، زمین، انسانوں، جنوں، پودوں، جانوروں، جاندار و بے جان اشیاء اور تمام چھپی اور ظاہر چیزوں اور اس کائنات کا خالق و مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ

ساری کائنات پر اس کی فرماں روائی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے، فیصلے کرتا ہے۔ کوئی بھی نہیں جو اس کے فیصلوں سے سرتابی کرسکے یا اس کے فیصلوں میں ردوبدل کرسکے۔ تمام علم کی کنجیاں اس کے پاس ہیں اور ان علوم کی بھی جن تک انسانوں کی رسائی نہیں۔ وہ علیم اور بصیر ہے۔ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اس کی مخلوقات کیا کررہی ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ خشکی اور سمندروں میں کیا ہے۔ کوئی پتہ ایسا نہیں گرتا جس کا اس کو علم نہ ہو۔ زمین کے اندھیروں میں پڑا ہوا کوئی ایسا دانہ نہیں اور کوئی ایسی سبز یا خشک چیز نہیں جو اس کی بنائی ہوئی تقدیر کی واضح اور روشن کتاب میں لکھی ہوئی نہ ہو۔ اسی کے لیے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس کے سب کام حکمت و دانائی سے بھرے ہوئے ہیں۔ وہ کائنات کے اندر اور اس کے پار ہونے والے تمام واقعات کو ان کے رونما ہونے سے پہلے جانتا ہے۔ اس نے جو کچھ کرنے کا فیصلہ کردیا ہو، اسے کوئی بھی تبدیل نہیں کرسکتا۔ وہی حقیقی معبود ہے اور وہی عبادت کے لائق ہے۔ اس کے سوا کسی کی بھی عبادت یا پرستش کی جائے تو یہ شرک ہے۔ شرک اللہ سے بغاوت، سب سے بڑا گناہ اور ناقابل معافی جرم ہے۔

اللہ تعالیٰ کے خوبصورت ترین نام ہیں۔ اللہ تعالیٰ اعلیٰ ترین اور کامل ترین صفات کا مالک ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ان ناموں اور صفات سے اس طرح پکارا جانا چاہیے جو اس کے شایان شان ہو۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اور ناموں سے ظاہر ہونے والے معنوں میں ایسا ردوبدل نہیں کیا جانا چاہیے جس سے ان کا مفہوم ہی مسخ ہو کر رہ جائے۔ ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ اس کی کسی صفت یا نام کا مفہوم قرآن یا حدیث میں بتائے گئے مفہوم سے مختلف بنا دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی کسی صفت یا نام کی ایسی تاویل نہیں کی جانی چاہیے کہ اس کی مشابہت اسی کی بنائی ہوئی کسی مخلوق سے ہو جائے۔ اس سلسلے میں قرآن کہتا ہے:

''اس (اللہ تعالیٰ) جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔'' [1]

لَا إِلٰـهَ إِلَّا اللّٰه کے معنی ہیں ''اللہ کے سوا کوئی (برحق) معبود نہیں'' ان الفاظ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے سوا ہر کسی کی الوہیت اور عبادت سے انکار کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ بلند ترین اور رفیع الشان ہے۔ وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں ہے، اس لیے ہمیں صرف اسی سے مدد مانگنی چاہیے، صرف اسی سے ڈرنا چاہیے اور اس کے سوا کسی پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ نماز کے شروع میں سورۃ الفاتحہ کے یہ الفاظ پڑھ کر ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں:

''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔'' [2]

انسانوں اور جنوں کی تخلیق کا واحد مقصد یہی ہے کہ اللہ کی بندگی، اطاعت اور عبادت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اور میں نے جن اور انسان اسی لیے تو پیدا کیے ہیں کہ وہ میری ہی عبادت کریں۔'' [3]

عبادت کا پورا معنی یہ ہے کہ بالکل اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گزاری جائے۔ ایسی زندگی انتہائی کامیاب اور ہر طرح کے فکر اور پریشانی سے آزاد ہوتی ہے۔

---

[1] الشوریٰ 11:42۔ [2] الفاتحۃ 4:1۔ [3] الذّٰریٰت 56:51، دیکھیے: عبادت، توحید اور اسمائے حسنیٰ۔

19

امہات المومنین

اللہ کے رسول ﷺ اپنی امت کے ہر فرد کے لیے اس کے ماں باپ سے بھی زیادہ رحیم، شفیق اور خیر خواہ ہیں بلکہ خود انسان جتنا خیر خواہ اپنا ہوتا ہے، رسول اللہ ﷺ ہر ایک کے لیے اس سے بھی زیادہ خیر خواہ ہیں۔ اسی طرح جن افضل ترین خواتین کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا ساتھی بنانے کے لیے منتخب کیا، وہ بھی آپ کی امت کے لیے حد درجہ شفیق اور مہربان تھیں۔ بالکل اسی طرح جس طرح مائیں اپنی حقیقی اولاد کے لیے ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''نبی (ﷺ) مومنین کے لیے خود ان سے بھی بڑھ کر ہیں اور ان کی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔'' [1]

اس لیے نبی ﷺ کی بیویوں کو امہات المومنین کہا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی حیثیت تمام مومنوں کے لیے اپنی والدہ سے بڑھ کر ہے۔ اسی وجہ سے نبی ﷺ کی وفات کے بعد ان میں سے کسی کے ساتھ بھی نکاح کی ممانعت کر دی گئی تھی۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور تمھارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو ایذا دو، اور نہ یہ (جائز ہے) کہ تم ان (کی وفات) کے بعد کبھی ان کی بیویوں سے نکاح کرو، بے شک تمھارا یہ فعل اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے۔'' [2]

سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ نے بعثت سے پہلے شادی کی تھی۔ وہ آپ کی پہلی زوجہ تھیں۔ وہ حلقہ بگوش اسلام ہونے والی خواتین میں سے پہلی خاتون تھیں۔ نبی ﷺ سے شادی کے وقت ان کی عمر 40 برس تھی جبکہ آپ کی عمر 25 برس تھی۔ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے آپ کے دو صاحبزادے پیدا ہوئے جن کے نام قاسم رضی اللہ عنہ اور عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے جنھیں آپ ﷺ پیار سے طیب اور طاہر کہتے تھے اور چار صاحبزادیاں پیدا ہوئیں جن کے نام زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد آپ ﷺ نے جن خواتین سے شادیاں کیں، ان کے نام یہ تھے: حضرت سودہ بنت زمعہ، عائشہ بنت ابوبکر، زینب بنت جحش، زینب بنت خزیمہ، ام سلمہ ہند بنتِ ابوامیہ، ام حبیبہ رملہ بنت ابوسفیان، جویریہ بنت حارث، صفیہ بنت حیی بن اخطب، حفصہ بنت عمر بن خطاب اور میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہن۔

[1] الأحزاب 6:33. [2] الأحزاب 53:33.

النبي أولى بالمؤمنين من أنفسهم وأزواجه أمهاتهم
محمد
صلى الله عليه وسلم

20

اہل کتاب

اہل کتاب یا کتاب والوں سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں جن کا تعلق آسمانی مذاہب سے ہے۔ یہودیوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر تورات اتاری اور عیسائیوں کے لیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اتاری تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم علیہا السلام کے بیٹے تھے۔ یہ دونوں حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے جن کا لقب اسرائیل تھا، اس لیے ان کی اولاد بنی اسرائیل کہلائی، یعنی اسرائیل کے بیٹے۔

یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی مرضی اور خواہشات کے مطابق ان کتابوں میں تحریف کر کے ان کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ اب دونوں کتابیں تورات وانجیل دنیا میں کہیں بھی اپنی اصل شکل میں موجود نہیں ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اہلِ کتاب تورات کو عبرانی زبان میں پڑھتے اور مسلمانوں کے لیے اس کی تفسیر عربی میں کرتے تھے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''تم نہ اہلِ کتاب کی تصدیق کرو اور نہ ان کی تکذیب کرو، بلکہ کہو کہ ہم اللہ پر اور اس کی تمام نازل کی ہوئی کتابوں پر ایمان لائے۔'' [1]

[1] صحيح البخاري، حديث: 7542. دیکھیے: موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام۔

ایمان

ایمان، اسلام کی سچائی کے بارے میں دلی یقین، زبانی اقرار اور نیک اعمال کے ذریعے سے اس کی تصدیق کا نام ہے۔ ایمان کے چھ اجزا ہیں جنھیں انگریزی زبان میں ''Articles Of Faith'' کہا جاتا ہے۔ اور وہ یہ ہیں:

- اللہ تعالیٰ پر ایمان
- اس کے فرشتوں پر ایمان
- اس کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان
- اس کے رسولوں پر ایمان
- یوم آخرت پر ایمان
- اچھی اور بری تقدیر پر ایمان۔

ایمان

ایمان کے ارکان کی تفصیل یوں ہے:

- اللہ تعالیٰ پر ایمان یہ ہے کہ کامل یقین رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ وہ دنیا کا مالک و مختار ہے۔ پوری کائنات اور اس میں جو کچھ بھی ہے، ان کا خالق وہی ہے۔ اس بات پر بھی ایمان لایا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے اچھے اچھے نام ہیں۔ وہ اعلیٰ ترین صفات کا مالک ہے جو اس کی پیدا کردہ مخلوقات کی طرح ہرگز نہیں ہیں۔ اس بات پر بھی پختہ یقین ہو کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کے لائق ہے۔
- فرشتوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ یہ یقین رکھا جائے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایک غیبی اور نوری مخلوق ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے۔ ان کے ذمے جو کام لگایا جاتا ہے، وہ بے چون و چرا کرتے ہیں۔ ایک فرشتے جبریل کے ذریعے سے اللہ کا پیغام اللہ کے رسولوں تک پہنچایا جاتا رہا۔
- اللہ کی نازل کردہ کتابوں پر ایمان، اس بات پر یقین کامل رکھنے کا نام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے وقتاً فوقتاً جو چھوٹی بڑی کتابیں اپنے رسولوں کے ذریعے سے نازل فرمائی ہیں، وہ سب برحق ہیں اور ان میں سے صرف قرآن مجید اپنی اصل شکل میں مکمل طور پر محفوظ ہے اور قیامت تک محفوظ رہے گا۔ اس کی تعلیمات و احکام کو اپنے لیے مشعلِ راہ بنایا جائے۔
- رسولوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات پر یقین رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے منتخب کردہ بندوں کو عام انسانوں کی طرف نبی اور رسول بنا کر بھیجا۔ وہ حق کے داعی، اچھے اعمال پر انعام کی خوشخبری سنانے اور برے کاموں پر عذابِ الٰہی سے ڈرانے والے تھے۔ اللہ کے رسولوں نے جو کچھ کہا، اللہ کے حکم سے کہا۔ وہ سب سچ اور برحق ہے۔ اور اس بات پر یقین کامل ہونا چاہیے کہ حضرت محمد ﷺ آخری نبی اور رسول ہیں، تمام انبیاء و رسل سے افضل ہیں اور آپ پر نبوت کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے۔
- یومِ آخرت پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات پر پختہ یقین رکھا جائے کہ ایک دن ایسا آنا ہے جب اس دنیاوی زندگی کا بالکل خاتمہ ہو چکا ہوگا، تمام کائنات فنا ہو چکی ہوگی اور لوگوں کو ان کے اعمال کے حساب اور ان کے مطابق جزا و سزا کے لیے دوبارہ اٹھا کر اللہ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ سب کے اعمال میزان (ترازو) میں تُلیں گے۔ سب کو جہنم کے اوپر بنے ہوئے مشکل پل (صراط) پر سے گزرنا ہوگا۔ نیک لوگ اس پر سے گزرنے میں کامیاب ہو جائیں گے اور بروں کو راستے پر لگے ہوئے کنڈے کھینچ کر جہنم کی آگ میں ڈال دیں گے۔ اس دن جو کامیاب ہو جائیں گے، وہ جنت میں بھیج دیے جائیں گے اور اس کی ابدی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔ اور جو ناکام ثابت ہوں گے ان میں سے کچھ سزا کے بعد نکل آئیں گے اور کچھ جو اللہ کے باغی ہوں گے، اس کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہوں گے، وہ ابد تک جہنم کے مستحق قرار دیے جائیں گے۔
- اچھی اور بری تقدیر پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ اس بات پر پختہ یقین رکھا جائے کہ جو کچھ ہوا یا جو کچھ آیندہ ہونے والا ہے، اللہ ہمیشہ سے اسے جانتا ہے۔ اس کے حکم ہی سے سب کچھ ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ اس نے لکھ رکھا ہے۔ جس طرح اس کے

علم اور مشیت میں ہے کوئی بات یا کوئی کام اس سے بال برابر بھی ہٹ کر نہیں ہوسکتا۔ اسی کو تقدیر کہتے ہیں، چنانچہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی اس تقدیر کے مطابق وقوع پذیر ہوتی ہے۔

کوئی شخص ایمان رکھتا ہے یا نہیں، اس کی چند نشانیاں ہیں جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک (کامل) ایمان دار نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔'' [1]

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تین خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں وہ پائی جائیں گی، وہ ایمان کی لذت اور مٹھاس پالے گا: ① یہ کہ اللہ اور اس کا رسول اسے ان کے ماسوا ہر چیز (پوری کائنات) سے زیادہ محبوب ہو۔ ② یہ کہ وہ کسی آدمی سے صرف اللہ ہی کے لیے محبت رکھے۔ ③ اور یہ کہ وہ دوبارہ کفر میں لوٹنے کو جبکہ اللہ نے اسے (کفر سے) بچا لیا، اس سے بھی زیادہ برا سمجھے جتنا وہ آگ میں ڈالے جانے کو برا سمجھتا ہے۔'' [2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہیے کہ وہ اچھی بات کہے یا خاموش رہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ اپنے ہمسائے کی عزت کرے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے۔'' [3]

نیک کام کرنے سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور بُرے کام کرنے سے ایمان میں کمی ہوتی ہے۔ جنت میں صرف اہل ایمان داخل ہوں گے۔ جس شخص کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان ہوگا، وہ دوزخ کی آگ میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔

[1] صحيح البخاري، حديث: 13. [2] صحيح البخاري، حديث: 21,16. [3] صحيح مسلم، حديث: 47، دیکھیے: اللہ تعالیٰ، فرشتے، قیامت کا دن، رسول، تقدیر، جنت اور پل صراط۔

ایوب علیہ السلام

حضرت ایوب علیہ السلام ایک جلیل القدر نبی تھے۔ بڑے عبادت گزار اور اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں طویل عمر، خطیر دولت اور بہت سی اولاد عطا کی تھی۔ ان کے پاس بے شمار غلام اور مویشی تھے۔ ان کی اراضی بھی بہت وسیع تھی۔ وہ نہایت رحم دل اور فیاض تھے۔ غریبوں، محتاجوں، یتیموں اور بیواؤں کی دستگیری کرتے تھے تاکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہو۔ وہ غلاموں کو خریدتے اور اللہ کی رضا کی خاطر انھیں آزاد کر دیتے۔

اللہ نے ان پر خاص کرم یہ کیا کہ انھیں نبوت عطا کر دی، چنانچہ وہ لوگوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کی تعلیم دیتے۔ انھیں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں یاد دلاتے جو اس نے اپنے سب بندوں کو عطا کر رکھی ہیں۔ وہ ہمیشہ اللہ کی حمد و ثنا بیان کرتے اور اس کی عظمتوں کا ذکر کرتے۔ اللہ تعالیٰ کی تسبیح و ذکر سے کبھی غافل نہ ہوتے اور ہمیشہ اس کی نعمتوں کو یاد کر کے اظہارِ نیاز مندی کرتے رہتے۔ وہ اللہ کے عبادت کرنے والے اور شکر گزار بندوں کے لیے ایک عظیم نمونہ تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آزمانے کے لیے انھیں شدید مصائب و آلام میں ڈالا۔ ان کا سخت امتحان لیا مگر وہ بے حد صبر و برداشت سے کام لیتے رہے۔ انھیں ان کی ساری دولت سے محروم کر دیا گیا۔

پہلے ان کے مال مویشی، غلام اور زمینیں ہاتھ سے نکل گئیں، پھر وہ مکان اور اولاد سے محروم ہو گئے۔ حضرت ایوب علیہ السلام جانتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی آزمائشیں ہیں، اس لیے انھوں نے یہ مصیبتیں صبر سے جھیلیں اور اللہ کو یاد کرتے رہے۔ تاہم معاملہ یہیں پر ختم نہ ہوا اور اس کے بعد انھیں جان کا روگ لگ گیا۔ ایسی بیماریوں نے آگھیرا کہ سارا جسم دُکھ گیا۔ سوائے دل اور زبان کے کچھ بھی سلامت نہ رہا۔

جب حضرت ایوب علیہ السلام کی بگڑتی ہوئی حالت میں کوئی کمی نہ آسکی بلکہ مشکلات اور موذی بیماری بڑھتی رہی تو تمام دوست اور رشتہ دار ان سے نفرت کرنے لگے بعض تو ان سے دور بھاگ گئے۔ صرف ان کی مہربان اور محبت کرنے والی بیوی پاس رہ گئی اور آپ کی خدمت کرتی رہی۔ آزمائش و مصائب کی یہی گھڑی تھی کہ شیطان نے ان میں ناشکراپن، جھنجلاہٹ اور بے صبری پیدا کرنے کی کوشش کی مگر چونکہ وہ اللہ کے سچے شکر گزار بندے اور اس کے نبی تھے، اس لیے اس کے بہکاوے میں نہ آئے اور اپنے خالق و مالک کو یاد کرتے، اس سے رحم مانگتے اور ناقابل برداشت بیماریوں سے نجات کے لیے دعائیں کرتے رہے۔

جب اس حالت میں بھی ان کی استقامت میں فرق نہ آیا تو شیطان نے ان کی بیوی کو بے صبرے پن میں مبتلا کر دیا اور اسے ناشکری کے الفاظ کہنے پر اُکسایا۔ اس پر حضرت ایوب علیہ السلام اتنے برہم ہوئے کہ انھوں نے قسم کھالی کہ وہ صحت یاب ہوئے تو بیوی کو کوڑے ماریں گے، اس کے ساتھ ہی انھوں نے بیوی کو اپنی نظروں سے دور ہو جانے کا حکم دے دیا۔

ان کی دعاؤں کا سلسلہ جاری تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت بدلنے اور ان کی صحت بحال کرنے کا فیصلہ کیا۔ اللہ نے انھیں حکم دیا:

> ”اپنا پاؤں زمین پر ماریں، یہ غسل کرنے اور پینے کے لیے ٹھنڈا پانی ہے۔ اور ہم نے انھیں ان کا پورا کنبہ اور اس کے ساتھ اتنے ہی اور (بیٹے بیٹیاں، پوتے پوتیاں اور دوسرے عزیز) اپنی طرف سے رحمت کے طور پر عطا کیے۔ اور یہ عقل مندوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔“ [1]

اب حضرت ایوب علیہ السلام کی صحت بحال ہوگئی تو انھیں اپنی قسم پوری کرنے کا خیال آیا۔ اس پر وہ پریشان ہو گئے کہ اتنی خدمت گزار اور محبت کرنے والی بیوی کو کس طرح سزا دیں۔ دوسری طرف قسم پوری کرنے کی ذمہ داری کا بھی احساس تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ مشکل بھی دور کرنے کی ایک راہ پیدا فرما دی۔ ان سے کہا کہ وہ سونٹکوں والا ایک مُٹھا لے کر ایک ہی مرتبہ اپنی بیوی کو ماریں تو اس طرح ان کی قسم بھی پوری ہو جائے گی اور بیوی کو تکلیف بھی نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

> ”اور اپنے ہاتھ میں سونٹکوں کا ایک مُٹھا پکڑیں اور اسے (قسم پوری کرنے کے لیے اپنی بیوی کو) ماریں اور قسم نہ توڑیں، بے شک ہم نے انھیں صابر پایا، (وہ ایک) اچھے عبد (بندگی کرنے والے) تھے، بلاشبہ وہ (اپنے اللہ کی طرف) بہت رجوع کرنے والے تھے۔“ [2]

---

1 صٓ 38:42، 43۔ 2 صٓ 38:44۔

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ

23
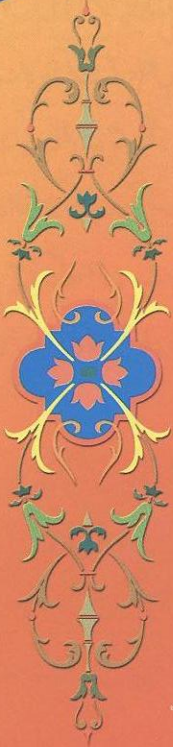
بدعت

بدعت سے مراد کوئی بھی ایسا عقیدہ، طریقہ یا عمل ہے جو رسول اللہ ﷺ کے سکھائے ہوئے عقیدے اور عمل کے خلاف ہو۔ بدعت، سنت کی ضد ہے۔ یہ بات اس لیے واضح طور پر کہہ دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسلام میں کوئی ایسا عمل قبول نہیں کرتا جو دو شرائط پر پورا نہ اترتا ہو:

① وہ کام خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے اور اُسی کی خاطر کیا گیا ہو جیسا کہ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

"تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر عمل کا نتیجہ ہر انسان کو اس کی نیت ہی کے مطابق ملے گا۔" [1]

② وہ عقیدہ یا کام ہر صورت رسول اللہ ﷺ کے طریقے کے مطابق ہو جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"جس نے ہمارے دین میں کوئی ایسی چیز گھڑ لی جو اس میں سے نہیں تھی تو وہ مردود ہے۔" [2]

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہر بدعت گمراہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"نئی نئی بدعات سے اپنے آپ کو بچائے رکھنا، بلاشبہ (دینی سمجھی جانی والی) خود سے گھڑی ہوئی ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔" [3]

بدعات کی کئی قسمیں ہیں، ان میں سے بعض تو صریح شرک ہیں، مثلاً: یہ اعتقاد رکھنا کہ جن بزرگوں کو اللہ نے اپنے پاس بلا لیا ہے، وہ ہر جگہ موجود ہیں اور ان سے امداد مانگنا، ان کے
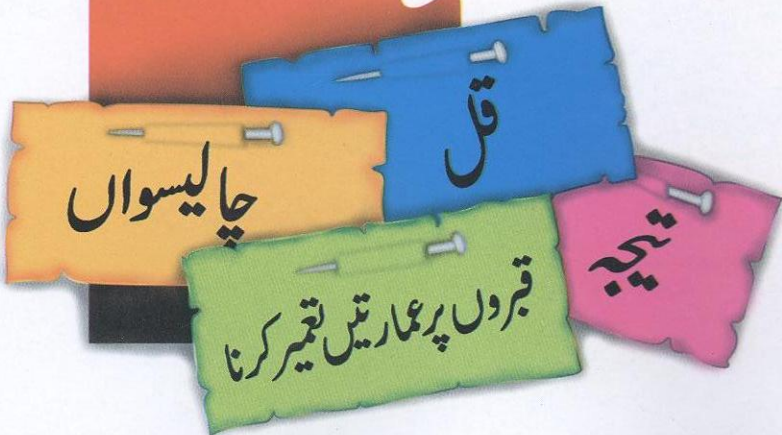
نام کی نذرونیاز دینا، ان کی قبروں پر چڑھاوے چڑھانا، ان کے نام پر جانور ذبح کرنا، قبروں پر عمارتیں تعمیر کرنا، وہاں نمازیں ادا کرنا یا اُن سے مرادیں طلب کرنا وغیرہ۔ بعض بدعات کا ارتکاب کبیرہ گناہ ہے، مثلاً: کسی کے فوت ہونے کے بعد ہندوؤں کے طریقوں کے مطابق قل کے نام پر تیجہ منانا، ساتواں اور چالیسواں کرنا وغیرہ۔ اور بعض بدعات نافرمانی کی ذیل میں آتی ہیں، مثلاً: شادی کرنے سے گریز کرنا اور کسی وقفے کے بغیر روزے رکھتے چلے جانا وغیرہ۔

مسلمانوں کو تاکید سے کہا گیا ہے کہ وہ دین کے ہر معاملے میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کریں۔ جو آپ نے حکم دیا یا جو کیا وہی کریں۔ جس کا آپ نے حکم نہیں دیا یا جو نہیں کیا، وہ نہ کریں۔ ہر صورت میں رسول اللہ ﷺ کے طریقے (سنت) کی پیروی کریں۔ ہر قسم کی بدعات سے دور رہیں کیونکہ بدعت نبی ﷺ کی سنت کے منافی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے غضب یا دردناک عذاب کے نزول کا اندیشہ ہے۔

كُلُّ مُحْدَثَةٍ بِدْعَةٌ وَكُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَكُلُّ ضَلَالَةٍ فِي النَّارِ

دین میں ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے

صحیح مسلم، حدیث: ۸۶۷ مختصراً (اسے ابو نعیم نے حلیہ میں بیان کیا اور اسے صحیح کہا ہے)

1 صحيح البخاري، حديث: 1. 2 صحيح البخاري، حديث: 2697. 3 سنن أبي داود، حديث: 4607، دیکھیے: سنت۔

24

بیت المقدس

یروشلم شہر میں ایک بڑی مسجد ہے جسے مسجد اقصیٰ (دور کی مسجد) اور بیت المقدس کہا جاتا ہے۔ یہ وہ مسجد ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے معراج کے پہلے مرحلے میں حضرت محمد ﷺ کو رات کے وقت مسجد حرام سے لے جا کر پہنچایا تھا۔رات کے اس سفر کو عربی میں اِسراء کہا جاتا ہے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''پاک ذات ہے (اللہ) جو اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک لے گیا جس کے ماحول کو ہم نے برکت دی ہے تاکہ ہم اسے اپنی کچھ نشانیاں دکھائیں، بے شک وہی خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔''[1]

مسجد اقصیٰ ان تین مساجد میں سے ایک ہے جن کے لیے سفر کا قصد کیا جانا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ان تین مساجد کے علاوہ کسی اور مسجد کی زیارت اور وہاں عبادت کے مقصد کے لیے سفر کی اجازت نہیں دی گئی: مسجد حرام، مسجد نبوی (رسول اللہ ﷺ کی مسجد) اور مسجد اقصیٰ۔''[2]

---

[1] بنی إسراء یل 17:1. [2] صحيح البخاري، حديث: 1189، دیکھیے: مسجد، اسراء و معراج، مسجد حرام اور مسجد نبوی۔

پلِ صراط

صراط کے معنی ہیں ''راستہ''۔ قرآن مجید نے اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝ ''ہمیں سیدھا راستہ دکھا'' کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ یومِ حساب کے حوالے سے صراط سے مراد وہ پل نما راستہ ہے جو جہنم کے اوپر بنایا جائے گا جس پر سے تمام مسلمانوں اور کافروں کو گزرنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اور تم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو جہنم پر نہ آئے، یہ آپ کے رب کے ذمے حتمی اور طے شدہ بات ہے، پھر ہم متقی لوگوں کو نجات دیں گے، اور ہم ظالموں کو چھوڑ دیں گے اس میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے۔''[1]

پلِ صراط بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ یہ جنت کی طرف جانے والا واحد رستہ ہوگا۔ اس پر سے سب سے پہلے حضرت محمد ﷺ گزریں گے۔ ان کے بعد اللہ کے دیگر انبیاء و رسل گزریں گے۔ بعد ازاں امت مسلمہ اور دیگر امتوں کے لوگ گزریں گے۔

جو کوئی بھی اسے عبور کرلے گا، وہ جنت میں داخل ہوجائے گا۔ اہلِ ایمان اپنے نیک اعمال کے حساب سے گزریں گے، بعض آنکھ جھپکتے ہی پار پہنچ جائیں گے، بعض بجلی کی رفتار سے گزر جائیں گے، بعض تیز ہوا کی رفتار سے، بعض تیز گھوڑے کی طرح اور بعض انسان کے دوڑنے کی رفتار سے گزریں گے، بعض چلنے کی رفتار سے اور بعض گھسٹتے ہوئے اسے عبور کریں گے۔ پل کے دونوں اطراف میں بڑے بڑے خم دار کیل یا کانٹے لگے ہوں گے جو ایسے افراد کو پکڑ لیں گی جنھیں پکڑنے کا حکم دیا گیا ہوگا۔ کچھ کو نکل بھاگنے اور محفوظ رہنے کا موقع دے دیا جائے گا۔ بعض زخمی ہونے کے باوجود نکل جائیں گے اور کچھ کو دوزخ میں پھینک دیا جائے گا اور ان میں سے جن کے دل میں ایمان ہوگا، انھیں بعد میں شفاعت کے ذریعے سے نکال لیا جائے گا۔ کافر اس راستے کو عبور کرنے میں کامیاب نہیں ہوں گے اور سب جہنم میں گر پڑیں گے۔

---

1 مریم 72,71:19، دیکھیے: قیامت کی بڑی نشانیاں، قیامت کا دن اور جنت۔

26

تابعینِ عظام

تابعین سے مراد وہ لوگ ہیں جنھوں نے اسلام کی حالت میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات کی، ان سے سیکھا اور اسلام ہی پر وفات پائی۔ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ تابعین، یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے شاگردوں سے محبت کرے، ان کے لیے رحم اور بخشش کی دعا کرے اور ان کی شان وفضیلت کا اعتراف کرے۔ اللہ تعالیٰ نے تابعین کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے:

''اور جن لوگوں نے نیکوکاری کے ساتھ ان (صحابہ) کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اس سے راضی ہو گئے۔'' [1]

چند مشہور تابعین کے نام یہ ہیں:

حضرت سعید بن مسیّب، حضرت ابوالاسود عبداللہ، حضرت علقمہ بن قیس، حضرت عطاء بن ابی رباح، حضرت سالم بن عبداللہ بن عمر، حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر، حضرت سلیمان بن یسار، حضرت حسن بصری، حضرت مجاہد بن جبر، حضرت عکرمہ مولیٰ ابن عباس، حضرت مسروق بن اجدع، حضرت عروہ بن زبیر رحمہم اللہ۔

[1] التوبۃ 9:100، دیکھیے: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

27

تراویح

لفظ ''تراویح'' کی واحد تَـرْوِیـحَۃٌ ہے جس کے معنی ہیں ''آرام کرنا۔'' اسے یہ نام اس لیے دیا گیا ہے کہ تراویح پڑھنے والی جماعت ہر دو رکعت کے بعد کچھ آرام کرتی ہے۔ اس نماز کا نام رسول اللہ ﷺ نے قیام اللیل رکھا ہے۔ نمازِ تراویح اور تہجّد دونوں قیام اللیل ہیں اور دونوں درحقیقت ایک ہی نماز کے دو نام ہیں۔ رمضان کے علاوہ رات کی نماز یا قیام اللیل سو کر اٹھنے کے بعد پڑھی جاتی ہے، اس لیے تہجد کہلاتی ہے جبکہ رمضان المبارک میں یہی نماز عشاء کے بعد اور سونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔ رمضان کی فضیلت کی وجہ سے اسے کمزور اور قدرے بیمار سبھی لوگ پڑھتے ہیں اور دوگانے لمبے ہوں تو کچھ دیر بیٹھ کر آرام کرنا پڑتا ہے، اس لیے اسے نماز تراویح کہا جاتا ہے، نیز اسے ''قیامِ رمضان'' (رمضان کی نماز) سے بھی موسوم کیا جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے مسجد
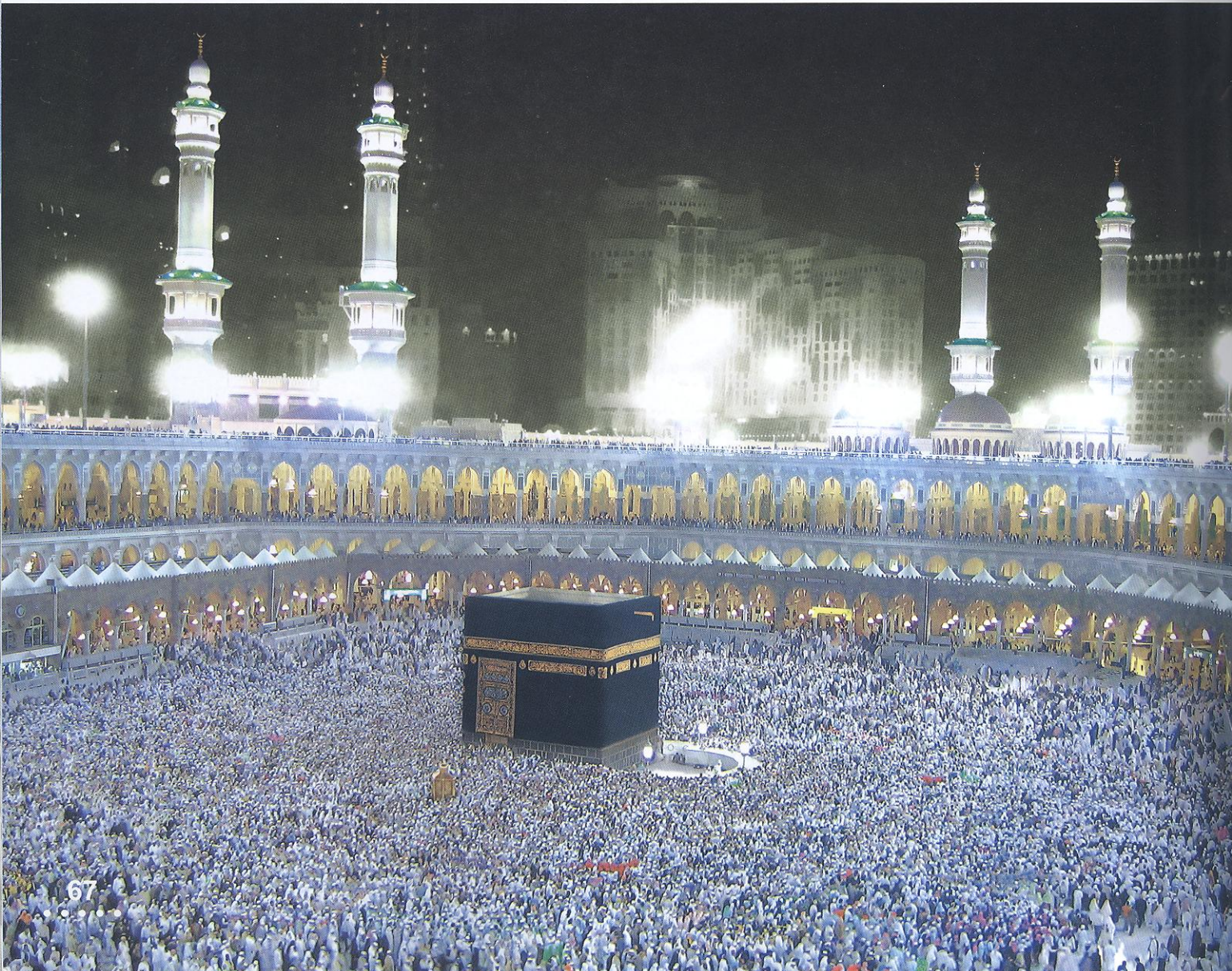
میں باجماعت تین راتیں قیام فرمایا تھا لیکن جب اندازہ ہوا کہ آپ کے پیچھے تراویح پڑھنے والوں کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کو یہ عبادت بہت پسند آئی ہے تو آپ نے اس نماز کو اس خیال سے گھر میں ادا کرنا شروع کر دیا کہ کہیں یہ مسلمانوں کے لیے فرض نہ ہو جائے۔

نبی ﷺ کی رحلت کے بعد بعض لوگ پہلے کی طرح انفرادی طور پر قیام اللیل کرتے تھے اور بعض نے اسے باجماعت پڑھنا شروع کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کا زمانہ آیا تو انھوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو امام بنا کر باجماعت قیام اللیل یا تراویح پڑھنے کا اہتمام کر دیا تاکہ لوگوں کو آسانی ہو اور وہ جماعت کا ثواب بھی حاصل کر سکیں۔ نبیِ اکرم ﷺ نے باجماعت تراویح پڑھنے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ''جو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے یہاں تک کہ وہ اس سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کے لیے ساری رات کا قیام لکھ دیا جاتا ہے۔''[1]

نمازِ تراویح کی کل گیارہ رکعات ہیں۔ جب ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ماہِ رمضان میں نبیِ اکرم ﷺ کی رات کی نماز کے بارے میں پوچھا تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

''رمضان اور غیر رمضان میں رسول اللہ ﷺ رات کی نماز گیارہ رکعت سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے۔''[2]

ماہِ رمضان میں رات کی نماز کی فضیلت بہت زیادہ ہے۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

''جس نے ایمان کے ساتھ اور ثواب کی نیت سے رمضان کا قیام کیا تو اس کے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔''[3]

---

[1] جامع الترمذي، حديث: 806. [2] صحيح البخاري، حديث: 1147. [3] صحيح البخاري، حديث: 2009، دیکھیے: رمضان المبارک اور رکعت۔

تسبیح

تسبیح کا معنی ہے اللہ کی پاکیزگی بیان کرنا یا ''سبحان اللہ'' (اللہ پاک ہے) کہنا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اور تمام اہلِ ایمان کو تسبیح کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''(اے نبی!) آپ اپنے سب سے بلند رب کے نام کی تسبیح کریں۔''[1]

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔ اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرو۔''[2]

تسبیح ذکر کی ایک قسم ہے جس کے بہت سے فضائل ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو شخص ایک دن میں سو مرتبہ کہے:

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ

''پاک ہے اللہ اپنی خوبیوں سمیت۔''

اس کے سارے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں، چاہے وہ سمندر کی جھاگ کی طرح بہت زیادہ کیوں نہ ہوں۔''[3]

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

دو کلمے زبان پر ہلکے پھلکے ہیں (لیکن) میزان میں انتہائی وزنی اور رحمٰن کو بہت پیارے ہیں۔ (اور وہ یہ ہیں:)

''پاک ہے اللہ اپنی خوبیوں سمیت، پاک ہے اللہ عظمت والا۔''[4]

1 الأعلى 87:1. 2 الأحزاب 33:41، 42. 3 صحيح البخاري، حديث: 6405.
4 صحيح البخاري، حديث: 7563، دیکھیے: ذکر اور تکبیر۔

29

تفسیر

تفسیر عربی کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں، تفصیل یا وضاحت کرنا۔ تاہم اب یہ لفظ قرآن مجید کی وضاحت اور تفصیل کے ساتھ مخصوص ہے۔ تفسیر، قرآن مجید کے الفاظ اور معانی کی وضاحت کا ایک باقاعدہ فن ہے جس کے اپنے اصول اور ضوابط ہیں۔ جو شخص تفسیر کے فن میں مہارت رکھتا ہو، اسے ''مُفَسِّر'' کہا جاتا ہے۔

تفسیر کی چند اہم کتابوں کے نام حسبِ ذیل ہیں:

- تفسیر طبری، مفسر: ابو جعفر محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ
- تفسیر ابن کثیر، مفسر: حافظ اسماعیل بن کثیر دمشقی رحمہ اللہ
- احسن التفاسیر، مفسر: مولانا احمد حسن دہلوی رحمہ اللہ
- تفہیم القرآن، مفسر: سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمہ اللہ
- تفسیر احسن البیان، مفسر: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ
- تفسیر قرطبی، مفسر: ابو عبداللہ محمد بن احمد قرطبی رحمہ اللہ
- تفسیر روح المعانی، مفسر: علامہ محمود آلوسی بغدادی رحمہ اللہ
- تیسیر القرآن، مفسر: مولانا عبدالرحمٰن کیلانی رحمہ اللہ
- معارف القرآن، مفسر: مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ

دیکھیے: قرآن مجید۔
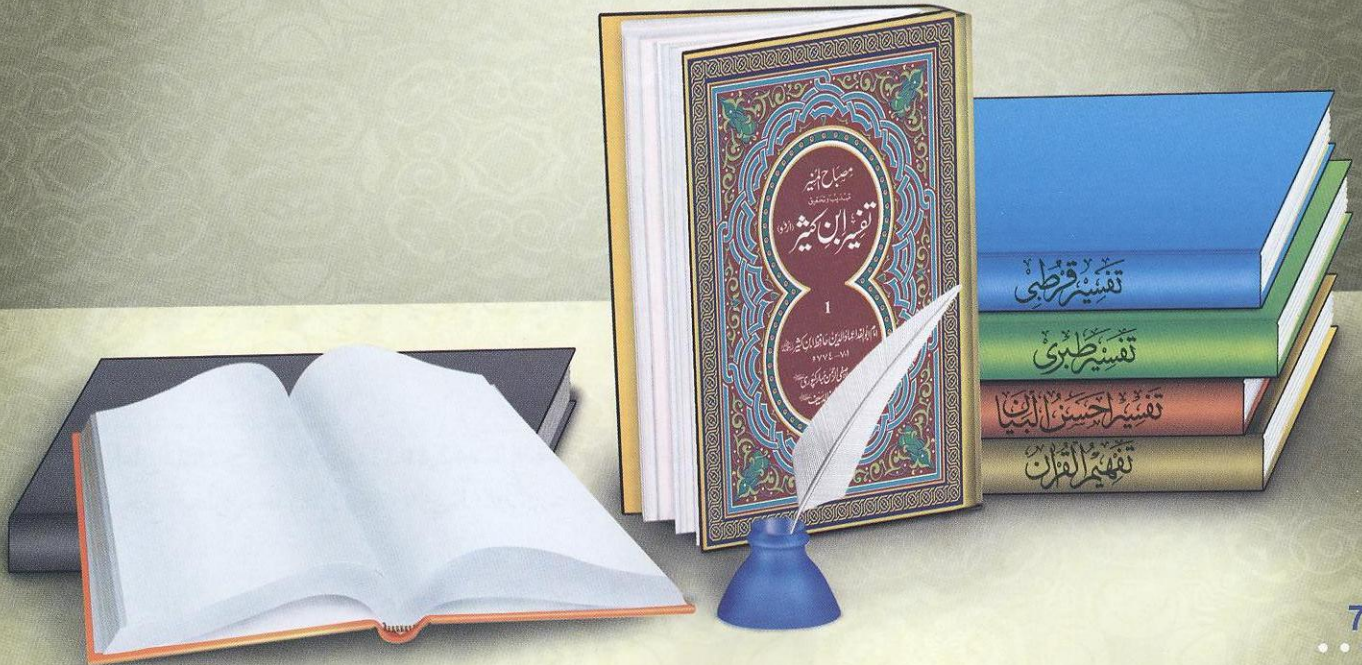
تقدیر

تقدیر کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ ہوا یا آیندہ ہونا ہے، بعینہٖ اسی طرح اور اسی وقت ہوگا جس طرح اللہ کی مشیت ہے اور جس طرح اس کو پہلے سے علم ہے۔ تمام فیصلے پہلے سے ہو چکے ہیں اور اللہ ان کے واقع ہونے سے پہلے ہی جانتا ہے کہ یہ کس وقت اور کس مقام پر رونما ہوں گے۔ تقدیر اچھی بھی ہوتی ہے اور بری بھی۔ اچھی اور بُری تقدیر پر ایمان لانا ایمان کے بنیادی ارکان میں سے ایک رکن ہے۔ جب جبریل علیہ السلام نے نبی ﷺ سے ایمان کے بارے میں پوچھا تو آپ نے جواب دیا:

"ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، آخرت کے دن اور اچھی اور بری تقدیر پر ایمان رکھے۔"[1]

تقدیر پر ایمان رکھنے سے ہمیں بے شمار فائدے پہنچتے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:

- وہ انسان خوش اور مطمئن ہو جاتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اسے جو نصیحت ملی یا اس پر جو مصیبت آئی ہے، وہ پہلے ہی اس کے لیے طے ہو چکی تھی۔ اللہ تعالیٰ چونکہ علیم و بصیر ہے، اس لیے وہ ہر چیز اور ہر کام کا انجام جانتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ اس کے بندوں کا بہترین مفاد کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

  "اور ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمھارے لیے بہتر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمھارے لیے بری ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔"[2]

- وہ دلیر اور بے خوف ہو جاتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جو کچھ اس کے لیے چاہتا ہے، اتنا ہو کر رہنا ہے۔ اور جو کچھ طے ہے اس سے زیادہ یا اس سے پہلے کچھ نہیں ہو سکتا۔ موت کا جو وقت مقرر ہے اس سے پہلے نہیں آ سکتی اور جب آئے گی تو کوئی

اسے ٹال نہ سکے گا۔

- اس سے کوئی چیز گم ہو جائے یا اسے نقصان پہنچ جائے تو بھی اس سے اس کا نہ دل ٹوٹتا ہے اور نہ حوصلہ پست ہوتا ہے۔ اسے یہ بھی پتہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی اسے فائدہ نہیں پہنچا سکتا، اس لیے وہ خود کو کسی کا محتاج خیال نہیں کرتا اور عزت اور غیرت سے جیتا ہے۔
- اس کے دل میں کسی مخلوق کے ہاتھوں خود کو ضرر پہنچنے کا خوف نہیں ہوتا۔ وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتا۔ نبی ﷺ نے ایک موقعے پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا تھا:

"جان لو کہ سب لوگ جمع ہو کر اگر تمھیں نفع دینا چاہیں تو نہیں دے سکتے مگر وہی جو اللہ نے تمھارے لیے لکھ دیا ہے۔ اور اگر وہ سب جمع ہو کر تمھارا نقصان کرنا چاہیں تو نہیں کر سکتے مگر وہی جو اللہ نے تمھارے لیے لکھ دیا ہے۔"[3]

جو لوگ تقدیر پر ایمان نہیں رکھتے، وہ ساری عمر لوگوں سے ڈرتے اور لوگوں سے امیدیں لگائے رہتے ہیں۔

تقدیر پر ایمان کا مطلب رسول اللہ ﷺ نے اس طرح واضح کیا ہے کہ تمھارے لیے جو فیصلے ہو چکے، اللہ تمھارے لیے انھی کے مطابق کوشش اور جدوجہد کا راستہ کھول دیتا ہے۔ قرآن کہتا ہے کہ تمھیں سعی اور کوشش کے بغیر کچھ نہیں مل سکتا۔ اللہ کا فیصلہ اس طرح ہوتا ہے کہ اتنی صحیح کوشش سے اتنی نعمت ملے گی اور اتنی بڑی جدوجہد سے اتنا نقصان ہوگا۔ یہی سب کچھ پہلے سے طے ہے اور یہی تقدیر ہے۔

1 صحيح مسلم، حديث: 8. 2 البقرة 2:216. 3 جامع الترمذي، حديث: 2516، دیکھیے: ایمان۔

تقویٰ

تقویٰ کا مطلب ہر اس کام سے بچ کر زندگی گزارنا ہے جس کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول نے بتا دیا ہے کہ یہ نقصان دہ ہے اور ہر اس کام کو ضرور سرانجام دینا ہے جس کے بارے میں بتا دیا گیا ہے کہ اس میں فائدہ ہے۔ جو شخص تقویٰ رکھتا ہو، وہ اس بات سے پوری طرح آگاہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی ہر حرکت اور ہر کام کو دیکھ رہا ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتا رہتا ہے کہ اس کے اعمال کا انجام برا ہو۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ڈر کی وجہ سے ہمیشہ نیک کام کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام پر حتی المقدور عمل کرتا ہے تاکہ وہ کامیاب ہو جائے اور آخرت میں جنت کا مستحق قرار پائے۔ وہ ایسے کاموں سے گریز کرتا ہے جن کی وجہ سے اس کی گرفت ہونے کا احتمال ہو اور وہ دوزخ کا مستحق ٹھہرتا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو تقویٰ اختیار کرنے کی اس طرح

تاکید فرمائی ہے:

''اور اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ بے شک اللہ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔'' [1]

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اور تم (حج کے لیے) زادِراہ لے لو، بے شک بہترین زادِراہ تقویٰ ہے اور اے عقل مندو! تم مجھ ہی سے ڈرو۔'' [2]

اللہ تعالیٰ ہمیں یہ بھی بتاتا ہے کہ اس کی نظر میں سب سے زیادہ عزت والے انسان وہ ہیں جو زیادہ تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ فرمانِ الٰہی ہے:

''اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمھارے خاندان اور قبیلے بنائے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو، بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ تقویٰ اختیار کرنے والا ہے۔ بلاشبہ اللہ بہت علم والا، خوب باخبر ہے۔'' [3]

اللہ تعالیٰ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ تقویٰ رکھنے والوں سے محبت کرتا ہے اور اعمال کا بہترین نتیجہ اور ثمرہ انھی کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''آپ صبر کریں، بے شک (بہتر) انجام متقین ہی کے لیے ہے۔'' [4]

قیامت کے دن پرہیز گاروں کے لیے عمدہ ٹھکانہ اور عیش و آرام کی زندگی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''یہ ایک نصیحت ہے اور بے شک متقی لوگوں کے لیے بہترین ٹھکانہ ہے۔ ہمیشہ رہنے والے باغات ہیں جن کے دروازے ان کے لیے کھلے ہوں گے۔ وہ ان میں تکیے لگائے (بیٹھے) ہوں گے اور وہاں طرح طرح کے پھلوں اور مشروبات کی فرمائشیں کریں گے۔'' [5]

[1] البقرة 2:194. [2] البقرة 2:197. [3] الحجرات 49:13. [4] ھود 11:49. [5] صٓ 38:49-51.

32

تکبیر

تکبیر کا مطلب ہے ''اللہ کی بڑائی بیان کرنا یا اللہ اکبر (اللہ سب سے بڑا ہے)'' کہنا۔ یہ اللہ کا ذکر ہے اور اس کے بہت سے فضائل ہیں۔ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں یہ (کلمات) کہوں:

سُبْحَانَ اللهِ، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ، وَاللهُ اَكْبَرُ

''اللہ پاک ہے، سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے، اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں اور اللہ سب سے بڑا ہے۔''

تو مجھے یہ کہنا ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے، یعنی یہ کلمات کہنا مجھے ساری دنیا کی نعمتوں سے زیادہ محبوب ہے۔ [1]

''اللہ اکبر'' کے الفاظ اپنے عظیم الشان مفہوم کی بنا پر اذان کے شروع میں بھی کہے جاتے ہیں اور اس کے اختتام پر بھی۔ اسی طرح یہ جملہ نماز کے آغاز میں بھی کہا جاتا ہے، رکوع کرتے ہوئے اور سجدہ کرتے ہوئے بھی، بیٹھتے ہوئے بھی یہی اعلان کیا جاتا ہے اور کھڑے ہوتے ہوئے بھی۔ یہ الفاظ اور بھی کئی مواقع پر ادا کیے جاتے ہیں، مثلاً: نیا چاند دیکھتے وقت، عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے موقع پر کئی دن تک بلند آواز سے یہ ذکر کیا جاتا ہے۔ عید الاضحیٰ کی تکبیروں کا آغاز 9 ذوالحجہ کو فجر سے ہوتا ہے اور یہ سلسلہ ذوالحجہ کی 13 تاریخ کو غروبِ آفتاب تک جاری رہتا ہے۔ عید الفطر کے موقع پر تکبیر کہنے کا سلسلہ شوال کا چاند نظر آتے ہی شروع ہو جاتا ہے اور اس وقت تک جاری رہتا ہے جب امام نمازِ عید پڑھانے کے لیے آ جاتا ہے۔ ان تکبیروں کے الفاظ یہ ہیں:

اَللهُ اَكْبَرُ اللهُ اَكْبَرُ، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ، وَاللهُ اَكْبَرُ اللهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ

تکبیر

''اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے، اور اللہ ہی کے لیے تمام تعریفیں ہیں۔'' [2]

''اللہ اکبر'' کے معنی ہیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ وہ ہر پر مکمل اختیار رکھتا ہے، جو کچھ چاہتا ہے، اسے کر گزرنے پر قادر ہے۔ وہ اگر نہ دے تو کوئی نہیں جو کسی کو کچھ بھی دے سکے۔ اگر وہ دے تو کوئی نہیں جو اسے روک سکتا ہو۔ کوئی بھی زندگی اور موت نہیں دے سکتا ماسوائے اللہ تعالیٰ کے۔ وہ سب سے بڑا ہے، سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے۔

1 صحیح مسلم حدیث: 2695.   2 إرواء الغلیل :125/3. دیکھیے: ذکر اور تسبیح۔

تلبیہ

حج یا عمرہ کرنے والا احرام باندھنے کے بعد میقات سے باآواز بلند یہ کہنا شروع کر دیتا ہے:

لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ، لَبَّيْكَ لَاشَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ، إِنَّ الْحَمْدَ، وَالنِّعْمَةَ لَكَ وَالْمُلْكَ، لَا شَرِيْكَ لَكَ

''حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں۔ بار بار حاضر ہوں۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ میں حاضر ہوں۔ یقیناً سب تعریفیں اور نعمتیں تیرے ہی لیے ہیں اور ساری بادشاہت بھی تیری ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔'' [1]

اسی کو تلبیہ کہتے ہیں، یعنی لَبَّيْكَ (میں حاضر ہوں) کہنا۔ تلبیہ، میقات سے شروع کیا جاتا ہے اور یہ سلسلہ مسجد حرام یا بیت اللہ پہنچنے تک جاری رہتا ہے۔ میقات، وہ مقامات ہیں جو نبی ﷺ نے حج اور عمرے کا احرام باندھنے کے لیے مقرر کیے ہیں۔ وہاں پہنچ کر حج اور عمرہ کرنے والے ہر شخص کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اِحرام کی حالت میں آ جائے۔

حج کے دنوں میں یوم ترویہ، یعنی 8 ذوالحجہ کو مکہ سے منیٰ کے لیے روانگی کے وقت سے تلبیہ پھر شروع ہوتا ہے اور بلند آواز میں زیادہ سے زیادہ کہا جاتا ہے۔ 10 ذوالحجہ کو جمرۂ عقبہ پر رمی (سنگ باری) کرنے تک تلبیہ کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ مردوں کو تلبیہ بلند آواز سے، لیکن عورتوں کو نسبتاً آہستہ آواز سے کہنا ضروری ہے۔

---

[1] صحیح البخاري، حدیث: 1549، دیکھیے: حج، عمرہ، منیٰ اور مسجد حرام۔

34

توبہ

جب انسان سے کوئی خطا اور غلطی سرزد ہو جائے اور وہ شرمندہ ہو کر گناہ کے اس کام سے منہ موڑ لے اور اللہ کی رضا اور اس گناہ کی بخشش و مغفرت طلب کرنے کے لیے اللہ کی طرف متوجہ ہو اور آیندہ اس گناہ سے باز رہنے کا سچا جذبہ رکھے تو اسے ''توبہ'' کہتے ہیں۔ توبہ کا معنی اپنی توجہ ہر طرف سے ہٹا کر اللہ کی طرف مبذول کرنا ہے۔ توبہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پسندیدہ ترین اعمال میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ توبہ کے لیے اس کی طرف رجوع کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اور اے مومنو! تم مجموعی طور پر اللہ سے توبہ کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔'' [1]

توبہ کے ذریعے سے انسان اپنے گناہ کے برے نتیجے سے بچ جاتا ہے بلکہ اللہ کی رضا کے لیے گناہ چھوڑنے کا عزم کرنے کی وجہ سے اس کا پسندیدہ بندہ بن جاتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ پر اس سے بھی زیادہ خوش ہوتا ہے جتنا کوئی انسان اس وقت خوش ہوتا ہے جب اپنی سواری اور زادِ راہ گم ہونے کی وجہ سے مایوسی کے عالم میں غرق ہو اور پھر اچانک آنکھ کھلنے پر سب کچھ مل جائے۔'' [2]

حقوق العباد کو چھوڑ کر باقی گناہوں سے توبہ کی قبولیت کی تین شرائط ہیں:

- گناہ کے ارتکاب پر پشیمان ہو۔
- اس کو فوراً چھوڑ دے۔
- خلوصِ دل سے عہد کرے کہ آیندہ ایسا ہرگز نہیں کرے گا بلکہ زیادہ سے زیادہ نیکی کے کام سرانجام دے گا۔

اگر ان تین شرطوں میں سے ایک بھی نہ پائی جائے تو صحیح توبہ نہیں ہوگی۔

اگر گناہ ایسا ہو جس سے کسی کو نقصان پہنچایا گیا ہو تو ان تین شرائط کے ساتھ اس شرط کا بھی اضافہ ہو جائے گا کہ حق دار کو اس کا حق ادا کرے، مثلاً: اگر کسی کا مال چوری کیا تھا تو اس کو اس کا مال واپس دیا جائے، اگر کسی کی عزت یا جان کو نقصان پہنچایا یا اس کی عدم موجودگی میں کوئی بُری یا ناپسندیدہ بات کہی تو اسے راضی کر کے اس سے معافی مانگنا ہوگی۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

”جس نے اپنے کسی بھائی کی آبروریزی کی یا کسی بھی شکل میں اس پر زیادتی کی ہو تو اسے چاہیے کہ آج ہی (دنیا میں) اس سے معاف کرا لے۔ اس سے پہلے کہ وہ دن آجائے جس میں درہم و دینار نہیں ہوں گے، اگر اس کے پاس نیک عمل ہوں گے تو وہ اس کے ظلم کے بقدر لے لیے جائیں گے (اور مظلومین میں تقسیم کر دیے جائیں گے) اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کی برائیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی۔“ [3]

کسی مسلمان کو توبہ کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”اور ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی جو برے کام کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آجائے تو وہ کہتا ہے: بے شک اب میں نے توبہ کی۔ نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہوتی ہے جو اس حال میں مرتے ہیں کہ وہ کافر ہوتے ہیں، ان لوگوں کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔“ [4]

نبیِ کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ اس وقت تک قبول کرتا ہے جب تک اس پر نزع کی حالت طاری نہیں ہو جاتی۔“ [5]

---

[1] النور 31:24. [2] صحيح مسلم، حديث: 2747. [3] صحيح البخاري: 2449. [4] النسآء 18:4.

[5] سنن ابن ماجه، حديث: 4253.

توحید

اللہ تعالیٰ کو اکیلا معبود ماننے اور صرف اسی کی عبادت کرنے کو توحید کہتے ہیں۔ توحید باری تعالیٰ کی تین قسمیں ہیں:

- توحیدِ ربوبیت
- توحید الوہیت
- توحید اسماء وصفات

توحید ربوبیت

یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا رب ہے، اس کے سوا کوئی رب نہیں۔ اس کائنات کا خالق، مالک، رازق، محافظ اور اس کو چلانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

توحید الوہیت

یہ عقیدہ رکھنا کہ صرف اللہ ہی کی عبادت کرنا ضروری ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ عبادت کی تمام اقسام، مثلاً: نماز، روزہ، حج، زکاۃ، نذر و نیاز اور قربانی وغیرہ اسی کے لیے ہیں۔

توحید اسماء وصفات

اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ اعتقاد رکھا جائے کہ وہ تمام صفاتِ کمال سے متصف اور ہر قسم کی صفاتِ نقص سے پاک ہے اور اس اعتبار سے وہ پوری کائنات میں یکتا ہے۔ نہ اس جیسی صفات کا کوئی حامل ہے اور نہ کوئی اس کی طرح ہر قسم کے نقائص اور خامیوں ہی سے پاک ہے۔ توحید کی یہ قسم تین بنیادوں پر قائم ہے:

- اللہ تعالیٰ کو مخلوق کی مشابہت اور ہر قسم کے نقص سے پاک تسلیم کرنا۔
- اللہ تعالیٰ کے جو نام اور صفات قرآن مجید اور صحیح احادیث سے ثابت ہیں، ان میں کوئی کمی، زیادتی، تحریف یا تعطیل (نفی) کیے بغیر ان پر ایمان رکھنا۔
- اللہ تعالیٰ کی صفات کی حقیقت اور کیفیت کا ادراک کسی کے لیے ممکن نہیں، اس لیے ان کی کیفیت کے متعلق سوال کرنا یا ان کی باریکیوں میں پڑنا لا حاصل ہے، اس لیے جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اس جیسی کوئی چیز نہیں، اور وہ خوب سننے والا، خوب دیکھنے والا ہے۔''[1]

توحید کا الٹ ''شرک'' ہے۔ شرک کا مطلب ہے، اللہ کی عبادت، ربوبیت اور اس کی صفات اور ناموں میں دوسروں کو شریک سمجھنا۔ کسی کی شراکت کا عقیدہ اللہ تعالیٰ کے حضور سب سے بڑی گستاخی ہے۔ اللہ نے اسے ظلم عظیم قرار دیا ہے۔ شرک ایسا گناہ ہے جسے اللہ تعالیٰ کبھی معاف نہیں کرتا۔

1 الشوریٰ 42:11۔ دیکھیے: شرک اور شہادت۔
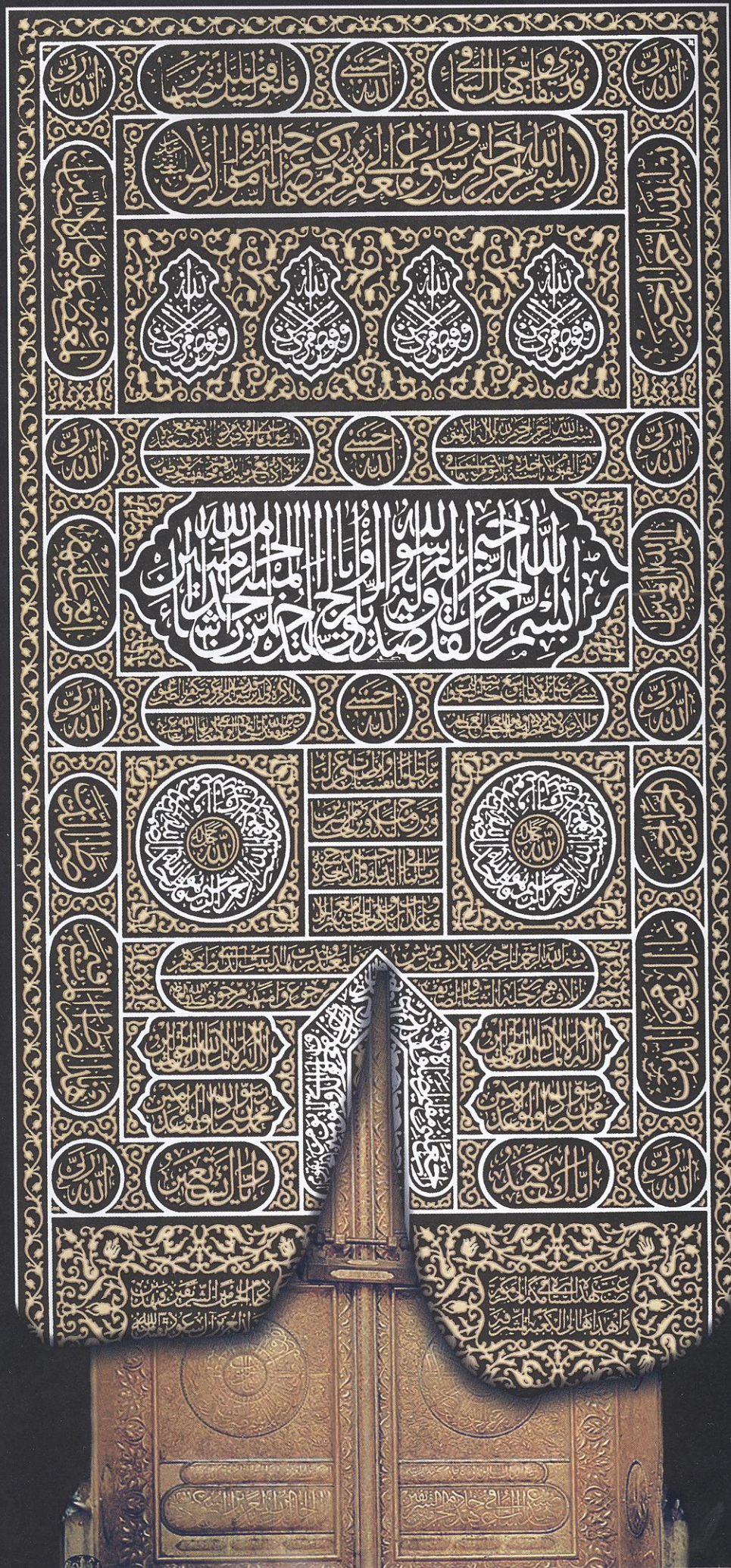
تیمّم

پانی نہ ملنے کی صورت میں طہارت کی نیت سے پاک مٹی سے طہارت (وضو/غسل) حاصل کرنا ''تیمّم'' کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''پھر تمھیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی سے تیمّم کرلو، پھر اس سے اپنے منہ اور ہاتھوں پر مسح کرلو۔'' [1]

نبی ﷺ نے بھی فرمایا:

''ہمیں دوسری امتوں پر تین چیزوں کی بنا پر فضیلت دی گئی ہے: ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی گئی ہیں اور ہمارے لیے ساری روئے زمین مسجد بنا دی گئی ہے اور پانی نہ ملنے کی صورت میں اس کی مٹی ہمارے لیے پاک کرنے والی ہے۔'' [2]

لہٰذا اگر کسی آدمی کو وضو کرنے کے لیے پانی نہ ملے یا اس کے پاس موجود پانی صرف پینے کے لیے ہو یا اسے یہ ڈر ہو کہ جسم کو پانی لگنے سے اسے کوئی تکلیف ہوجائے گی یا وہ جس بیماری میں مبتلا ہے، پانی لگنے سے وہ بڑھ جائے گی یا اس کے علاج میں کوئی پیچیدگی پیدا ہوجائے گی تو تیمّم کر لینا چاہیے۔

تیمّم کا طریقہ:

☆ تیمّم سے پہلے بسم اللہ پڑھے ☆ اپنے دونوں ہاتھوں کو ایک مرتبہ پاک مٹی پر مارے ☆ پھر دونوں ہاتھوں پر پھونک مارے ☆ دونوں ہاتھوں پر پہنچوں تک مسح کرے یعنی الٹے ہاتھ سے سیدھے ہاتھ کی پشت پر مسح کرے اور سیدھے ہاتھ سے الٹے ہاتھ کی پشت پر مسح کرے ☆ دونوں ہاتھوں سے چہرے پر مسح کرے۔ [3]

جس چیز سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس سے تیمّم بھی ختم ہوجاتا ہے۔ اگر کوئی شخص تیمّم کرکے نماز ادا کر چکا ہو اور اسے بعد میں پانی دستیاب ہوگیا ہو تو اسے نماز دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، خواہ اس کے بعد بھی اس نماز کا وقت موجود ہو۔ تاہم اگر دہرا لے تو اس کے لیے دُگنا اجر ہے۔

جس طرح پانی نہ ہونے کی صورت میں تیمّم، وضو کی جگہ کفایت کرتا ہے، اسی طرح غسل کی جگہ بھی کفایت کر جاتا ہے، نیز اگر کسی مرد یا عورت کے لیے غسل کرنا واجب ہو اور پانی کا استعمال اس کے لیے ہلاکت یا بیماری کا باعث ہو تو اس کے لیے تیمّم کر لینا کافی ہے۔

[1] المآئدة 5:6. [2] صحيح مسلم، حديث: 522. [3] صحيح البخاري، حديث: 347، دیکھیے: وضو، غسل اور طہارت۔

تہجّد

لفظ تہجد ''نمازِ تہجد'' کا اختصار ہے۔ اس کے معنی ہیں، رات کو جاگ کر نماز پڑھنا۔ نبیِ کریم ﷺ باقاعدگی سے نمازِ تہجد ادا کیا کرتے تھے، یعنی یہ آپ کی ایک مستقل عادت تھی۔ نمازِ تہجد روح کی پاکیزگی حاصل کرنے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لیے اپنے عزم اور اس میں مستقل مزاجی کو تقویت دینے کا یقینی اور مؤثر ترین ذریعہ ہے۔

عام مسلمانوں کے لیے یہ اگرچہ ایک نفلی عبادت ہے مگر نبیِ اکرم ﷺ اس کا خاص اہتمام کیا کرتے تھے۔ تہجد کے بے شمار فضائل کی وجہ سے نبی ﷺ مسلمانوں کو یہ نماز پڑھنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

''تہجد ضرور پڑھا کرو کیونکہ یہ تم سے پہلے گزرے ہوئے نیک بندوں کی روش ہے اور تمھارے لیے اپنے رب کے قرب کا وسیلہ، گناہوں کے مٹنے کا ذریعہ اور (مزید) گناہوں سے بچنے کا سبب ہے۔''[1]

نبیِ کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

''فرض نماز کے بعد سب سے افضل رات کی نماز (تہجد) ہے۔''[2]

نبیِ کریم ﷺ نمازِ تہجد اتنی لمبی پڑھا کرتے تھے کہ زیادہ دیر کھڑے رہنے سے آپ کے پاؤں مبارک سوج جاتے تھے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ماضی و مستقبل کی تمام خطاؤں کو معاف کر دیا تھا۔

نمازِ تہجد کی کم سے کم رکعتیں دو اور زیادہ سے زیادہ آٹھ ہیں۔ نبی ﷺ دو دو کر کے آٹھ رکعتیں پڑھا کرتے

تھے۔ ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرا کرتے تھے، پھر اگلی دو رکعتیں شروع کر دیتے۔ نبی ﷺ اکثر وتر سمیت گیارہ رکعتیں ادا کرتے تھے۔

تہجد کا بہترین وقت رات کا پچھلا حصہ ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

''ہمارا بلند اور برکت والا پروردگار ہر رات جب ایک تہائی رات باقی رہ جاتی ہے، آسمانِ دنیا پر اترتا ہے اور فرماتا ہے: کوئی ہے جو مجھے پکارے، میں اس کی دعا قبول کروں؟ کوئی ہے جو مجھ سے مانگے، میں اس کو دوں؟ کوئی ہے جو مجھ سے بخشش طلب کرے، میں اس کے گناہ بخش دوں؟'' [3]

اللہ تعالیٰ نمازِ تہجد کے لیے کھڑے ہونے والوں کے بارے میں اپنی خوشنودی کا اظہار یوں فرماتا ہے:

''ان کے پہلو بستروں سے الگ رہتے ہیں (اور) وہ خوف اور امید کے ساتھ اپنے رب کو پکارتے ہیں اور جو ہم نے انھیں رزق دیا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ کوئی نہیں جانتا کہ ان کے اچھے اعمال کے بدلے میں ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کی کون کون سی چیزیں چھپا کر رکھ دی گئی ہیں۔'' [4]

[1] صحيح ابن خزيمة، حديث: 1135. [2] صحيح مسلم، حديث: 1163. [3] صحيح البخاري، حديث: 1145.
[4] السجدة 32:16، 17، دیکھیے: نماز، وتر اور رکعت۔

جبریل علیہ السلام

حضرت جبریل علیہ السلام تمام فرشتوں کے سردار ہیں۔ ان کا ایک نام مقدس روح ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے اپنے رسولوں اور نبیوں کی طرف وحی بھیجتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو نور سے پیدا کیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سورۃ النجم کی آیت 18 ''یقیناً اس نے اپنے رب کی بعض بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دیکھا، ان کے چھ سو پَر تھے۔'' [1]

یہ جبریل امین علیہ السلام ہی تھے جو نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے غارِ حرا میں اترے تھے اور سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیات آپ کو پہنچائی تھیں جن کا ترجمہ یوں ہے:

''اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھیے جس نے پیدا کیا۔ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھیے! آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ وہ ذات جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ اس نے انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔'' [2]

جبریل علیہ السلام ہی اس رات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسفر تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سات آسمانوں کی سیر کی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وہ اکثر آپ کے صحابی دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی شکل میں آیا کرتے تھے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چند مواقع پر اور انسانی شکل میں بھی دیکھا تھا۔ ان میں سے ایک موقع وہ تھا جب آپ نے جبریل علیہ السلام کو ایسے شخص کی صورت میں دیکھا جس کے کپڑے بے حد سفید اور بال بے حد سیاہ تھے۔ اس پر سفر کے گرد و غبار کا نام و نشان تک نہ تھا اور وہاں کا کوئی بھی شخص اسے جانتا نہ تھا۔ وہ چلتا ہوا آیا اور نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس طرح بیٹھ گیا کہ اس کے گھٹنے آپ کے گھٹنوں سے ملے ہوئے تھے اور اس نے اپنے ہاتھ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھٹنوں پر رکھ دیے تھے۔ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام، ایمان، احسان اور قیامت اور اس کی نشانیوں کے بارے میں سوالات کیے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سوالوں کے جوابات دیے اور جب وہ چلا گیا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کو بتایا کہ وہ جبریل علیہ السلام تھے جو تمھیں تمھارا دین سکھانے آئے تھے۔ [3]

[1] صحیح مسلم، حدیث: 174. [2] العلق 96:1-5. [3] صحیح مسلم، حدیث: 8، دیکھیے: فرشتے اور اسراء و معراج۔

جمعۃ المبارک

جمعۃ المبارک ہفتے کا سب سے بہترین دن ہے۔ نبیِ کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

''بہترین دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، جمعے کا دن ہے۔ اسی دن آدم علیہ السلام کو پیدا کیا گیا اور اسی دن وہ جنت میں داخل کیے گئے اور اسی دن جنت سے (زمین کی طرف) نکالے گئے اور قیامت بھی جمعے ہی کے دن قائم ہوگی۔'' [1]

چونکہ یہ سب سے اہم دن ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اہتمام کے ساتھ جمعے کی نماز ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اے ایمان والو! جب جمعے کے دن نماز کے لیے اذان دی جائے تو تم اللہ کے ذکر کی طرف دوڑو اور خرید و فروخت کرنا چھوڑ دو، یہ تمھارے لیے (تجارت وغیرہ سے) بہتر ہے، اگر تم جانتے ہو۔'' [2]

اس آیت سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ نماز جمعہ فرض ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

''نمازِ جمعہ ہر مسلمان پر جماعت کے ساتھ فرض ہے، سوائے چار قسم کے لوگوں کے: غلام، عورت، بچہ اور مریض۔'' [3]

نماز جمعہ پڑھنے کے بے شمار فوائد ہیں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص جمعے کے دن نہائے اور جس قدر پاکی حاصل ہو سکے کرے، اور تیل یا اپنے گھر میں موجود خوشبو لگائے، پھر وہ گھر سے نکلے اور (مسجد میں) دو آدمیوں کے درمیان

(گھس کر ان میں) تفریق نہ کرے (بلکہ جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے)، پھر اپنے مقدور کے مطابق نماز پڑھے، پھر جب امام خطبہ شروع کرے تو خاموش رہ کر سنے تو اس کے اس جمعے سے پچھلے جمعے تک کی درمیانی مدت میں ہونے والے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔'' [4]

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جمعہ کے دن کا ذکر کیا تو فرمایا:

''اس میں ایک ایسی گھڑی ہے کہ جس مسلمان کو وہ میسر آجائے کہ وہ اس میں کھڑا ہوا نماز پڑھ رہا ہو تو وہ اللہ سے جس چیز کا سوال کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے وہ ضرور عطا فرما دیتا ہے۔'' [5]

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

''جو شخص غسل کر کے جمعہ کے لیے آتا ہے اور خطبہ شروع ہونے تک جس قدر ہو سکے نوافل ادا کرتا ہے، پھر جمعے کا خطبہ شروع سے آخر تک خاموشی کے ساتھ سنتا ہے تو اس کے گزشتہ جمعے سے لے کر اس جمعے تک اور مزید تین دن کے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔'' [6]
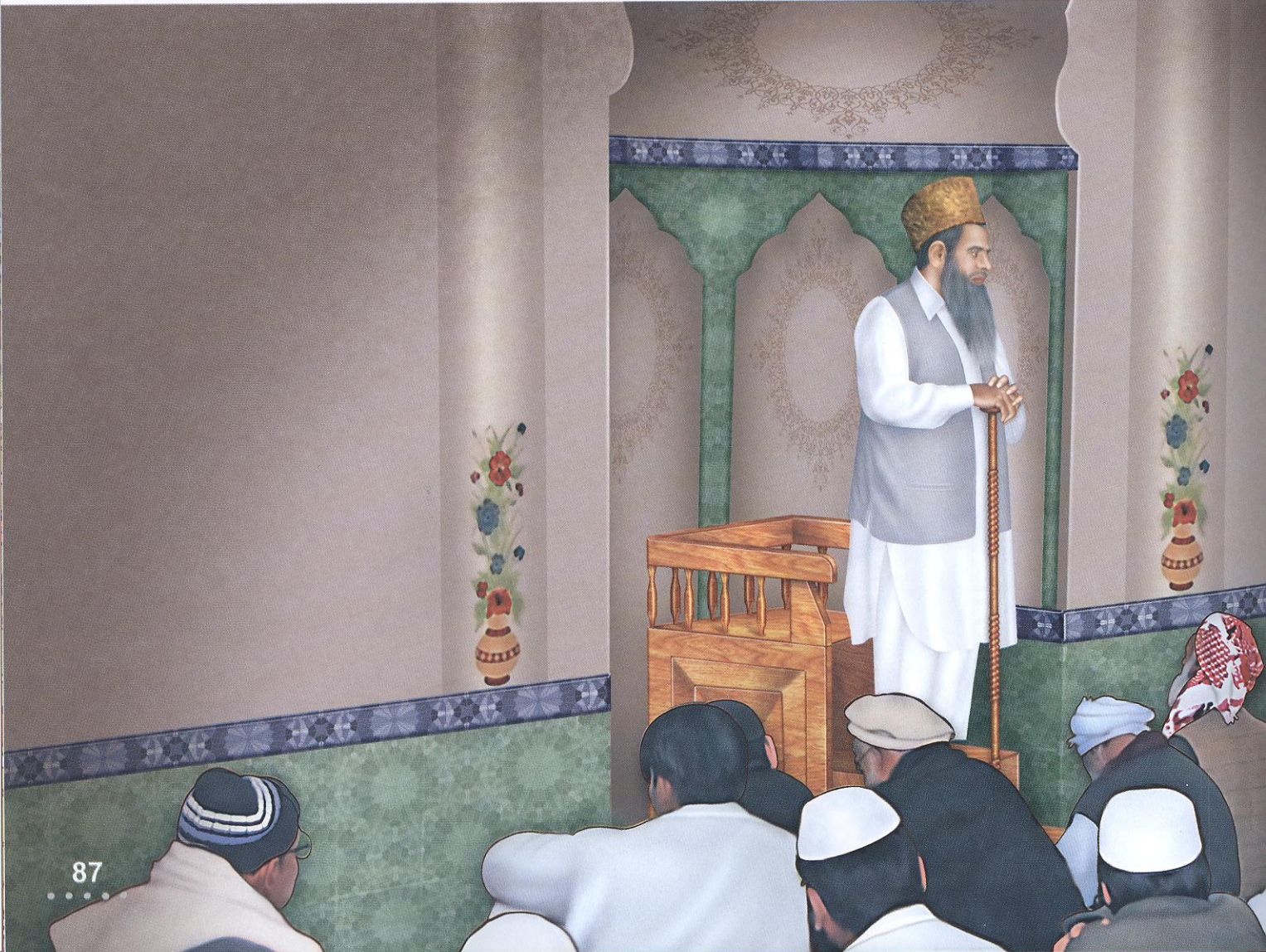
یہاں گناہوں سے مراد صغیرہ (چھوٹے) گناہ ہیں۔ چھوٹے گناہ بھی اس وقت معاف ہوں گے جب کبیرہ (بڑے) گناہوں سے بچنے کی کوشش کرے گا۔ اگر کبیرہ گناہوں سے نہیں بچے گا تو صغیرہ گناہ بھی معاف نہیں ہوں گے کیونکہ نبیِ کریم ﷺ کا فرمان ہے: ''پانچوں نمازیں، ایک جمعہ دوسرے جمعے تک اور ایک رمضان دوسرے رمضان تک، درمیانی مدت کے گناہوں کو مٹا دینے والے ہیں جبکہ کبیرہ گناہوں سے اجتناب کیا جائے۔'' [7]

جہاں تک کبیرہ گناہوں کا تعلق ہے تو ایک مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ ان سے سچے دل سے توبہ کرے۔

[1] صحیح مسلم، حدیث: 854. [2] الجمعة 62:9. [3] سنن أبي داود، حديث: 1067. [4] صحيح البخاري، حديث: 883.
[5] صحيح البخاري، حديث: 935. [6] صحيح مسلم، حديث: 857. [7] صحيح مسلم، حديث: 233، دیکھیے: نماز۔

40

جنازہ

جنازہ لغت میں اس چیز کو کہا جاتا ہے جس پر میت (انسان کا مردہ جسم) کو رکھا جاتا ہے۔ خود میت کو بھی جنازہ کہا جاتا ہے۔ فقہی اصطلاح میں مردہ انسانی جسم کے بارے میں جو احکام دین میں دیے گئے، ان کو بھی جنازہ یا جنائز سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نبیِ اکرم ﷺ کا حکم ہے کہ جب کوئی شخص فوت ہوجائے تو اس کی میت کو کسی تاخیر کے بغیر اس کے مدفن (قبر) میں پہنچا دو۔ ارشاد ہے:

"جنازہ (میت) لے کر جلدی چلا کرو کیونکہ اگر وہ نیک ہے تو جلدی کر کے تم اس کو بھلائی کی طرف نزدیک کر رہے ہو اور اگر اس کے سوا ہے تو وہ ایک شر ہے جسے تم اپنی گردنوں سے اتار رہے ہو۔" [1]

یہ ہر انسان کا حق ہے کہ اس کی میت کو احترام سے غسل دیا جائے، کفن پہنایا جائے، اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے، پھر اس کی تدفین کی جائے۔ جنازے میں شرکت بہت زیادہ اجر کا سبب ہے۔ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوق ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس کے جنازے میں شرکت کی جائے۔ [2]

نبیِ کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

"جو آدمی کسی مسلمان کی تدفین میں اس وقت تک شریک رہے جب تک اس کی نمازِ جنازہ پڑھی جائے تو اسے ایک قیراط ثواب ملے گا۔ اور جو اس وقت تک شریک رہے جب تک اس کی تدفین ہوجائے تو اسے دو قیراط ثواب ملے گا۔"

کسی نے پوچھا: دو قیراط کیا ہیں؟ نبی ﷺ نے جواب دیا: "یہ دو عظیم پہاڑوں کی مانند ہیں۔" [3]

عورتوں کو جنازے کے جلوس میں شرکت کی اجازت نہیں ہے۔
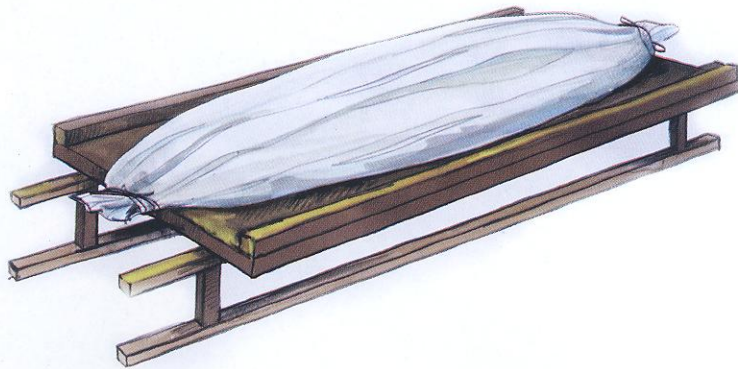
[1] صحيح البخاري، حديث: 1315. [2] صحيح البخاري، حديث: 1240. [3] صحيح البخاري، حديث: 1325.

جنت

جنت دائمی خوشیوں اور نعمتوں سے معمور وہ ٹھکانا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کے لیے تیار کیا ہے۔ وہاں کی خوشیاں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوں گی اور ایسی ہوں گی کہ نہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھی ہیں، نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی ذہن نے سوچی ہی ہیں۔

نبی ﷺ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ چیزیں تیار کر رکھی ہیں جنھیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہے
اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ
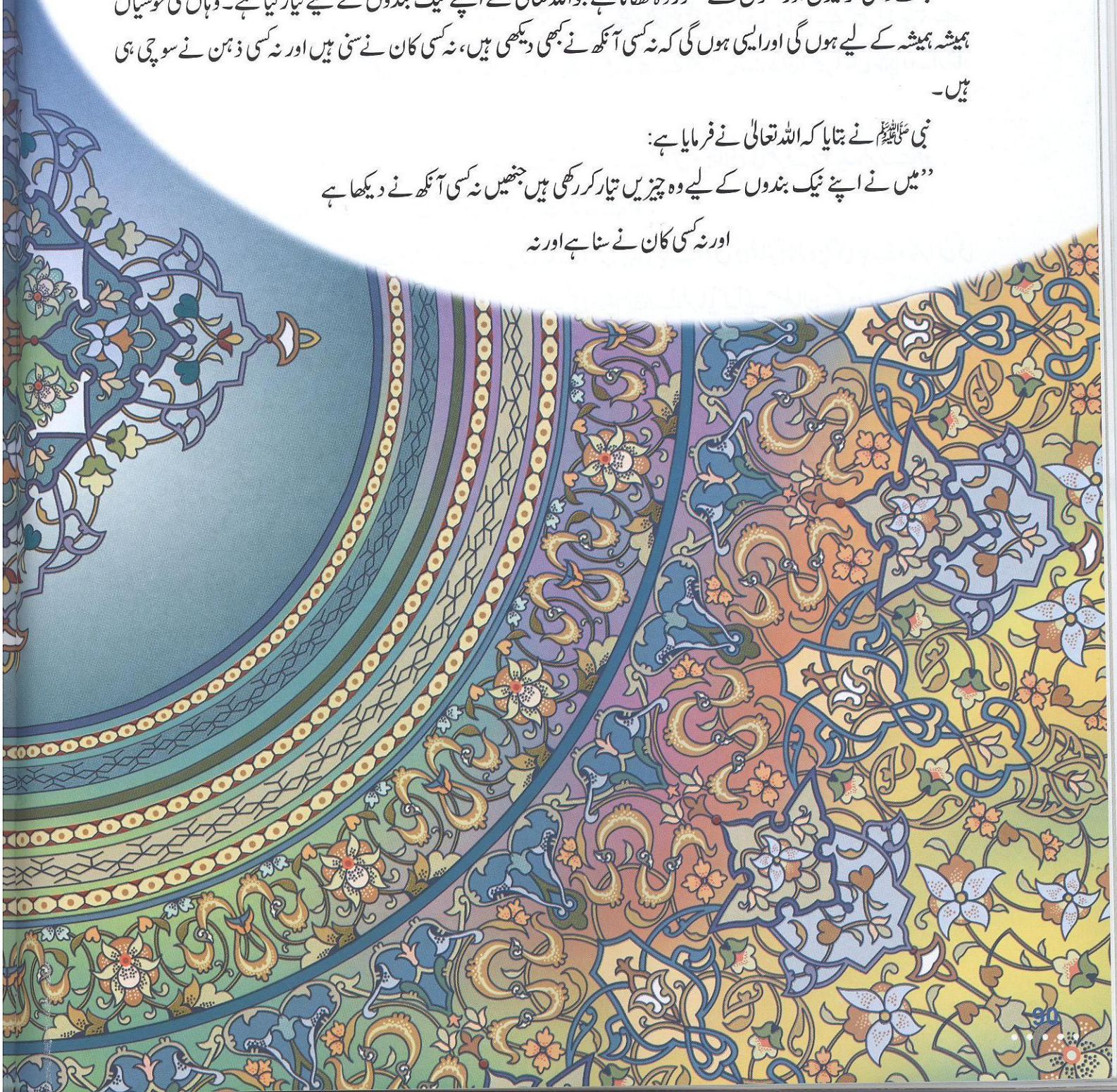
وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ
لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ط
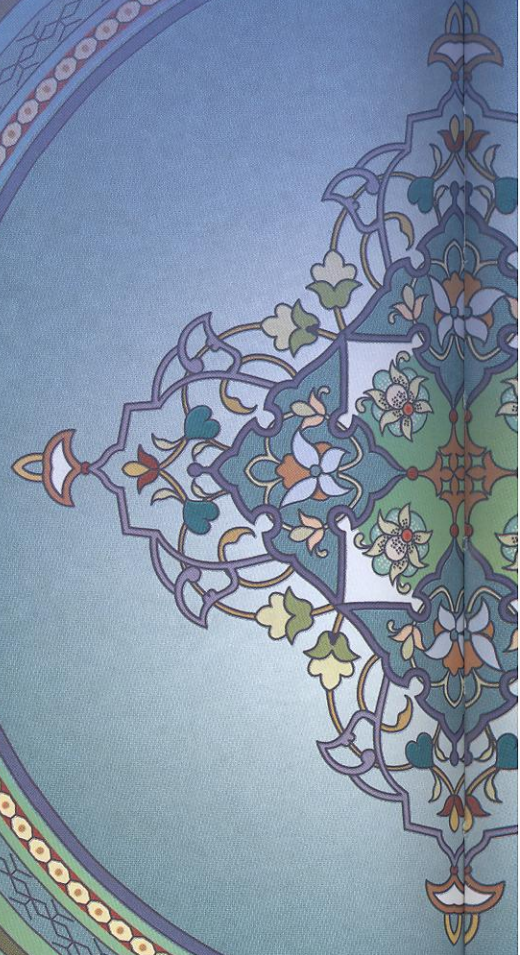
کسی انسان کے دل میں ان کا کبھی گمان وخیال پیدا ہوا ہے۔''

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کرنے کے بعد کہا کہ اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھ لو:

''کوئی انسان نہیں جانتا کہ ان کے لیے آنکھوں کی ٹھنڈک کی کون کون سی چیزیں چھپا کر رکھی گئی ہیں۔'' [1]

جو لوگ جنت میں داخل ہوں گے، انھیں وہاں ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ تمنا کریں گے۔ جنت کے آٹھ دروازے ہیں، ان میں سے ایک کا نام ''الریّان'' ہے جس میں سے صرف روزہ رکھنے والے گزریں گے، ان کے سوا کوئی نہیں گزر سکے گا۔ جب وہ داخل ہو جائیں گے تو اسے بند کر دیا جائے گا، اس میں سے کوئی دوسرا نہیں گزر سکے گا۔ [2]

جنتیوں میں اکثریت غریب لوگوں کی ہوگی۔ اس میں سونے اور چاندی کے برتن ہوں گے۔ جو لوگ جنت میں داخل ہوں گے، ان کے کپڑے عُمدہ سبز ریشم اور مخمل کے ہوں گے اور انھیں چاندی کے کڑے پہنائے جائیں گے، وہ مزین تکیوں پر ٹیک لگائے ہوں گے، انھیں کبھی تپتی دھوپ اور سردی نہیں لگے گی۔ وہ ٹھنڈے سایوں میں ہوں گے، وہاں چشمے بہ رہے ہوں گے اور انھیں ہر قسم کا پھل دیا جائے گا، جو بھی وہ چاہیں گے، وہ انھیں وہاں میسر آئے گا۔ جنت میں ایک اور عظیم نعمت کوثر نامی نہر ہوگی جس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور شہد سے زیادہ میٹھا ہوگا۔ اس کے کنارے پر خیمے ہوں گے جو خولدار موتیوں سے بنائے گئے ہوں گے۔

جنت کے مختلف درجات ہیں جن میں سے اعلیٰ ترین درجے کا نام ''الفردوس'' ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''جنت میں سو درجات ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان آسمان وزمین کے درمیان فاصلے جتنا فاصلہ ہے۔ فردوس سب سے بلند درجہ ہے، وہیں سے جنت کی چار نہریں پھوٹتی ہیں، اس کے اوپر عرش ہے۔ تم اللہ سے جب (جنت کا) سوال کرو تو فردوس ہی کا سوال کیا کرو۔'' [3]

اللہ تعالیٰ اہل جنت کے بارے میں فرماتا ہے:

''اور جنھوں نے اپنے رب کے چہرے (رضا) کی طلب کے لیے صبر کیا اور نماز قائم کی اور ہمارے دیے ہوئے رزق میں سے چھپے اور کھلے خرچ کیا اور (جو) برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں، انھی لوگوں کے لیے آخرت کا گھر ہے۔ جو ہمیشہ رہنے والے باغ ہیں جن میں وہ داخل ہوں گے اور ان کے باپ دادا اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہیں (وہ بھی) اور فرشتے (جنت کے) ہر دروازے سے ان کے پاس آئیں گے۔ (اور کہیں گے:) تم پر سلام ہو، اس لیے کہ تم نے صبر کیا، لہٰذا آخرت کا گھر بہت خوب ہے۔'' [4]

---

[1] السجدة 17:32، صحيح البخاري، حديث: 4779. [2] صحيح البخاري، حديث: 1896. [3] جامع الترمذي، حديث: 2531.
[4] الرعد 13:22-24، دیکھیے: جہنم۔

جنّ

جنّ ہماری آنکھوں سے پوشیدہ اللہ کی ایسی مخلوق ہے جسے آگ سے پیدا کیا گیا ہے۔ جنّ کی جمع، جنّات ہے۔ جنّات وہ مخلوق ہرگز نہیں جنھیں بعض لوگ غلطی سے خطا کار فرشتے سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جنات کو ایسی آگ سے پیدا کیا جو دُھواں نہیں چھوڑتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور اس نے جنّ کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔'' [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''فرشتے نور سے پیدا کیے گئے، جنّوں کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا گیا اور آدم علیہ السلام کو اس چیز سے پیدا کیا گیا جو تمھیں بتادی گئی ہے۔'' [2]

جس پہلے جنّ نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، اس کا نام ''ابلیس'' تھا۔ انسانوں کی طرح جنّات بھی ایمان لانے، نہ لانے اور ہدایت کو قبول یا رد کرنے میں خود مختار بنائے گئے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں انھی کی زبانی یہ بتایا ہے:

''اور یہ کہ ہم میں سے نیک بھی ہیں اور اس کے سوا بھی ہیں، ہم مختلف طریقوں (مذاہب) پر تھے۔'' [3]

جنّات میں سے ایک گروہ قرآن مجید کی تلاوت سن کر ایمان لے آیا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر فرمایا ہے:

''اور (یاد کیجیے) جب ہم نے جنّوں کی ایک جماعت کو آپ کی طرف متوجہ کیا کہ وہ قرآن سنیں، پھر جب وہ اس (کی تلاوت سننے) کو حاضر ہوئے تو

وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ

(ایک دوسرے سے) کہا: خاموش رہو، چنانچہ جب (تلاوت) ختم ہوگئی تو وہ اپنی قوم کی طرف ڈرانے والے بن کر لوٹے۔"[4]

جنّ، انسانوں کی طرح کھاتے پیتے ہیں، شادیاں کرتے ہیں اور ان کے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ مختلف شکلیں بدلنے اور بعض ایسے حیرت انگیز کام بھی کر سکتے ہیں جو انسانوں کے بس سے باہر ہیں، مگر قرآن نے واضح کہا ہے کہ وہ غیب دان نہیں ہیں۔ جنات چونکہ با اختیار اور آزاد مرضی رکھنے والے ہیں، اس لیے انھیں بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے جوابدہ ہونا پڑے گا۔ ایمان اور نیکی کے سبب انھیں نجات ملے گی اور کفر اور برائی کی بنا پر جہنم میں پھینکے جائیں گے۔

[1] الرحمٰن 15:55. [2] صحیح مسلم، حدیث: 2996. [3] الجن 11:72. [4] الأحقاف 29:46، دیکھیے: ابلیس، شیطان اور سلیمان علیہ السلام۔

43

جہنم

جہنم (دوزخ) ایک ایسی جگہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے کافروں، بدمعاشوں اور گناہ گاروں کے لیے تیار کر رکھی ہے۔ قرآن مجید میں اس کا کئی ناموں سے ذکر کیا گیا ہے، مثلاً: "اَلْحُطَمَة" (چکنا چور اور ریزہ ریزہ کر دینے والی) "اَلسَّعِیْر" (بھڑکنے والی آگ) اور "اَلْهَاوِیَه" (گہری کھائی)۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اور جن لوگوں نے اپنے رب سے کفر کیا، ان کے لیے جہنم کا عذاب ہے اور (وہ) بُرا ٹھکانا ہے۔" [1]

جہنم انتہائی گرم ہے۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

"تمھاری یہ (دنیا کی) آگ جسے ابن آدم جلاتا ہے، جہنم کی آگ کی گرمی کا سترہواں حصہ ہے۔"

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اللہ کی قسم! (انسانوں کو جلانے کے لیے دنیا کی) یہی (آگ) کافی تھی۔ آپ نے فرمایا: "بلاشبہ جہنم کی آگ کو دنیا کی آگ سے انہتر (69) حصے زیادہ بنایا گیا ہے۔ اس کا ہر حصہ اس (دنیا کی آگ) کے برابر گرم ہے۔" [2]

جہنم بے حد اور بے حساب وسیع ہے اور جب بے شمار لوگوں کو اس کے اندر پھینک دیے جانے کے بعد اس سے پوچھا جائے گا:

"کیا تو بھر گئی؟ اور وہ کہے گی: کیا کچھ مزید ہے؟" [3]

جہنم کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔ جہنم پر ایسے فرشتے مامور کیے گئے ہیں جو ترش رو، تُند خو اور غُصیلے ہیں۔ وہ اللہ کی طرف سے ملے ہوئے احکام کی تعمیل میں سخت اور بے لچک رویے کا مظاہرہ کریں گے اور ٹھیک ٹھیک ویسی ہی سزا دیں گے جیسی کا حکم ملا ہوا ہو گا۔ جہنم میں پھینکے جانے والوں کو کھانے کے لیے "زقوم" (ایک

تلخ اور بد بودار درخت) دیا جائے گا اور پینے کے لیے ''حمیم'' (انتہائی کھولتا ہوا پانی) اور ''غَسَّاق'' (دوزخیوں کی کھال سے بہنے والا گندا خون اور پیپ) دیا جائے گا۔ جہنمیوں کے کپڑے آگ کے ہوں گے۔ ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا جس کی گرمی سے ان کے پیٹ میں پڑی ہوئی چیزیں بھی پگھل جائیں گی۔ ان کی جلد بھی پگھل جائے گی اور جب وہ تکلیف کی شدت کی وجہ سے باہر بھاگنے کی کوشش کریں گے تو واپس اسی میں دھکیل دیے جائیں گے اور کہا جائے گا:

''جلانے والے عذاب کا مزہ چکھو!'' [4]

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''قیامت کے دن دوزخیوں میں عذاب کے اعتبار سے سب سے ہلکا عذاب پانے والا وہ شخص ہوگا جس کے دونوں پیروں کے نیچے دو انگارے رکھ دیے جائیں گے جن کی وجہ سے اس کا دماغ اس طرح کھول رہا ہوگا جس طرح ہانڈی ابلتی ہے۔'' [5]

[1] الملك 67:6. [2] صحيح مسلم، حديث: 2843. [3] قٓ 50:30. [4] الحج 22:22.
[5] صحيح البخاري، حديث: 6562.

44

حج

حج اسلام کے بنیادی ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے۔ یہ ہر اُس مسلمان پر فرض ہے جو حج پر جانے کی استطاعت رکھتا ہے۔ ہر مسلمان کو زندگی میں کم از کم ایک بار یہ فرض لازماً ادا کرنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور اللہ کی طرف سے (ان) لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے جو اس کی طرف سفر کرنے کی طاقت رکھتے ہوں۔''[1]

حج اہل ایمان کا عظیم ترین سالانہ اجتماع ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی حضرت ہاجرہ علیہا السلام اور بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ان عظیم الشان اعمال کی یاد تازہ کی جاتی ہے جو صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تھے۔ اس میں ہر رنگ و نسل اور ہر شعبۂ زندگی سے تعلق رکھنے والے مسلمان اکٹھے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں اور اس سے مغفرت مانگتے ہیں۔ دورانِ حج وہ ان مناسک اور ارکان کی ادائیگی کرتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائے اور ادا کر کے دکھائے ہیں۔ دنیا کے کونے کونے سے آئے ہوئے مسلمان ایک دوسرے سے تعارف حاصل کرتے ہیں اور اپنے مشترکہ مسائل پر تبادلۂ خیال کرتے ہیں۔ یہ اسلام کی عالمگیریت، مسلمانوں کے اتحاد اور باہمی مساوات کا زبردست مظاہرہ ہوتا ہے۔ امریکی نومسلم سیاہ فاموں کے معروف لیڈر میلکم ایکس جب حج کرنے مکہ آئے تو مساواتِ انسانی پر مبنی یہ مقدس اجتماع انھیں سیاہ فام نسل کے ساتھ دنیا بھر میں کیے جانے والے برے سلوک اور ان کی عزتِ نفس کو لگائے جانے والے زخموں کا مداوا نظر آیا۔ وہ لکھتے ہیں:

حج

''مجھے مزدلفہ میں گزاری ہوئی وہ رات بے حد یاد آتی ہے جب میں اپنے سوئے ہوئے مسلمان بھائیوں کے درمیان جاگ رہا تھا۔ مجھے خیال آیا کہ یہاں ہر خطے، ہر سرزمین، ہر رنگ اور ہر مرتبے کے لوگ، سرکاری حکام اور نادار و بھکاری ایک ہی زبان میں خراٹے مار رہے ہیں۔
حج، خالقِ کائنات کے ساتھ مسلمانوں کے عہد و اقرار اور اس کی خوشنودی کے لیے مادی مفادات ترک کرنے کی تیاری ہے۔ حاجی خود کو اللہ کے سامنے پیش کر کے اپنی تمام دنیاوی چیزیں، دولت، خاندان، دوست احباب، لباس، پیدائش اور رنگ و نسل کے امتیازات قربان کر دیتا ہے اور تمام مسلمانوں کی اخوت کی خوشی بھی مناتا ہے۔ سب یکساں لباس میں ہوتے ہیں اور انھیں ایسا ہی کرنا چاہیے جیسا کہ وہ روزِ محشر برابر حیثیت میں اللہ کے سامنے پیش ہوں گے۔ مسلمانوں میں یکجہتی اور اتحاد کے فروغ کے لیے ہر سال ہونے والے اس اجتماع سے بڑھ کر کوئی چیز مفید نہیں ہو سکتی۔ یہ اجتماع دنیا کے گوشے گوشے سے آئے ہوئے مسلمانوں کو جذبۂ وحدت، ہم آہنگی اور روحانیت کی ایک نئی قوت سے سرشار کر دیتا ہے۔''

حج توحید باری تعالیٰ پر ایمان کا ایک قابل دید مظاہرہ ہے اور دنیا کے مختلف حصوں سے آنے والے مختلف نسلی گروہوں کے مابین اخوت کے رشتوں کو مضبوط تر بنا دیتا ہے۔ یہاں جمع ہونے والوں کے لیے یہ مل بیٹھنے، ایک دوسرے کو جاننے، آپس میں خیالات کا تبادلہ کرنے، اپنے تجربات کا دوسروں کے تجربات سے موازنہ کرنے اور اپنی مساعی کو یکجا کر کے مشترکہ مفاد کے لیے بروئے کار لانے کا نادر موقع ہوتا ہے۔ حج روح کو آلائشوں سے پاک کرتا ہے اور عمدہ خصلتوں، مثلاً: مہر و محبت، شفقت و ہمدردی، حسنِ اخلاق، اعتدال پسندی اور منکسر المزاجی کو فروغ دیتا ہے۔ حجاج کو حکم دیا گیا ہے کہ ہر قسم کی بد اعمالیوں اور ضرر رساں حرکتوں سے اجتناب کریں اور اپنے اندر صبر و تحمل اور مستقل مزاجی پیدا کریں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''حج کے مہینے معلوم و مقرر ہیں، چنانچہ جس شخص نے ان (مہینوں) میں حج کو لازم کر لیا تو حج کے دوران میں وہ جنسی باتیں نہ کرے، اللہ کی نافرمانی نہ کرے اور

کسی سے جھگڑا نہ کرے۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ نے مختلف مواقع پر حج کے متعدد فضائل بیان فرمائے ہیں۔ نبیِ کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ بہترین عمل کون سا ہے؟ تو آپ نے جواب دیا: ''اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔'' پوچھا گیا کہ اس کے بعد کون سا عمل ہے؟ آپ نے جواب دیا: ''اللہ کے راستے میں جہاد کرنا۔'' پوچھا گیا کہ اس کے بعد کون سا عمل ہے؟ آپ نے جواب دیا: ''حجِ مبرور۔'' [3]

حج مبرور سے مراد وہ حج ہے جو خالص اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے کیا جائے اور نبی ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق کیا جائے۔ ایک موقعے پر نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص نے صرف اللہ کے لیے حج کیا اور نہ ازدواجی تعلقات کے حوالے سے باتیں کیں، نہ گناہ کیا تو وہ اس دن کی طرح واپس ہوگا جس دن اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔'' [4]

حج کی تین اقسام ہیں

① حج تمتع: اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص حج کے مہینوں میں پہلے عمرہ ادا کرے، عمرے کے بعد احرام کھول دے، پھر گھر جائے بغیر آٹھ ذوالحجہ کو دوبارہ احرام باندھ کر حج کرے۔ یہ حج تمتع کہلاتا ہے۔

② حج افراد: اس کا طریقہ یہ ہے کہ انسان صرف حج کا احرام باندھے اور اس وقت تک اسی حالت میں رہے جب تک حج ختم نہ ہو جائے۔ یہ صرف حج ہے، اس میں عمرہ شامل نہیں ہوتا، اس لیے حجِ اِفراد (اکیلا حج) کہلاتا ہے۔

③ حجِ قِران: اس میں عمرہ اور حج دونوں کی ایک ساتھ نیت کر کے احرام باندھا جاتا ہے۔ حاجی پہلے عمرے کے مناسک ادا کرتا ہے لیکن اس کے بعد احرام نہیں کھولتا بلکہ احرام ہی کی حالت میں حج بھی ادا کرتا ہے۔ اس میں حج اور عمرہ دونوں ایک ساتھ ادا کیے جاتے ہیں، اس لیے اسے قِران کہا جاتا ہے جس کا معنیٰ 'مِلانا' ہے۔ جو لوگ قربانی کا جانور ساتھ لے جاتے ہیں، وہ قربانی کر لینے سے پہلے حالتِ احرام سے باہر نہیں آسکتے، ان کے لیے حجِ قِران لازمی ہے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ حج تمتع اور حجِ قِران دونوں میں جانور کی قربانی دینا ضروری ہے، البتہ حج افراد میں قربانی کرنا ضروری نہیں ہے۔

---

[1] آلِ عمران 3:97. [2] البقرۃ 2:197. [3] صحيح البخاري، حديث: 1519.

[4] صحيح البخاري، حديث: 1521، دیکھیے: عرفات، احرام، منیٰ، مزدلفہ، سعی اور طواف۔

45

حجاب

اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی سے متعلق اہم ترین کام، یعنی بچوں کی ولادت اور پرورش عورت کے ذمے لگائی ہے، اس لیے یہ قانون بنا دیا ہے کہ کوئی بھی عورت کے ذمے لگائے گئے اس اہم ترین کام کے دوران میں خلل اندازی نہ کرے۔ آج کل بڑے حکام اور ججوں وغیرہ کو یہ حق دیا جاتا ہے کہ ہر کوئی ہر وقت ان کا دروازہ کھول کر اندر نہیں جا سکتا۔ وہ بہت اہم کام میں مشغول ہیں۔

اسلام نے حکام تک کو اتنا مکمل صورت میں یہ حق نہیں دیا۔ صرف اور صرف عورت کو یہ حق دیا ہے کہ سوائے قریبی عزیزوں (محرموں) کے کوئی دوسرا ان کے تخلیے (Privacy) میں خلل نہیں ڈال سکتا۔ اسلام چونکہ عورتوں کو مردوں کی زیادتیوں اور ان کی ہوس ناک نگاہوں سے بھی بچانا چاہتا ہے، اس لیے وہ انھیں شرم و حیا کے حصار کے اندر رہنے اور ایسا حجاب اوڑھنے کا حکم دیتا ہے جو سارے جسم کو ڈھانپ لے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)! اپنی بیویوں اور اپنی بیٹیوں اور اہل ایمان کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکا لیا کریں، یہ (بات) اس کے زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچان لی جائیں (کہ وہ مومن خواتین ہیں) اور انھیں ایذا نہ پہنچائی جائے۔''[1]

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اور وہ اپنی زینت نہ کھولیں مگر جو (از خود) اس میں سے ظاہر ہو۔''[2]

ایک مسلمان عورت ''حجاب'' اس لیے اوڑھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا حکم دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ہدایت فرمائی ہے۔ حجاب اوڑھنا یقیناً اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔ یہ پاکیزگی، حیا داری، راست روی اور ایمان کی علامت ہے۔ شرعی طور پر حجاب وہ ہے۔

جس میں ذیل کی شرائط پائی جائیں:

- حجاب پورے جسم کو ڈھانپ لے۔
- حجاب اتنا باریک نہ ہو کہ اس میں سے بدن یا زیب و زینت جھلکتی ہوئی دکھائی دے۔
- حجاب ڈھیلا ڈھالا ہو تا کہ اس میں سے جسم کے خدوخال نمایاں نہ ہوں۔
- حجاب پر ایسے نقش و نگار نہ بنے ہوئے ہوں جو بجائے خود زینت بن جائیں اور مردوں کو متوجہ کرنے کا ذریعہ بنیں۔
- حجاب کی وضع قطع (ڈیزائن) ایسی نہ ہو کہ وہ غیر مسلم عورت کے کپڑوں کی طرح دکھائی دیتا ہو۔

1 الأحزاب 59:33. 2 النور 31:24.

حدیث

حدیث کی جمع ''احادیث'' ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب اقوال، افعال، وہ باتیں جو آپ کو معلوم ہوئیں اور آپ نے کسی کو ان سے نہ روکا اور آپ کی جسمانی و اخلاقی صفات کے بیان کو حدیث کہا جاتا ہے۔ ایسے امور جو نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں کیے گئے لیکن آپ نے نہ ان سے روکا اور نہ ان کو برا جانا بلکہ خاموش رہ کر ان پر اپنی پسندیدگی کا اظہار فرما دیا، وہ تقریرِ نبوی کہلاتے ہیں۔

حدیث کی تین قسمیں ہیں: قولی، فعلی اور تقریری۔ جو حدیث نبی کریم ﷺ کے قول پر مبنی ہو، اسے قولی حدیث کہتے ہیں، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''تمام اعمال کا دار و مدار نیتوں پر ہے اور ہر عمل کا نتیجہ ہر انسان کو اس کی نیت کے مطابق ملے گا۔'' [1]

جو حدیث نبی کریم ﷺ کے فعل یا عمل پر مبنی ہو، اسے فعلی حدیث کہتے ہیں، جیسا کہ حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چھ یا سات لڑائیوں میں حصہ لیا، ہم آپ کے ساتھ ٹڈی (Locust) کھایا کرتے تھے۔'' [2]

نبی کریم ﷺ کی موجودگی میں کسی صحابی نے کوئی عمل کیا یا بات کہی یا آپ کے سامنے کسی عمل کا ذکر کیا گیا اور آپ نے خاموشی اختیار فرمائی، اس کو تقریری حدیث کہتے ہیں۔ تقریر کا لغوی معنی کسی شے کو اس کی حالت پر رہنے دینا ہے، جیسے: حضرت قیس بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو صبح کی نماز کے بعد دو رکعتیں پڑھتے دیکھا تو آپ نے فرمایا: ''صبح کی نماز تو دو رکعتیں ہیں۔'' اس آدمی نے جواب دیا: میں نے فرض نماز سے پہلے کی دو رکعتیں نہیں پڑھی تھیں، لہٰذا اب پڑھی ہیں۔ رسول اللہ ﷺ یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے، گویا اس کی اجازت دے دی۔'' [3]

اس تقریری حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر فجر کی فرض نماز سے پہلے دو سنتیں رہ جائیں تو وہ فرضوں کے بعد ادا کی جا سکتی ہیں۔

حدیث، قرآن مجید کے بعد شریعت اسلامیہ کا دوسرا ماخذ ہے۔ احادیث کی چند مشہور کتابیں یہ ہیں:

صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ جامع ترمذی۔ سنن ابوداود۔ سنن نسائی۔ سنن ابن ماجہ۔ موطأ امام مالک۔ مسند امام احمد۔ سنن دارمی۔

حدیث کے دو جز یا حصے ہوتے ہیں: سند اور متن۔

سند سے مراد راویوں کا وہ سلسلہ ہے جو تبع تابعی، تابعی اور صحابی سے ہو کر اس متن تک پہنچتا ہے جو نبی کریم ﷺ سے منسوب ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
نضر اللہ امرءا سمع منا حدیثا
فحفظہ حتی یبلغہ غیرہ
"اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش وخرم رکھے جس نے ہم سے حدیث سنی،
پھر اسے یاد کر کے دوسروں تک پہنچایا"
(جامع الترمذی، حدیث: 2656)

حدیث

متن سے مراد کلام کا وہ حصہ ہے جو سند کے ختم ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے، جسے ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ متن دراصل نبی ﷺ سے منسوب الفاظ اور احوال وصفات کے مجموعے کا نام ہے۔

حدیث بیان کرنے کے درج ذیل آداب ہیں:

- اگر کسی حدیث کا حدیث ہونا قرینِ قیاس ہو، یعنی جب اس کی صحت ثابت ہو جائے تو اسے بیان کرے ورنہ بیان نہ کرے۔
- سنی سنائی یا مشکوک بات کو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب نہ کرے۔
- بہت زیادہ حدیثیں بیان کرنے سے پرہیز کرے، ایسا نہ ہو کہ غلطی سے رسول اللہ ﷺ کی طرف غلط بات یا جھوٹی بات منسوب ہو جائے۔
- تیزی کے ساتھ احادیث بیان نہ کرے بلکہ ہر حدیث آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر اچھی طرح سوچ سمجھ کر بیان کرے۔
- حدیث کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ قرآن کی طرح یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ ہے، اس کا مفہوم اللہ کی طرف سے اور الفاظ، اعمال یا صفات اللہ کے رسول ﷺ کی طرف سے ہیں۔

[1] صحیح البخاري، حدیث: 1. [2] صحیح البخاري، حدیث: 5495. [3] سنن أبي داود، حدیث: 1267، دیکھیے: حدیثِ قدسی۔

حدیثِ قدسی

حدیثِ قدسی اس حدیث کو کہتے ہیں جس میں نبی ﷺ اس بات کو، جو انھوں نے بتائی، اللہ تعالیٰ سے منسوب کرتے ہیں۔

حدیث قدسی اور قرآن میں فرق درج ذیل ہے:

- قرآن تواتر سے ثابت ہے جب کہ حدیثِ قدسی متواتر بھی ہوسکتی ہے اور اس سے کم بھی اور مقبول (صحیح، حسن) اور مردود (ضعیف) بلکہ موضوع بھی ہوسکتی ہے۔
- قرآن کی تلاوت عبادت ہے لیکن حدیثِ قدسی کی تلاوت اس درجے کی عبادت خیال نہیں کی جاتی۔
- حدیث قدسی کے الفاظ اور معانی دونوں اگرچہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں لیکن نہ وہ قرآن کا حصہ ہیں اور نہ ان کا حکم آیاتِ قرآن جیسا ہے۔

حدیث قدسی کی مثال یہ ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبِ اکرم ﷺ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''میں دوسرے شریکوں کے مقابلے میں شرک سے زیادہ بے پرواہوں، جس شخص نے ایسا کام کیا جس میں وہ میرے ساتھ میرے علاوہ کسی اور کو بھی شریک کرتا ہے تو میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں۔'' [1]

1 صحیح مسلم، حدیث: 2985، دیکھیے: حدیث۔

حوضِ کوثر

پانی کے تالاب کو ''حوض'' کہتے ہیں۔ قیامت کے دن حشر کے میدان میں ایک بہت بڑا حوض ہوگا جس میں جنت کی نہر ''کوثر'' سے دو نالوں کے ذریعے سے پانی آرہا ہوگا، اس لیے اس حوض کو ''حوضِ کوثر'' کہا جاتا ہے۔

قیامت کے روز جب لوگ شدید پیاس میں مبتلا ہوں گے، نبیِ اکرم ﷺ کے حقیقی پیروکار جنھوں نے آپ ﷺ کا راستہ اختیار کیا اور دین اسلام میں اپنی یا کسی دوسرے کی مرضی کے کام کو شامل نہیں کیا، اس حوض سے نبیِ کریم ﷺ کے ہاتھوں سے پانی پییں گے۔ جن لوگوں نے دین کے اندر نئی بدعات نکال لیں اور اپنی یا دوسرے لوگوں کی خواہشات کو دین کا نام دے دیا، ایسے لوگوں کو حوضِ کوثر کے قریب بھی نہیں آنے دیا جائے گا۔ ان کے اور نبیِ کریم ﷺ کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی۔ نبیِ کریم ﷺ نے ایک دفعہ اس کے بارے میں فرمایا:

''میں حوضِ کوثر پر تم لوگوں کا پیش رو (پہلے پہنچنے والا) ہوں گا۔ تم میں سے کچھ لوگ میری طرف آئیں گے۔ جب میں انھیں (پانی) دینے لگوں گا تو انھیں میرے سامنے سے کھینچ لیا جائے گا۔ میں کہوں گا: اے میرے رب! یہ تو میری امت کے لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: آپ کو نہیں معلوم کہ انھوں نے آپ کے بعد دین میں کیا کیا نئی باتیں نکال لی تھیں۔'' [1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

''میرے حوض کی وسعت ایک مہینے کی مسافت کے برابر ہوگی۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید اور اس کی خوشبو کستوری سے زیادہ اچھی ہوگی اور اس کے کوزے (پیالے) آسمان کے ستاروں کی تعداد کے برابر ہوں گے۔ جو شخص اس میں سے ایک مرتبہ پی لے گا، وہ (میدان حشر میں) پھر کبھی پیاسا نہیں ہوگا۔'' [2]

---

1 صحيح البخاري، حديث: 7049. 2 صحيح البخاري، حديث: 6579. دیکھیے: قیامت کا دن اور بدعت۔

خلفائے راشدین

خلفائے راشدین وہ صحابہ ہیں جو نبیِ اکرم ﷺ کے بعد اسلامی ریاست کی حکمرانی میں آپ کے جانشین بنے۔ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں:

1. سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
2. سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
3. سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
4. سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ
سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ
سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

یہ وہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں جن سے نبی کریم ﷺ اپنی رحلت کے وقت راضی اور خوش تھے۔یہ ان دس صحابہ میں سے ہیں جنھیں دنیاوی زندگی ہی میں جنت کی خوشخبری سنادی گئی تھی، یعنی عشرہ مبشرہ۔یہ چاروں قبیلۂ قریش سے بھی تعلق رکھتے تھے اور سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والوں میں سے بھی تھے۔خلفائے راشدین کو شوریٰ (باہمی صلاح مشورہ) کے ذریعے سے منتخب کیا گیا تھا اور مسلم معاشرے کے ارکان سے ان (خلفاء) کے وفادار رہنے کا عہد لیا گیا تھا۔اس عہد کو عرفِ عام میں بیعت کہا جاتا ہے۔

خلفائے راشدین کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا تھا:

''تم (میرے بعد) میری سنت کو اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے کو اختیار کرنا (اور) اسے مضبوطی سے پکڑ کر رکھنا، یعنی اس پر مضبوطی سے قائم رہنا۔'' [1]

[1] جامع الترمذي، حديث: 2676، دیکھیے: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، ابو بکر صدیق، عمر بن خطاب، عثمان بن عفان اور علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم۔

50

دجّال

دجّال کا ظہور قربِ قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ دجّال ایک انوکھی طرز کا آدمی ہوگا جو اللہ کی مخلوق کے لیے بہت بڑا فتنہ بن کر آئے گا۔ اس میں خرقِ عادت (عادت اور فطرت کے خلاف انوکھے) کام کرنے کی بے پناہ طاقت ہوگی۔ اس کے بل بوتے پر وہ لوگوں کو بہ آسانی دھوکا دے سکے گا اور الٰہی صفات کا دعویٰ کر دے گا۔ اس کی دائیں آنکھ ناکارہ ہوگی جو نہ ابھری ہوگی اور نہ گہری ہوگی بلکہ انگور کے دانے کی طرح (بے نور) ہوگی، بائیں آنکھ پر گوشت پردے کی طرح لٹک رہا ہوگا اور دونوں آنکھوں کے درمیان تین حروف ''ک، ف، ر'' یعنی ''کافر'' لکھا ہوگا جسے ہر سچا مسلمان پڑھ سکے گا چاہے وہ ان پڑھ ہو یا پڑھا لکھا۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''میں سویا ہوا (خواب میں) کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ ایک صاحب (کو دیکھا) جو گندم گوں تھے اور ان کے (سر کے) بال سیدھے تھے اور سر سے پانی ٹپک رہا تھا۔ میں نے پوچھا: یہ کون ہیں؟ مجھے بتایا گیا کہ یہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام ہیں، پھر میں نے مڑ کر دیکھا تو ایک موٹے شخص پر میری نظر پڑی جو سرخ رنگ کا تھا، اس کے بال گھنگریالے تھے، ایک آنکھ سے کانا تھا، اس کی ایک آنکھ انگور کی طرح تھی۔ لوگوں نے بتایا کہ یہ دجّال ہے۔ اس کی شکل وصورت عبدالعزیٰ بن قطن سے بہت ملتی تھی۔''[1]

دجّال اصبہان کے محلّہ ''یہودیہ'' سے نکلے گا۔ اس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہوں گے اور چالیس دن زمین پر گزارے گا۔ اس کا ایک دن، سال کے برابر ہوگا۔ دوسرا دن مہینے کے برابر اور تیسرا دن ہفتے کے برابر ہوگا جبکہ اس کے بعد کے دن عام دنوں کے برابر ہوں گے۔ دجّال مکہ اور مدینہ میں داخل نہیں ہو سکے گا کیونکہ وہاں فرشتے پہرہ دے رہے ہوں گے، علاوہ ازیں مسجد طُور اور مسجد اقصیٰ میں بھی داخل نہیں ہو سکے گا۔ دجّال کے اکثر پیروکار یہودی اور گھٹیا قسم کے لوگ ہوں گے جن کی غالب اکثریت عورتوں اور دیہاتیوں پر مشتمل ہوگی۔

دجّال اس قدر برق رفتاری سے یوں حرکت کرے گا جیسے ایسی بارش جسے ہوا اڑائے لیے جا رہی ہو۔ ایک قوم کے پاس سے گزرے گا تو انھیں کہے گا: مجھ پر ایمان لے آؤ۔ وہ ایمان لے آئیں گے، چنانچہ وہ بادل کو حکم دے گا تو وہ لوگوں پر مینہ برسائے گا اور زمین خوب اپنے پھل پھول دے گی۔ اس قوم کے مویشیوں کی کوہانیں اونچی ہو جائیں گی، تھن بالائی بھرے دودھ سے بھر جائیں گے اور قد کاٹھ نکل آئیں گے، پھر دجّال ایک دوسری قوم کو دعوتِ ایمان دے گا جو اس کی بات نہیں مانے گی۔ دجّال کے وہاں سے جاتے

ہی اس قوم پر قحط سالی اور خشکی مسلط ہو جائے گی۔ ان کے مال مویشی میں سے کچھ بھی باقی نہ رہے گا۔ دجّال ایک ویرانے سے گزرے گا تو اسے حکم دے گا کہ اپنا خزانہ نکال، چنانچہ اس کا خزانہ شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے ہوگا، پھر دجّال ایک نوجوان کو بلا کر اسے تلوار سے آرے کی طرح چیر دے گا، پھر اسے بلائے گا تو وہ اس کے سامنے زندہ سلامت آجائے گا۔ [2]

نبی ﷺ نے فرمایا:

''جو نبی بھی مبعوث کیا گیا، اس نے اپنی قوم کو جھوٹے، کانے شخص سے ڈرایا۔ آگاہ رہو کہ وہ کانا ہے اور تمھارا رب کانا نہیں ہے اور اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ''کافر'' لکھا ہوا ہے۔'' [3]

دجّال کے ساتھ اس کی طرح کی جعلی جنت بھی ہوگی اور جہنم بھی۔ حقیقت میں اس کی جنت، جہنم ہوگی اور جہنم، جنت ہوگی۔ اسی طرح دجّال کے پاس بہتی ہوئی دو نہریں ہوں گی۔ ایک تو محض دیکھنے کی حد تک سفید پانی والی ہوگی جب کہ دوسری دیکھنے میں بھڑکتی ہوئی آگ دکھائی دے گی۔ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا کہ اگر (تم میں سے) کسی کو پالا پڑے تو اس کی اس نہر میں چلا جائے جو آگ دکھائی دے۔ آنکھیں بند کرے، سر جھکائے اور اس میں سے پی لے، وہی ٹھنڈا پانی ہوگا۔ [4]

یعنی دجّال چیزوں کو ان کی حقیقت سے الٹ دکھانے کا ماہر ہوگا۔

دجّال کی ہلاکت سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے ہوگی۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دمشق کی مسجد کے مشرقی مینار سے نزول فرمائیں گے۔ مومن آپ کے گرد جمع ہو جائیں گے جنھیں ساتھ لے کر سیدنا عیسیٰ علیہ السلام دجّال کے پیچھے نکلیں گے۔ دجّال اس وقت بیت المقدس کی طرف جا رہا ہوگا۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام ''بابِ لُد'' پر اسے پکڑ لیں گے اور اپنے چھوٹے نیزے سے اسے قتل کر ڈالیں گے۔ دجّال کا لشکر تتر بتر ہو جائے گا مگر مومن ان کا پیچھا کر کے انھیں ختم کر دیں گے۔ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

''جس شخص نے سورۂ کہف کی پہلی دس آیات کو محفوظ کر لیا (یاد کر لیں اور سمجھ کر ان پر عمل کیا)، اسے دجّال کے فتنے سے محفوظ کر دیا گیا۔'' [5]

---

[1] صحیح البخاري، حدیث: 7128. [2] صحیح مسلم، حدیث: 2937.
[3] صحیح البخاري، حدیث: 7131. [4] صحیح مسلم، حدیث: 2934.
[5] صحیح مسلم، حدیث: 809 دیکھیے: مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، عیسیٰ علیہ السلام اور قیامت کی بڑی نشانیاں۔

دعا

دعا ایسی درخواست ہے جو ایک بندہ اپنے رب کے سامنے پیش کرتا ہے۔ دعا دنیاوی فوائد کے لیے بھی کی جاسکتی ہے اور آخرت کے فوائد کے لیے بھی، مثلاً: دولت، کامیابی اور صحت وغیرہ کے لیے کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح مغفرت، دوزخ سے نجات اور جنت کے حصول وغیرہ کے لیے بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ صرف اسی سے دعا کریں اور جو کچھ چاہتے ہیں، اسی سے مانگیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اور تمھارے رب نے کہا ہے کہ تم مجھے پکارو، میں تمھارے لیے (تمھاری دعائیں) قبول کروں گا۔'' [1]

چند اوقات ایسے بھی ہیں جن میں مانگی ہوئی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ احادیث میں دعا کی قبولیت کے یہ اوقات بتائے گئے ہیں: رات کا آخری حصہ، اذان اور اقامت کے درمیان کا وقت، جمعے کے روز کی ایک گھڑی جس میں دعا قبول کی جاتی ہے، جس وقت آدمی سجدے میں ہوتا ہے، عرفہ کے دن، رات کو سوتے میں آنکھ کھل جانے پر، فرض نماز کی ادائیگی کے بعد، اذان کے بعد، اسی طرح میدانِ جنگ میں، لیلۃ القدر میں اور دورانِ بارش مانگی جانے والی دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ توبہ کرنے والے کی دعا رات یا دن کی ہر گھڑی میں قبول کی جاتی ہے۔

جن لوگوں کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے، وہ مندرجہ ذیل ہیں: مظلوم، مسافر، باپ کی دعا بیٹے کے
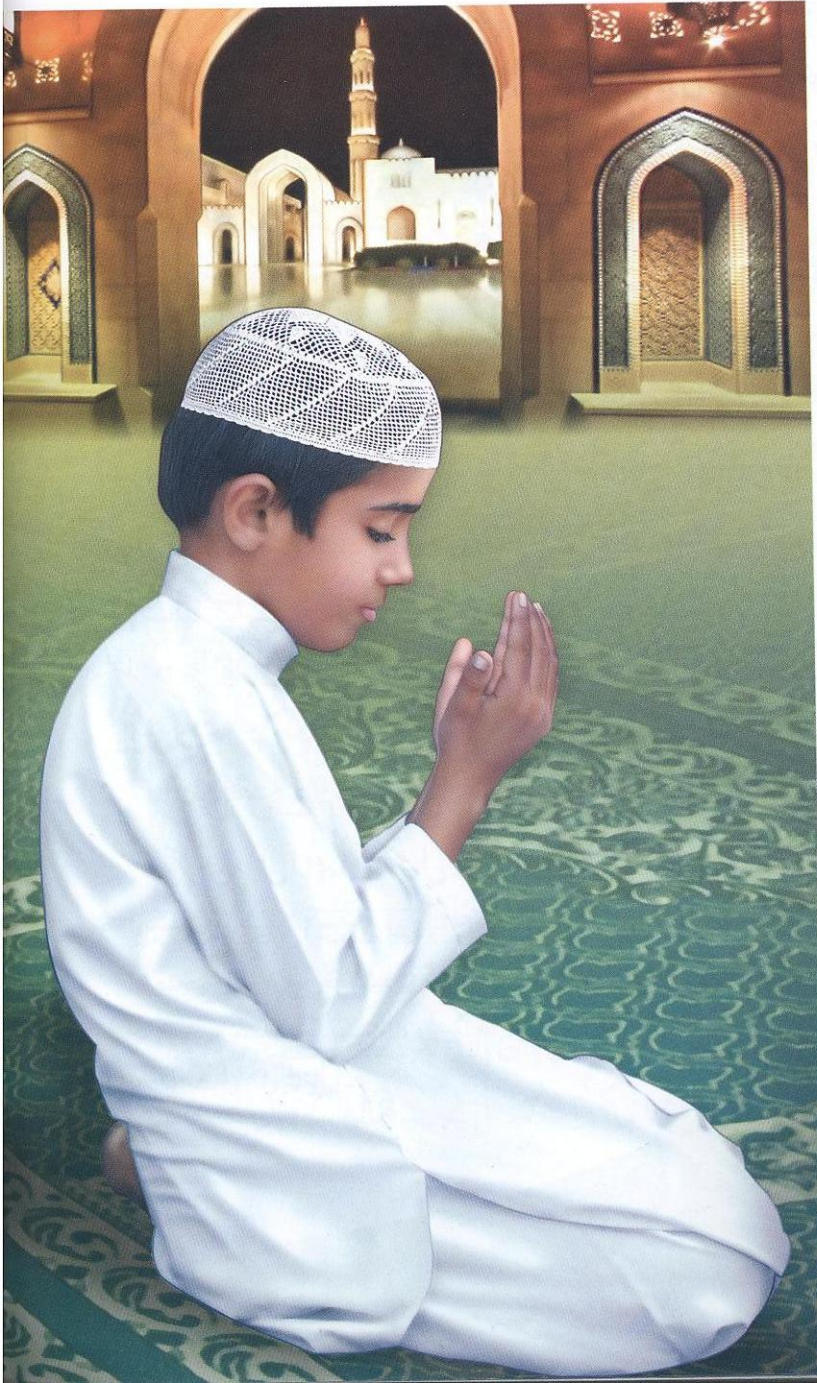
حق میں، غازی، حج اور عمرہ کرنے والا، نیک اولاد کی دعا والدین کے حق میں، روزہ دار اور بیمار کی دعا۔ اسی طرح خوشحالی اور فراغت میں دعا کرنے والے کی تنگی اور مصیبت کے وقت بھی دعا قبول ہوتی ہے، نیز مسلمان بھائی کے لیے اس کی عدم موجودگی میں مانگی گئی دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے۔

دعا کے آداب یہ ہیں: دعا کرنے والے کا رزق حلال کا ہو۔ دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی جائے، پھر رسول اللہ ﷺ پر درود بھیجا جائے۔ اپنے گناہوں سے توبہ کی جائے اور گناہوں کا اعتراف کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں پر اس کا شکر ادا کیا جائے۔ پہلے اپنے لیے دعا مانگی جائے، بعد میں دوسروں کے لیے دعا کی جائے۔ مسنون دعاؤں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے مانگا جائے اور دعا کا اختتام بھی درود پر کیا جائے۔ دعا پورے عجز وانکسار کے ساتھ مانگی جائے، اپنی حاجات کا بار بار ذکر کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کے پاک ناموں اور صفات کے واسطے سے مانگا جائے، دعا کرنے والا اپنے نیک اعمال کا بھی ذکر کرسکتا ہے جو اس نے فی الواقع کیے ہیں۔ بہتر ہے کہ دعا قبلہ رو ہوکر مانگی جائے۔ باوضو ہوکر اور ہاتھ بلند کر کے اللہ تعالیٰ سے مانگنے تو زیادہ بہتر ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے وقت بندگی کی حدود سے تجاوز نہ کیا جائے اور ناجائز، غیر فطری اور غیر طبعی دعائیں نہ کی جائیں، مثلاً: پیغمبر بنائے جانے کی دعا یا ہمیشہ زندہ رہنے کی دعا کرنا۔ دعا کرنے والے کو صابر ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے فوری جھٹ پٹ جواب کی توقع نہیں کرنی چاہیے، اگرچہ وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے لیکن اگر کسی حکمت کی وجہ سے فوری طور پر دعا قبول نہ ہو تو بھی بددل یا ناامید نہیں ہونا چاہیے، صبر سے کام لیا جائے اور بار بار مانگا جائے یہاں تک کہ نتائج دکھائی دینے لگیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''بندے کی دعا اس وقت تک قبول کی جاتی ہے جب تک وہ گناہ اور قطع رحمی کی دعا نہیں مانگتا یا جلدی نہیں کرتا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! جلدی کرنا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا:

''دعا مانگنے والا کہے کہ میں نے دعا مانگی، پھر مانگی لیکن مجھے دعا قبول ہوتی نظر نہیں آتی اور اس پر تھک ہار کر دعا کرنا چھوڑ دے۔'' [2]

بندے کو سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کی دعا کو قبول کرنے پر خوب قادر ہے، وہی ہے جو اس کے لیے بھلائی کرنے والا ہے۔ اسے لازماً اللہ ہی سے مانگنا چاہیے، کسی غیر سے نہیں۔ بندے کو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ دعا میں مشروط جملہ شامل نہ ہو، مثلاً: اے اللہ! اگر تو چاہے تو میرے گناہ معاف کردے، بلکہ دوٹوک الفاظ میں دعا مانگنی چاہیے۔

انسان اپنی شدید خواہش کے پیش نظر اپنی دعا کے من وعن قبول ہو جانے کا خواہش مند ہوتا ہے جبکہ اسے پتہ نہیں ہوتا کہ اس کا زیادہ فائدہ کسی اور چیز میں ہے جو صرف اللہ کو معلوم ہے۔ اسے یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ اس کی اس وقت خواہش پوری ہو جائے تو انجامِ کار اس کے لیے کوئی غیر متوقع مشکل کھڑی ہو سکتی ہے، لہٰذا انسان کو چاہیے کہ وہ دعا مانگے اور یہ فیصلہ اللہ پر چھوڑ دے کہ وہ

اسی طرح اس کی خواہش پوری کرتا ہے جس طرح اس نے مانگا یا کسی اور بہتر طریقے سے اسے نوازتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ اللہ سے دعا کرتا ہے جس میں گناہ یا قطع رحمی کی بات نہ ہو تو اللہ تعالیٰ تین باتوں میں سے ایک ضرور اسے عطا کر دیتا ہے:

- دعا کے مطابق اس کی خواہش پوری کر دیتا ہے۔
- یا اس کی دعا کو آخرت کے لیے ذخیرۂ اجر بنا دیتا ہے۔
- یا مانگی جانے والی چیز کے برابر کوئی مصیبت اس سے ٹال دیتا ہے۔ [3]

[1] المؤمن 60:40.
[2] صحیح مسلم، حدیث: 2735.
[3] مسند أحمد: 3/18، دیکھیے: عرفات، اذان و اقامت اور لیلۃ القدر۔

52

ذِکرِ الٰہی

ذکر کے معنی ہیں، اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا اور یاد رکھنا۔ ذکر زبان سے بھی کیا جاتا ہے اور دل سے بھی۔ بہترین ذکر وہ ہے جو بیک وقت دل سے بھی کیا جائے اور زبان سے بھی۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ذکر کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا ہے:

''اے ایمان والو! تم اللہ کو کثرت سے یاد کرو اور تم صبح وشام اس کی پاکیزگی بیان کرو۔'' [1]

نبیِ اکرم ﷺ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''میں اپنے بندے کے اس یقین کے مطابق ہوں جو وہ میرے متعلق رکھتا ہے اور میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں۔ اگر وہ مجھے کسی محفل میں یاد کرے تو میں اسے ایسی محفل میں یاد کرتا ہوں جو اس کی محفل سے بہتر ہے۔ اگر وہ ایک بالشت میرے قریب آئے تو میں ایک ہاتھ اس کے قریب آتا ہوں اور اگر وہ ایک ہاتھ میرے قریب آئے تو میں اس کے دونوں بازوؤں کے پھیلاؤ کے برابر اس کے قریب آتا ہوں۔ اگر وہ چلتا ہوا میرے پاس آئے تو میں دوڑ کر اس کے پاس آتا ہوں۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ نے ایک مرتبہ اپنے صحابہ سے کہا:

''کیا میں تمھیں ایسا عمل نہ بتاؤں جو تمھارے سب اعمال سے بہتر ہے، تمھارے سب سے بڑے شہنشاہ کے ہاں سب سے زیادہ پاکیزہ ہے، تمھارے درجات کو سب سے زیادہ بلند کرنے والا ہے، تمھارے لیے سونا اور چاندی کے صدقہ کرنے سے زیادہ بہتر ہے اور تمھارے لیے اس سے بھی بہتر ہے کہ تمھارا مقابلہ دشمن کے ساتھ ہو اور تم ان کی گردنیں اڑاؤ اور وہ تمھاری گردنیں اڑائیں؟'' صحابہ نے عرض کی کیوں نہیں! (ایسا عمل تو ضرور بتائیں) آپ نے فرمایا:

''اللہ کا ذکر کرنا۔'' [3]

نبیِ اکرم ﷺ ہمہ وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے تھے۔ ذکر کا سب سے عمدہ طریقہ نماز ہے۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے: ''میرے ذکر کے لیے نماز قائم کرو۔'' [4] نماز ذکر الٰہی کی کامل ترین صورت ہے۔ نبی ﷺ نماز کے علاوہ بھی ہر موقع پر اللہ کا ذکر خوبصورت کلمات سے کرتے۔ سونے سے پہلے، نیند سے بیدار ہونے پر، قضائے حاجت سے پہلے، اس سے فارغ ہوکر پاک صاف ہونے کے بعد، گھر سے نکلتے ہوئے، بازار میں داخل ہوکر، غرضیکہ ہر وقت اپنے رب کو یاد کرتے رہتے تھے۔ اس ترقی یافتہ دور میں ہمیں

بے شمار سہولتیں میسر ہیں۔ ہمیں اس وقت بعض چھوٹے چھوٹے کارڈ بھی آسانی سے مل جاتے ہیں جن پر مختلف اذکار لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ ہم ان اذکار کو زبانی یاد کرلیں اور رسول اللہ ﷺ کی اس سنت پر عمل پیرا ہو جائیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ میں:

سُبْحَانَ اللّٰهِ

''اللہ پاک ہے۔''

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ

''سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔''

وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

''اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں۔''

وَاللّٰهُ اَكْبَرُ

''اللہ سب سے بڑا ہے۔''

کہوں تو یہ عمل میرے لیے ان تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے جن پر سورج طلوع ہوتا ہے، یعنی یہ کلمات کہنا ساری دنیا کی نعمتوں سے زیادہ محبوب ہے۔''[5]

اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کے بے شمار فضائل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو کوئی دن بھر میں سو مرتبہ یہ دعا پڑھے:

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ

''اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اسی کے لیے بادشاہی اور اختیار ہے اور اسی کے لیے سب تعریف ہے اور وہ ہر چیز پر بخوبی قادر ہے۔''

تو اُسے دس غلاموں کو آزاد کرنے کے برابر ثواب ملے گا۔ اس کے نامۂ اعمال میں سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور سو برائیاں مٹا دی جاتی ہیں، اس روز شام تک یہ کلمات اس کے لیے شیطان سے بچاؤ کا ذریعہ ہوتے ہیں اور کوئی شخص اس سے بہتر عمل پیش نہیں کرتا سوائے اس کے جو اس سے بھی زیادہ بار یہ کلمات کہے۔''[6]

---

[1] الأحزاب 42,41:33. [2] صحيح البخاري، حديث: 7405. [3] جامع الترمذي، حديث: 3377. [4] طٰهٰ 14:20.
[5] صحيح مسلم، حديث: 2695. [6] صحيح البخاري، حديث: 3293، دیکھیے: تسبیح اور تکبیر۔

رسول

رسول وہ شخص ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنا پیغام پہنچانے کے لیے چُن لیتا ہے اور اسے اپنے قوانین سے آگاہ کرتا ہے اور حکم دیتا ہے کہ یہ سب باتیں لوگوں تک پہنچائی جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے رسولوں کو واضح نشانیوں کے ساتھ بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو اس کے زمانے کے حالات کے مطابق جو نشانیاں عطا کیں، وہ معجزے کہلائے۔ مقصد یہ تھا کہ ان کے ذریعے سے اس کے پیغام کی صداقت اور عظمت نمایاں ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادوگری کا بڑا زور تھا، انھیں ایسا معجزہ عطا کیا گیا جس کے سامنے بڑے بڑے جادوگر اپنا کرتب دکھانے میں ناکام رہے جس سے ان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صداقت واضح ہوگئی اور وہ ایمان لے آئے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں طب کا بڑا چرچا تھا، چنانچہ انھیں اللہ کے حکم سے مُردے کو زندہ کرنے، مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کر دینے کا معجزہ عطا کیا گیا۔

پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں شعر و ادب اور فصاحت و بلاغت کا زور تھا، چنانچہ انھیں قرآن مجید جیسا فصیح و بلیغ معجزہ عطا کیا گیا جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا بھر کے فصحاء، بلغاء، ادباء اور شعراء عاجز رہے اور اللہ تعالیٰ کے چیلنج کے باوجود آج تک عاجز ہیں اور قیامت تک عاجز رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ نے سب پیغمبروں کو ایک ہی پیغام دے کر بھیجا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

”اور یقیناً ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو۔“ [1]

طاغوت سے مراد ہر وہ چیز یا شخص ہے جس کی اللہ تعالیٰ کے علاوہ بندگی کی جائے۔ ایمان کے چھ اجزا میں سے ایک جز اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے رسولوں پر ایمان لانا ہے۔ جو کوئی ان چھ اجزا میں سے ایک کا بھی انکار کرے، وہ کافر قرار پاتا ہے۔

1 النحل 36:16۔ دیکھیے: نبی اور ایمان۔

54
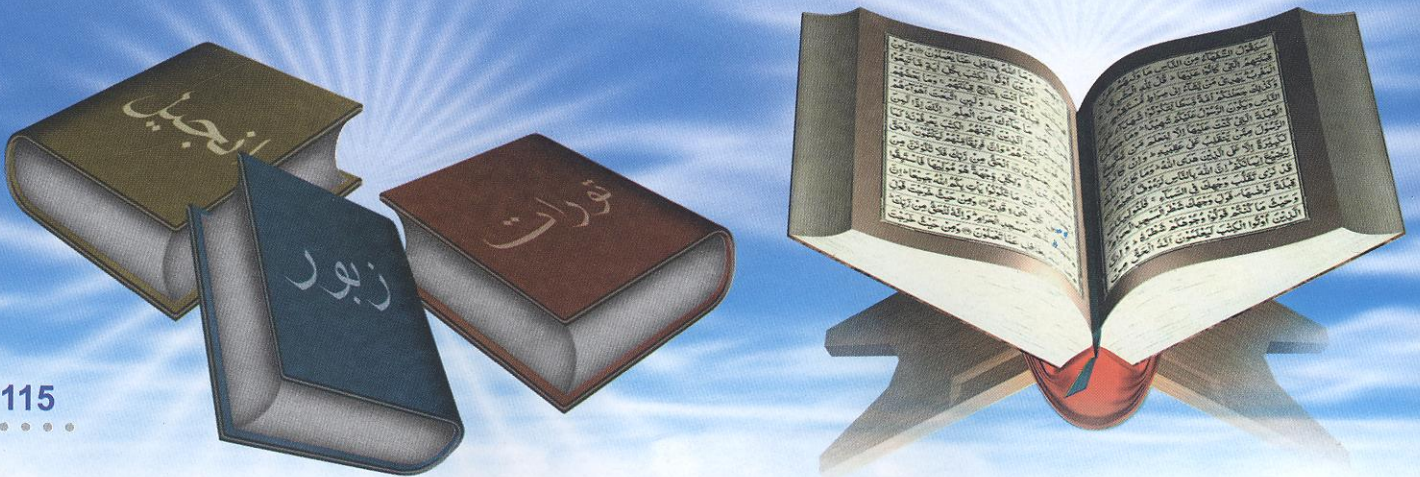
رکعت

ہر نماز دو، تین یا چار رکعتوں کا مجموعہ ہوتی ہے۔ رکعتوں کو نماز کی اکائیاں بھی کہا جاسکتا ہے۔ ہر اکائی یا رکعت کئی حالتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ پہلی حالت کھڑے ہونے کی ہے جسے قیام کہتے ہیں۔ دوسری حالت اس طرح جھکنے کی ہوتی ہے کہ ہتھیلیاں گھٹنوں پر رکھی ہوں گویا کہ گھٹنوں کو پکڑا ہوا ہے، اسے رکوع کہتے ہیں، پھر سیدھے ہوکر کھڑے ہوجانے کی حالت ہے، اسے قومہ کہتے ہیں۔ بعد میں دونوں گھٹنے، دونوں پاؤں کے پنجے، ہتھیلیاں، پیشانی اور ناک زمین پر رکھنے کی کیفیت ہوتی ہے، اسے سجدہ کہتے ہیں۔ ایک رکعت میں سجدہ دو مرتبہ کیا جاتا ہے۔
ان اکائیوں (رکعتوں) کے مجموعے کو نماز کہا جاتا ہے۔ ہر نماز کی فرض رکعتوں کی تعداد یوں ہے:

- نماز فجر .... دو رکعتیں
- نماز ظہر .... چار رکعتیں
- نماز عصر .... چار رکعتیں
- نماز مغرب .... تین رکعتیں
- نماز عشاء .... چار رکعتیں

دیکھیے: نماز۔

2
1
4
3
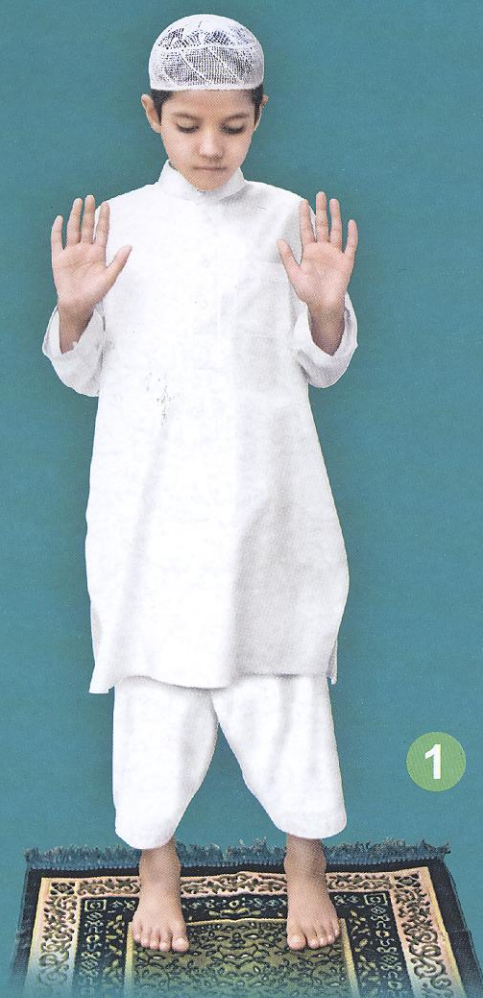
رکوع

رکوع، نماز کے دوران میں قیام کے بعد جُھکنے کو کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں کو مضبوطی کے ساتھ گھٹنوں پر رکھا جائے۔ ہاتھوں کی انگلیاں کشادہ ہوں، دونوں ہاتھوں (بازوؤں) کو تان کر رکھیں اور کُہنیاں کھلی اور سیدھی ہوں اور پہلوؤں سے الگ ہوں، یعنی پہلوؤں کو چھو نہ رہی ہوں۔ کمر بالکل سیدھی ہو اور سر پیٹ کے برابر ہو، یعنی سر نہ تو اونچا ہو اور نہ نیچا ہو۔

رکوع میں قرآن مجید کی تلاوت کی اجازت نہیں ہے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی عظمت کے اقرار کے الفاظ کہے جائیں۔

نبیِ کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''خبردار! مجھے رکوع اور سجدے میں قرآن مجید کی تلاوت کرنے سے منع کیا گیا ہے، پس تم رکوع میں اپنے رب کی عظمت بیان کرو اور سجدے میں خوب دعا مانگو، بہت ممکن ہے کہ تمھاری دعا قبول کی جائے۔'' [1]

رکوع میں نبیِ کریم ﷺ سے متعدد دعائیں ثابت ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی ﷺ رکوع میں یہ دعا پڑھتے تھے:

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ

''میرا رب عظیم (ہر عیب سے) پاک ہے۔'' [2]

رکوع میں یہ دعا پڑھنا بھی آپ سے ثابت ہے:

سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهِ

''اللہ (ہر عیب سے) پاک ہے، ہم اس کی تعریف کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔'' [3]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ نبیِ کریم ﷺ اپنے رکوع اور سجدے میں اکثر کہتے تھے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي

''میں تیری تسبیح کرتا ہوں اے میرے اللہ، اے ہم سب کے پالنے والے اور تیری حمد کرتا ہوں، اے میرے اللہ! مجھے بخش دے۔'' [4]
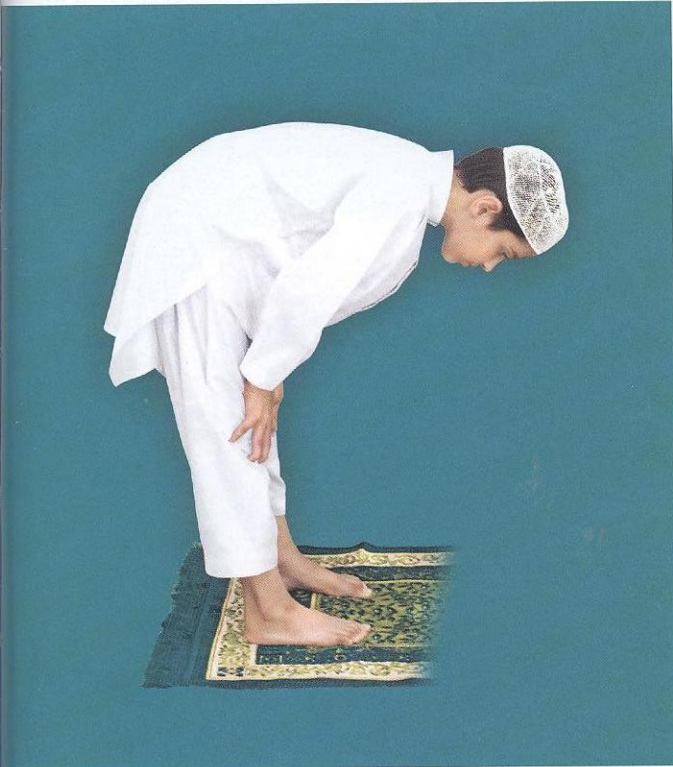
[1] صحيح مسلم، حديث: 479.
[2] صحيح مسلم، حديث: 772.
[3] سنن أبي داود، حديث: 885.
[4] صحيح البخاري، حديث: 794، دیکھیے: نماز اور سجود۔

56

رمضان المبارک

رمضان المبارک اسلامی سال کا نواں مہینہ ہے جس میں ہر روز اذانِ فجر سے لے کر غروب آفتاب تک روزہ رکھا جاتا ہے۔اس ماہ کے روزے رکھنا اسلام کے پانچ ارکان میں سے ایک رکن ہے۔اس مہینے میں روزے رکھنے کے فوائد اور فضائل لاتعداد ہیں جن کا صحیح احادیث میں ذکر آتا ہے۔ان میں سے کچھ یہ ہیں۔فرمان نبوی ہے:

- ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! روزے دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ پسندیدہ اور پاکیزہ ہے۔'' [1]
- روزے دار کے لیے دو خوشیاں ہیں۔ایک خوشی اس وقت جب وہ افطار کرتا ہے اور (دوسری خوشی اس وقت) جب وہ اپنے رب سے ملاقات کرے گا (تو اپنے روزے کا ثواب پانے پر خوش ہوگا۔) [2]
- جنت کے ایک دروازے کا نام ''الریّان'' ہے۔قیامت کے دن اس دروازے سے صرف روزے دار ہی جنت میں داخل ہوں گے، ان کے سوا اور کوئی اس میں سے داخل نہیں ہوگا۔(اس دن) پکارا جائے گا کہ روزے دار کہاں ہیں؟ وہ کھڑے ہو جائیں گے، ان کے سوا اس دروازے سے کوئی اور اندر نہیں جانے پائے گا اور جب یہ لوگ اندر چلے جائیں گے تو یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا، پھر اس سے کوئی اور اندر نہیں جا سکے گا۔ [3]
- اس مہینے میں آسمان کے دروازے کھول دیے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیے جاتے ہیں اور شیطانوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا جاتا ہے۔ [4]
- اللہ تعالیٰ نے روزے کو اپنے لیے مخصوص کر لیا ہے اور اس کا اجر وہ خود دے گا۔یہ اجر بے حدو بے حساب ہوگا۔ایک حدیث قدسی میں ہے کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

  ''ابن آدم کا ہر عمل اس کے لیے ہے، سوائے روزے کے، وہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا۔'' [5]
- لیلۃ القدر، جس کی عبادت ہزار مہینوں کی عبادت سے زیادہ افضل ہے، اسی مہینے میں آتی ہے۔نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

  ''جو شخص ایمان کی حالت میں، ثواب کی نیت سے اس رات کا قیام کرے تو اس کے گزشتہ (بعض روایتوں میں ہے کہ اگلے پچھلے) گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔'' [6]
- اللہ تعالیٰ ماہِ رمضان میں لوگوں کو جہنم سے آزاد کرتا ہے۔اور ہر رات اسی طرح ہوتا ہے۔ [7]

یہ ایک حقیقت ہے کہ ماہ رمضان ایک تعلیمی سیشن کی مانند ہے جو نیکی اور تقویٰ سکھاتا ہے کیونکہ جب کوئی شخص روزہ

شَهۡرُ رَمَضَانَ الَّذِیۡۤ اُنۡزِلَ فِیۡهِ الۡقُرۡاٰنُ
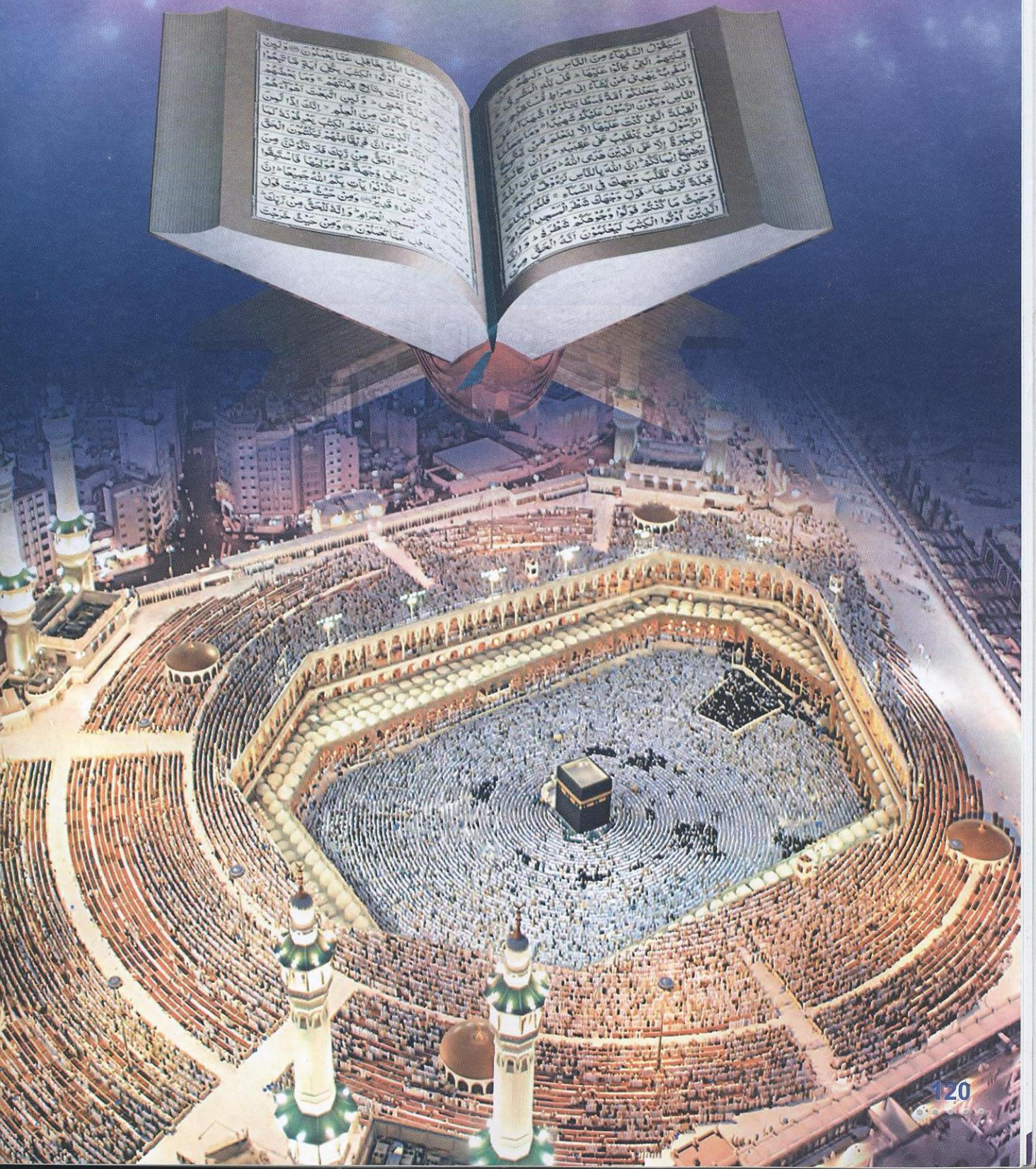
رکھتا ہے تو وہ نہ صرف کھانے پینے اور جائز جنسی تعلقات سے گریز کرتا ہے بلکہ اپنی بہترین مساعی بروئے کار لا کر ہر اس فعل سے بچتا ہے جس سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

''اگر تم میں سے کوئی روزے سے ہو تو اسے فحش گوئی نہیں کرنی چاہیے اور نہ شور وغل ہی کرنا چاہیے۔ اگر کوئی شخص اسے گالی دے یا لڑنا چاہے تو اسے صرف یہ کہنا چاہیے: میں روزے سے ہوں۔''[8]

نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

''جو شخص (روزہ رکھ کر بھی) جھوٹ بولنا اور دغا بازی نہ چھوڑے تو اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑ دے۔''[9]

اللہ تعالیٰ جو اس ساری کائنات کا مالک، قادرِ مطلق اور علیم وبصیر ہے، اس نے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور وہی جانتا ہے کہ اس کی مخلوق کے لیے کیا چیز بہتر ہے۔ اس نے جو احکامات دیے ہیں، ان میں ہماری بہت سی بھلائیاں مضمر ہیں۔ ہم اپنی محدود سوچ کی وجہ سے ممکن ہے کہ انھیں محسوس نہ کر سکیں مگر وہ لازماً موجود ہیں۔ ہمیں اطاعت گزار بندوں کی طرح اس کے تمام احکامات کی تعمیل کرنی چاہیے اور ان کاموں اور ظاہری فائدوں سے دور رہنا چاہیے جن سے اس نے ہمیں دور رہنے کے لیے کہا ہے۔ اگر ہم مکمل اطاعت کے جذبے سے اس کے احکامات کی پیروی کریں گے تو فوائد اپنے آپ ہمارے حصے میں آ جائیں گے۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''اور تمھارا روزہ رکھنا تمھارے لیے بہت بہتر ہے اگر تم جانو۔''[10]

---

1 صحيح البخاري، حديث: 1894.   2 صحيح البخاري، حديث: 1904.   3 صحيح البخاري، حديث: 1896.

4 صحيح البخاري، حديث: 1899.   5 صحيح البخاري، حديث: 1904.   6 صحيح البخاري، حديث: 2014.

7 جامع الترمذي، حديث: 682.   8 صحيح البخاري، حديث: 1904.   9 صحيح البخاري، حديث: 1903.

10 البقرة 2:184، دیکھیے: روزہ، لیلۃ القدر اور اعتکاف۔

روزہ

روزے کو عربی میں صوم کہتے ہیں۔ اس کی جمع صیام ہے۔ صوم کے لغوی معنی ہیں: رکنا، خاموش ہونا، اور اس کے شرعی معنی ہیں: اذانِ فجر سے لے کر غروبِ آفتاب تک کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات قائم کرنے جیسے جائز اور ہر ناجائز کام سے، اللہ کی رضا کے لیے رکے رہنا۔

روزہ ایک منفرد اخلاقی اور روحانی کیفیت کا نام ہے۔ روزے کی حالت میں کھانے پینے سے پرہیز کا مقصد بندوں کو خواہشات پر قابو پانے کا اہل بنانا اور ان میں تقویٰ اور پرہیزگاری کے اوصاف پیدا کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر اسی طرح روزے فرض کیے گئے ہیں جس طرح ان لوگوں پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔'' [1]

روزہ رکھنے سے اہل ایمان کو اپنی شخصیت اور کردار مضبوط بنانے میں مدد ملتی ہے۔ اس سے ان کا عزم پختہ تر ہوتا ہے اور ان کے دلوں میں غریبوں اور ناداروں کے ساتھ ہمدردی کے جذبات بھی بڑھ جاتے ہیں کیونکہ جب روزے کے دوران میں انھیں بھوک اور پیاس ستاتی ہے تو انھیں پتہ چل جاتا ہے کہ بھوک اور پیاس کے عالم میں انسانوں کے جذبات کیسے ہوتے ہیں۔ بھوک ایک روزہ دار کو اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا احساس دلاتی ہے جو اس نے انسان کو بھوک پیاس مٹانے کے لیے عطا کی ہیں۔ اس سے انسان کے دل میں عنایاتِ ربّانی پر تشکر کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

روزہ بندے میں صبر کو مضبوط کرتا ہے۔ قوتِ برداشت کو بڑھاتا ہے۔ روزے سے پیدا ہونے والی قوتِ مزاحمت جسم کو کئی بیماریوں سے بچاتی ہے۔ اس سے روزہ دار کے نظامِ ہضم پر بوجھ میں کمی آجاتی ہے اور اس کا جسم اندر جمع شدہ فالتو مادوں سے بھی نجات پالیتا ہے۔ عام دنوں میں فالتو مادے کم ہونے کے بجائے بڑھتے چلے جاتے ہیں اور جسم کئی قسم کی بیماریوں کی آماجگاہ بنا رہتا ہے۔ جب ماہ رمضان کے روزے رکھے جاتے ہیں تو ایک خودکار نظام کے ذریعے سے ان مضر مادوں سے نجات مل جاتی ہے۔ مغرب کے بعض لوگوں نے روزوں کو اس کام کے لیے مفید پاکر انھیں بطور علاج اپنا لیا ہے۔

رمضان المبارک میں اہل ایمان کو کھانے پینے اور ازدواجی تعلقات کی لذتوں سے بھی اجتناب کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی قربت اور خوشنودی تو یقیناً حاصل ہوتی ہی ہے۔ انھیں چاہیے کہ وہ ان کے ذریعے سے تقویٰ اور پرہیزگاری کے اعلیٰ مدارج طے کرنے کی بھی کوشش کریں۔ اس کے لیے ذیل کے معمولات اختیار کیے جائیں تو بہت مفید ثابت ہوسکتے ہیں:

- جونہی سورج غروب ہو، روزہ افطار کر دینا چاہیے اور دیر نہیں کرنی چاہیے کیونکہ انسانوں کے ساتھ رحمت کی وجہ سے

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ
عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ
عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ
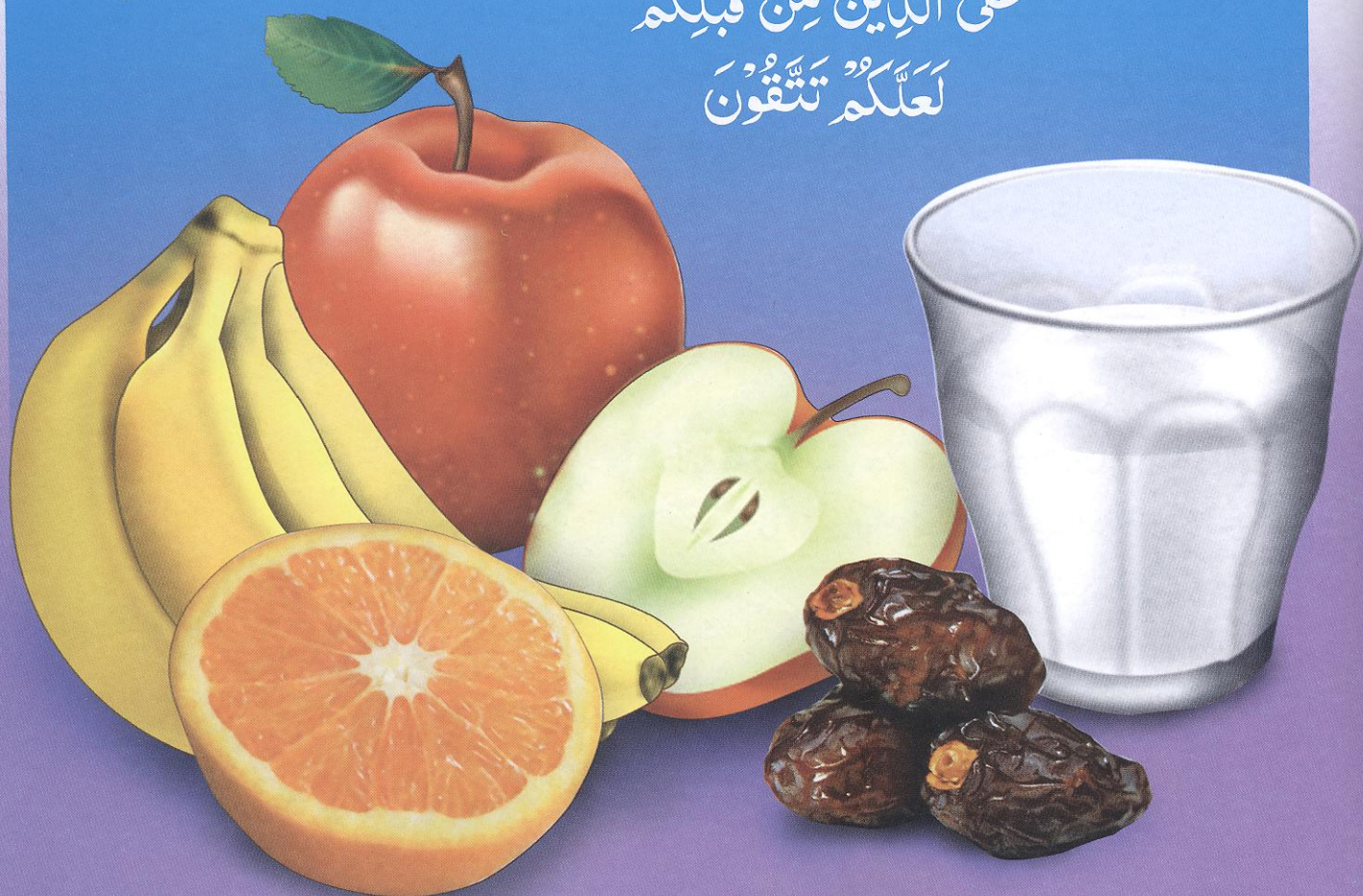
رسول اللہ ﷺ نے روزہ جلد افطار کرنے کا حکم دیا ہے۔

- روزہ تازہ یا خشک کھجوروں سے افطار کریں۔ اگر کھجوریں میسر نہ ہوں تو پانی سے افطار کرنا چاہیے۔
- افطاری کے وقت خشوع وخضوع سے دعا مانگنی چاہیے کیونکہ وہ قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔
- سحری ضرور کھانی چاہیے۔ نبیِ اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

"سحری کھایا کرو کیونکہ سحری کے کھانے میں برکت ہوتی ہے۔" [2]

نبیِ کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

"ہمارے روزے اور اہل کتاب کے روزے کے درمیان سحری کھانے کا فرق ہے۔" [3]

رمضان کے روزے رکھنا تمام عاقل، بالغ اور صحت مند لوگوں پر فرض ہے، البتہ جو لوگ بیمار ہوں یا سفر پر ہوں، وہ روزے کو مؤخر کر سکتے ہیں۔

---

[1] البقرة 2:183۔ [2] صحیح مسلم، حدیث: 1095۔

[3] صحیح مسلم، حدیث: 1096، دیکھیے: رمضان المبارک، تقویٰ، نفلی روزے اور اہل کتاب۔

زکاۃ

زکاۃ عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی پاکیزگی، برکت اور بڑھوتیری کے ہیں، یعنی زکاۃ دینے والے شخص کا بقیہ مال پاک ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت ڈال دیتا ہے اور اس میں اضافہ کرتا ہے۔ شرعی طور پر زکاۃ اسلام کا تیسرا رکن ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر رکھی گئی ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں اور بلاشبہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، نماز قائم کرنا، زکاۃ ادا کرنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور ماہِ رمضان کے روزے رکھنا۔'' [1]

زکاۃ ہر اس مسلمان پر فرض ہے جس کے پاس اسلام کی مقرر کردہ کم از کم مالیت پورے ایک سال تک موجود رہے۔ وہ اپنے مال میں سے چالیسواں حصہ (2.5 فیصد) ان لوگوں کو دے جن کا ذکر قرآن میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''زکاۃ تو صرف فقیروں اور مسکینوں اور ان اہلکاروں کے لیے ہے جو اس (کی وصولی) پر مقرر ہیں اور ان کے لیے جن کی دلداری مقصود ہے اور گردنیں چھڑانے اور قرض داروں (کے قرض اتارنے) کے لیے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی مدد) کے لیے، (یہ) اللہ کی طرف سے فرض ہے اور اللہ خوب جاننے والا، خوب حکمت والا ہے۔'' [2]

زکاۃ غریبوں اور ضرورت مندوں کے ساتھ اظہارِ شفقت کا ایک بھرپور مظاہرہ ہے۔ اس سے ناداروں کو اپنی ضروریات پوری کرنے اور قرضے وغیرہ ادا

کرنے میں مدد ملتی ہے۔ زکاۃ کے ذریعے سے دل خود غرضی اور ہوسِ دولت کی ناپاکی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ زکاۃ جسے دی جاتی ہے، اس کے دل سے بھی حسد اور نفرت کے جذبات دور ہو جاتے ہیں۔ اس کے دل میں زکاۃ دینے والے کے بارے میں خیر سگالی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں، اور اہل ایمان کے دلوں میں فیاضی اور ہمدردی جنم لیتی ہے۔ ان میں خود غرضی اور دولت کے ساتھ محبت کم ہو جاتی ہے۔ زکاۃ بہت سی سماجی برائیوں کو دور کرنے میں مدد دیتی ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے:

''اور جو اپنے دل کے لالچ سے بچا لیے گئے، وہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔''[3]

دین اسلام واضح طور پر حکم دیتا ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں مرکوز نہ ہونے دی جائے اور اسے مسلسل گردش میں رکھا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام سودی قرضوں کی ممانعت کرتا ہے جن کی مدد سے چند مکار افراد معاشرے کی دولت کے بڑے حصے کو اپنی مٹھی میں لے لیتے ہیں۔ اسلام نے اس دولت کو بذریعۂ وراثت تقسیم کرنے کے لیے قوانین دیے ہیں۔ قانونِ وراثت کسی شخص کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ ساری جائداد کو متعدد وارثوں میں سے کسی ایک وارث کے حوالے کر دے اور باقی افراد کو محروم کر دے یا ان میں سے چند وارثوں کو ان کے اصل حق سے زیادہ دے دے اور دوسروں کو کم دے۔ اس کے لیے مُنصفانہ تقسیم کا ایک قاعدہ مقرر کر دیا گیا ہے۔

اسلام نے تمام سرکاری آمدنیوں اور وسائل پر غریبوں اور ناداروں کو اولین حق دیا ہے۔ اس طرح عوام کے سب طبقوں کی خوشحالی کا بندوبست کر دیا گیا ہے۔

زکاۃ اور خیرات دینے والے آدمی سے کہا گیا ہے کہ وہ ایسے نیک کام کرتے ہوئے، ان لوگوں پر اپنی فیاضی کی دھاک بٹھانے کی کوشش نہ کرے جنھیں زکاۃ دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اچھی بات کہنا اور معاف کرنا اس صدقے سے بہتر ہے جس کے بعد دکھ دیا جائے اور اللہ بے پروا، نہایت بردبار ہے۔''[4]

مومن اپنے مال کا ایک حصہ صرف اللہ کی رضا کی خاطر کسی مستحق کو دیتا ہے اور اس کے عوض کسی قسم کے دنیاوی فائدے کی توقع نہیں رکھتا، نیز وہ جانتا ہے کہ ساری دولت اللہ کی ہے جس نے اسے یہ دولت دوسروں سے پہلے عطا کر دی ہے، اس لیے وہ اپنی محنت سے کمائی ہوئی دولت کو خوش دلی سے تقسیم کرتا ہے اور یہ امید رکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے نہ صرف اس سے زیادہ واپس لوٹا دے گا بلکہ اپنا حکم ماننے پر مزید اجر بھی عطا کرے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور تم جو چیز بھی خرچ کرتے ہو تو وہ اس کا عوض دیتا ہے اور وہی سب سے بہتر رزق دینے والا ہے۔''[5]

اللہ تعالیٰ یہ بھی کہتا ہے:

''بلاشبہ جو لوگ کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے انھیں دے رکھا ہے، اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ طور پر خرچ کرتے ہیں، وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے ہیں جو ہرگز تباہ نہیں ہوگی۔''[6]

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 8. [2] التوبة 60:9. [3] الحشر 9:59. [4] البقرة 263:2. [5] سبا 39:34.
[6] فاطر 29:35، دیکھیے: اسلام، سود اور صدقہ۔

زم زم

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی ہاجرہ علیہا السلام اور شیر خوار بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو لے کر اس ویران و بنجر وادی میں آئے جسے آج مکہ مکرمہ کہتے ہیں تو ان کے پاس صرف ایک تھیلا بھر کھجوریں اور پانی سے بھرا ہوا ایک پرانا مشکیزہ تھا۔ وہ اللہ کے حکم سے اس سامان کو ان دونوں کے پاس چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ جب پانی استعمال ہوتے ہوتے ختم ہو گیا تو ہاجرہ علیہا السلام اپنے بیٹے کے لیے بہت پریشان ہوئیں۔ وہ ایک پہاڑی صفا پر چڑھیں تاکہ دیکھیں وہاں کوئی ہے جس سے پوچھیں کہ پانی کہاں سے ملے گا، پھر وہ جلدی سے اتر کر کچھ فاصلے پر ایک اور پہاڑی مَروہ کی چوٹی تک گئیں کہ شاید ادھر کوئی انسان دکھائی دے جائے۔ شدید بے چینی کے عالم میں انھوں نے دونوں چوٹیوں تک سات چکر لگائے۔ جب وہ تھک کر چور ہو گئیں اور آخری بار مَروہ پر غمزدہ کھڑی تھیں تو انھوں نے ایک آواز سنی۔ ادھر متوجہ ہوئیں تو انھیں زم زم کے مقام پر جہاں انھوں نے اپنے بیٹے کو چھوڑا تھا، ایک فرشتہ کھڑا دکھائی دیا جو اپنی ایڑی یا اپنے پَر سے زمین کھودنے میں مصروف تھا۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے وہاں پانی کا فوارہ پھوٹ پڑا۔ وہ دوڑتی ہوئی وہاں پہنچیں تاکہ اس جگہ کے گرد اپنے ہاتھوں سے حوض سا بنا دیں جس کے اندر پانی کے ٹھہرنے کی کوئی صورت بن سکے، پھر مشکیزہ بھی بھرنا شروع کر دیا۔ حوض میں پانی بھر گیا، پھر خوب سیر ہو کر انھوں نے بچے کو بھی یہ انوکھا پانی پلایا اور خود بھی پیا۔ فرشتے نے انھیں تسلی دیتے ہوئے کہا:

"یہ نہ سمجھنا کہ تم ضائع ہو جاؤ گے، یہ سامنے اللہ کا گھر ہے جسے یہ بچہ اور اس کا والد تعمیر کریں گے۔ اللہ اپنے دوستوں کو ضائع نہیں کرتا۔" [1]

زم زم کا کنواں کعبے کے بالکل قریب واقع ہے۔ اس کا پانی بلاشبہ دنیا کا سب سے مقدس اور روئے زمین کے تمام پانیوں سے افضل پانی ہے۔ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"روئے زمین پر سب سے افضل پانی زم زم ہے، یہ پیاس بجھاتا ہے، خوراک کی خوراک ہے اور بیماری سے شفا بھی ہے۔" [2]

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ مکہ آئے اور تیس دن تک صرف آب زم زم ہی پیتے رہے۔ ان کے پیٹ میں زم زم کے پانی کے سوا کوئی چیز نہ گئی اس کے باوجود انھوں نے ذرہ بھر بھوک محسوس نہ کی۔ جب انھوں نے یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو آپ نے فرمایا:

''یہ بابرکت (پانی) ہے، خوراک کی جگہ بھی کفایت کرتا ہے۔'' [3]

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

''آب زم زم جس غرض سے پیا جائے، وہی پوری ہوتی ہے۔'' [4]

اس لیے جو انسان اپنے علاج کے لیے اِسے پیتا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے بیماری سے شفا عطا کر دیتا ہے۔ ایسے کئی واقعات سامنے آتے ہیں کہ لوگ مُہلک اَمراض میں مبتلا تھے۔ انھوں نے بطور علاج آب زم زم پیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اس پانی کے ذریعے سے شفا عطا کر دی۔ ایسے واقعات میں سے ایک واقعہ مراکش کی ایک خاتون ''لیلیٰ حلو'' کا ہے جسے کینسر کی بیماری لاحق تھی۔ اس نے بلجیم کے کئی ڈاکٹروں سے علاج کرایا مگر وہ اس موذی مرض سے اسے نجات نہ دلا سکے۔ ڈاکٹروں نے اس کے خاوند سے کہا کہ اس کی بیوی مرنے والی ہے، اس لیے اسے گھر لے جائیں۔ اس پر دونوں میاں بیوی نے مکہ مکرمہ میں بیت اللہ جانے کا فیصلہ کیا۔ وہاں پہنچے تو خاتون نے آب زم زم کافی مقدار میں پیا۔ وہاں قرآن مجید کی تلاوت کرتی رہی اور اللہ سے رو رو کر دعائیں مانگتی رہی۔ خاتون کو وہاں کی عورتوں نے اپنے جسم کا بالائی حصہ بھی آب زم زم سے دھونے کا مشورہ دیا۔ اس نے اس پر عمل کیا اور وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ چند دنوں میں اس کے بالائی دھڑ پر جتنے ورم تھے، وہ سب ختم ہوگئے۔ بعد ازاں اس خاتون نے ایک کتاب لکھی جس میں تفصیل سے یہ واقعہ بیان کیا۔ اس کتاب کا انگریزی سمیت متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ اور اسے دنیا میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی ہے۔

1 صحيح البخاري، حديث: 3364. 2 سلسلة الأحاديث الصحيحة، حديث: 1056. 3 صحيح مسلم، حديث: 2473.

4 سنن ابن ماجه، حديث: 3062، دیکھیے: ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام اور سعی۔

سجدہ

عبادت کی غرض سے اپنی پیشانی اور ناک کو زمین پر ٹکا دینے کا نام سجدہ ہے۔ صحیح طریقے سے سجدہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ آدمی کے دونوں ہاتھ کندھوں یا کانوں کے برابر ہوں، ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے سے ملی ہوئی اور قبلہ رخ ہوں، دونوں ہتھیلیاں اور دونوں گھٹنے زمین پر ٹکے ہوں۔ پاؤں کی انگلیوں کے سرے قبلے کی طرف مڑے ہوں، ایڑیاں ملی ہوں اور دونوں قدم بھی کھڑے ہوں۔ سجدے میں سینہ، پیٹ اور رانیں زمین سے اونچی رکھنی چاہئیں، پیٹ رانوں سے اور رانیں پنڈلیوں سے جدا ہوں اور دونوں رانیں بھی ایک دوسرے سے الگ الگ ہوں۔ سجدے میں کہنیوں کو نہ تو زمین پر ٹکایا جائے اور نہ پہلوؤں سے ملائی جائیں بلکہ زمین سے اونچی، پہلوؤں سے الگ اور کشادہ ہوں۔

سجدے کے دوران میں کسی مسلمان کو قرآن مجید کی تلاوت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اسے مسنون دعائیں پڑھنے کی تاکید کی گئی ہے۔ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

''سجدے کی حالت میں بندہ اپنے رب کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے، چنانچہ سجدے میں کثرت سے دعا کیا کرو۔'' [1]
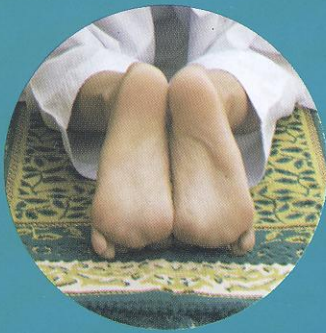
ایک عام دعا جو نبیِ کریم ﷺ سجدوں کے دوران میں کیا کرتے تھے، یہ ہے:

سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلٰى

''میرا بلند پروردگار (ہر عیب سے) پاک ہے۔''[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی ﷺ اپنے رکوع اور سجدے میں اکثر کہتے تھے:

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِيْ

''اے ہمارے پروردگار اللہ! تو پاک ہے اپنی تعریفوں سمیت۔ اے اللہ! مجھے بخش دے۔''[3]

- سجدۂ سہو: نبیِ کریم ﷺ نماز کے ساتھ ملا کر بھی کچھ وجوہ کی بنا پر سجدہ کرتے تھے۔ اسے سجدۂ سہو کہتے ہیں۔

سہو کے معنی ہیں، بھول جانا، یعنی نماز میں رکعت یا سجدہ یا کوئی اور رکن یا واجبات میں سے کوئی چیز بھول کر کم یا زائد ہو جائے تو نمازی اس غلطی کو دور کرنے کے لیے نماز مکمل کر کے دو سجدے کرتا ہے اور پھر سلام پھیرتا ہے۔

- سجدۂ شکر: مسلمان کو کوئی پسندیدہ نعمت حاصل ہو جائے یا کسی خوفناک چیز سے نجات پالے تو اللہ کے لیے اس نعمت پر سجدۂ شکر بجالانا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب کوئی خوش کن خبر آتی تو آپ ﷺ اللہ کے لیے سجدۂ شکر بجالاتے تھے۔[4]
- سجدۂ تلاوت: جب کوئی مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے سجدے کی آیت پڑھے یا کسی کو پڑھتے ہوئے سنے تو اس کے لیے سجدہ کرنا مسنون ہے۔ سجدے میں جاتے اور اٹھتے ہوئے اللہ اکبر کہے اور سجدے میں یہ دعا پڑھے:

اَللّٰهُمَّ اكْتُبْ لِيْ بِهَا عِنْدَكَ أَجْرًا وَّضَعْ عَنِّيْ بِهَا وِزْرًا وَّاجْعَلْهَا لِيْ عِنْدَكَ ذُخْرًا وَّتَقَبَّلْهَا مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَهَا مِنْ عَبْدِكَ دَاوُدَ

''اے اللہ! اس (سجدے) کے عوض میرے لیے اپنے ہاں اجر لکھ دے اور اس کی وجہ سے مجھ سے (گناہوں کا) بوجھ اتار دے اور اس کو اپنے ہاں میرے لیے ذخیرہ بنا دے اور اس (سجدے) کو میری طرف سے قبول فرما جیسے تو نے اپنے بندے داود علیہ السلام کی طرف سے یہ (سجدہ) قبول کیا تھا۔''[5]

---

1 صحيح مسلم، حديث: 482. 2 صحيح مسلم، حديث: 772. 3 صحيح البخاري، حديث: 794.
4 جامع الترمذي، حديث: 1578. 5 جامع الترمذي، حديث: 3424، دیکھیے: رکوع، دعا اور قبلہ۔

سعی

سعی، حج اور عمرے کا ایک لازمی جز ہے۔ کعبے کے شمال اور جنوب میں واقع دو پہاڑیوں صفا اور مروہ کے درمیان سات بار ایک مخصوص طریقے سے چکر لگانے کا نام ''سعی'' ہے۔ یہ وہی دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان حضرت ہاجرہ علیہا السلام اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے لیے پانی کی تلاش میں بے چینی سے بار بار دوڑتی تھیں۔ سعی ہمیں حضرت ہاجرہ علیہا السلام کی سعی اور سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے ایثار و اطاعت کی یاد دلاتی ہے جو اللہ کے حکم سے اپنی اہلیہ اور معصوم بچے کو اس جگہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ یہ جگہ اس وقت ویران اور بنجر تھی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''یقیناً صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔'' [1]

ان دو پہاڑیوں کے درمیان حضرت ہاجرہ علیہا السلام کا بیٹے کے لیے پانی کی تلاش میں دوڑنا اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند آیا کہ اس نے اس سعی (دوڑنے) کو حج و عمرے کا لازمی حصہ قرار دے کر، اس واقعے کی یاد کو ہمیشہ کے لیے تازہ رکھنے کا اہتمام فرما دیا۔

سعی کے لیے صفا اور مروہ کے درمیان سات بار چکر لگایا جاتا ہے، پہلا چکر اس وقت مکمل ہوتا ہے جب وہ صفا سے شروع ہو کر مروہ پر ختم ہو۔ مروہ سے صفا کو واپسی آکر دوسرا چکر مکمل ہوتا ہے۔ اس طرح آخر کار مروہ پر سات چکر پورے ہو جاتے ہیں۔

سعی
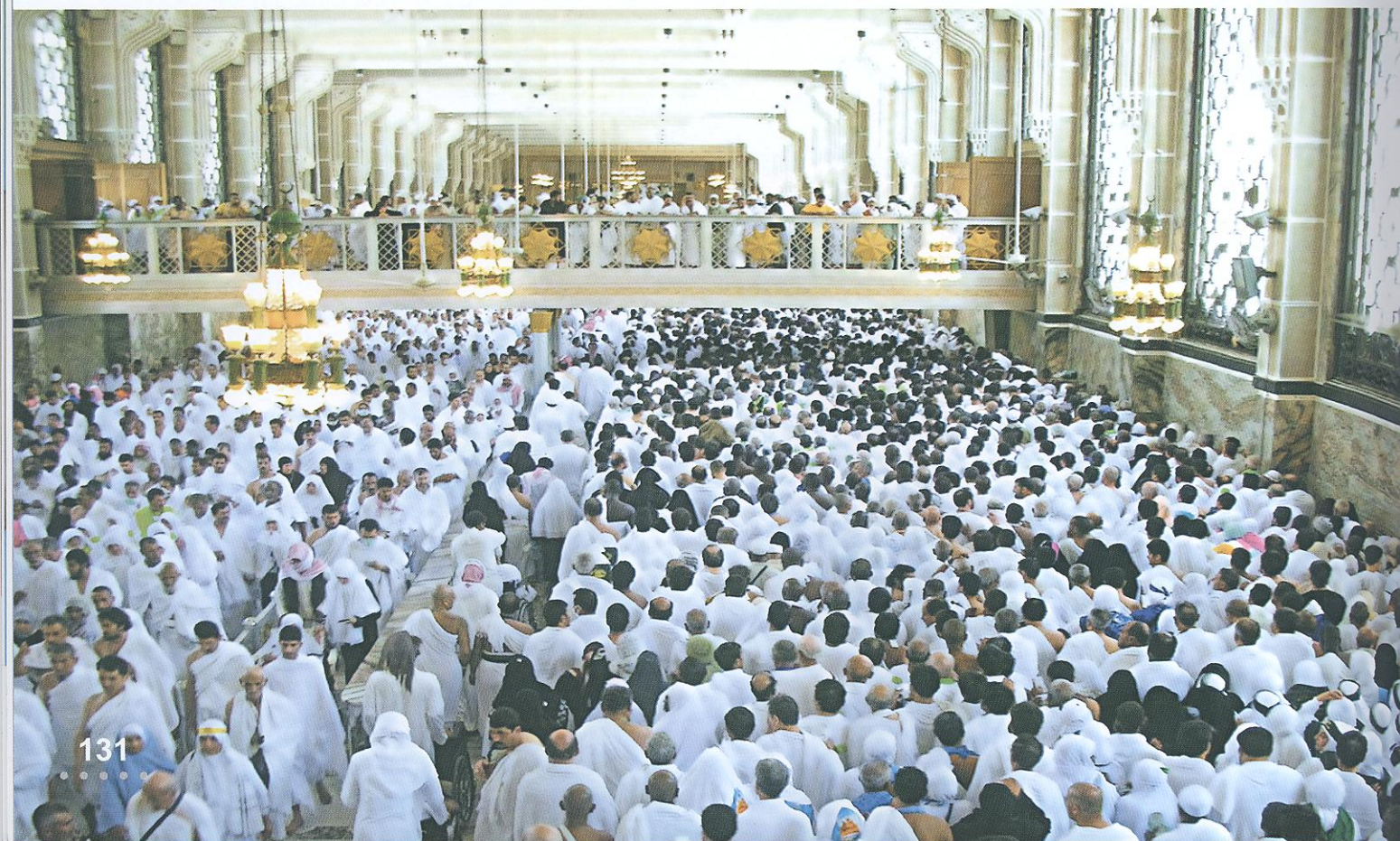
سعودی حکومت نے خدمت کعبہ کے لیے جو کام کیے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ دونوں پہاڑیوں کو ایک چھت کے ذریعے سے ملا دیا گیا ہے تا کہ حجاج کرام کو سخت دھوپ، بارش اور آندھی کے دوران میں کوئی تکلیف نہ اٹھانی پڑے اور ہر موسم میں ہر وقت یہ کام جاری رہے۔

سعی، عمرے کے طواف کے بعد اور حج میں طوافِ قدوم اور طوافِ افاضہ کے بعد کی جاتی ہے۔ عمرے کے طواف کے بعد اور طوافِ قدوم کے بعد سعی کے لیے آدمی کو حالتِ احرام میں ہونا چاہیے، البتہ طوافِ افاضہ کے بعد سعی کے لیے احرام کی ضرورت نہیں ہوتی، سوائے اس صورت کے کہ حاجی مغرب سے پہلے طواف نہ کر سکا ہو۔

سعی کے دوران میں ادھر ادھر کی باتیں کرنے یا کسی تجارت اور کاروبار سے متعلق گفتگو کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے تاہم کوئی انتہائی ضروری بات کرنی ہو تو وہ کی جاسکتی ہے۔ سعی کے دوران میں ہر قسم کی دعا، ذکر اذکار، تسبیح اور قرآن مجید کی قراءت کی جاسکتی ہے، لیکن ایسا کرتے وقت آواز اتنی بلند نہیں ہونی چاہیے کہ اس سے دوسروں کو تکلیف ہو۔ سعی کے راستے میں جہاں دو سبز روشنیاں لگائی گئی ہیں، ان کے درمیان مردوں کو چاہیے کہ وہ ہلکی سی دوڑ لگائیں بشرطیکہ ان کے لیے یہ ممکن ہو۔ ان سبز روشنیوں کے درمیانی فاصلے کو "مِیلَین اَخضَرَین" (دو سبز رنگ کے میل) کہا جاتا ہے۔

خواتین ماہواری کی حالت میں بھی سعی کر سکتی ہیں کیونکہ اس کے لیے طہارت کی شرط نہیں ہے۔ انھیں اس حالت میں طوافِ کعبہ کے سوا تمام ارکانِ حج ادا کرنے کی اجازت ہے۔ ماہواری ختم ہونے اور طہارت حاصل ہونے کے بعد طواف کرنا چاہیے۔ نماز کے دوران میں سعی بند کر دی جاتی ہے۔ جماعت ختم ہو جانے پر سعی اسی جگہ سے دوبارہ شروع کرنی چاہیے جہاں نماز کے لیے روک دی گئی تھی۔

1 البقرة 2:158، دیکھیے: طواف، حج اور عمرہ۔

سلام

سلام کے معنی امن وسلامتی کے ہیں اور یہ مسلمانوں کے باہمی میل جول کے وقت ایک دوسرے کے حق میں خیر خواہی اور خیر سگالی کی دعا ہے۔ مسلمان آپس میں ملتے وقت ''السلام علیکم'' اور جواب میں ''وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ'' کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آپس میں ملتے ہوئے اور گھروں میں جاتے ہوئے سلام کہنے کا حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اے ایمان والو! اپنے گھروں کے سوا دوسرے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو، یہاں تک کہ تم اجازت لے لو اور ان گھر والوں کو سلام کرو، یہ تمھارے لیے بہت بہتر ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔'' [1]

مسلمان کو مسلمان کے سلام کا جواب دینے کی تاکید یوں کی گئی ہے:

''اور جب تمھیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا وہی الفاظ لوٹا دو۔'' [2]

سلام

سلام کے بہترین الفاظ ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' (تم پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمتیں اور اس کی برکتیں ہوں) ہیں۔ ایک شخص نے نبیِ کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر ''السلام علیکم'' کہا تو آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: ''اس کے لیے دس نیکیاں ہیں۔'' اس کے بعد ایک دوسرا شخص آیا، اس نے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ'' کہا تو آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: ''اس کے لیے بیس نیکیاں ہیں۔'' اس کے بعد ایک تیسرا شخص آیا اور اس نے ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہا تو آپ نے اس کے سلام کا جواب دیا، پھر وہ بیٹھ گیا تو آپ نے فرمایا: ''اس کے لیے تیس نیکیاں ہیں۔''[3]

یہ اصول بھی بتایا گیا ہے کہ چھوٹا، بڑے کو سلام کرے۔ چند افراد ہوں تو وہ زیادہ افراد کو سلام کریں۔ سوار، پیدل چلنے والے کو سلام کرے۔ جو شخص کھڑا ہو، وہ بیٹھے ہوئے کو سلام کرے۔ اگر گزرنے والی جماعت میں سے ایک آدمی سلام کرے اور مجلس میں سے ایک آدمی جواب دے دے تو سب کی طرف سے کافی ہو جاتا ہے۔

اَلسَّلام (سلامتی والا) اللہ کے ناموں میں سے ایک نام بھی ہے۔

ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کہ کون سا اسلام بہتر ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تم کھانا کھلاؤ اور ہر شخص کو سلام کہو، خواہ تم اس کو جانتے ہو یا نہیں جانتے۔[4]

1 النور 27:24.   2 النسآء 86:4.   3 سنن أبي داود، حديث: 5195.   4 صحيح البخاري، حديث: 28.

63

سلیمان علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت داود علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فرزند حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نہایت طاقتور بادشاہ اور اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ پیغمبروں میں سے ایک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں حیرت انگیز قوتوں، بہترین دانش و بصیرت اور عظیم علم سے نوازا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں پرندوں اور جانوروں کی بولیاں بھی سکھا دی تھیں۔ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنے لشکر سمیت ایک وادی میں سے گزر رہے تھے جہاں چیونٹیوں کے بہت سے گھر تھے، انھوں نے ایک چیونٹی کی آواز سنی جو دوسری چیونٹیوں کو خبردار کر رہی تھی کہ اپنے اپنے بلوں میں گھس جاؤ، کہیں ایسا نہ ہو کہ سلیمان علیہ السلام اور ان کے لشکری تمھیں کچل ڈالیں اور انھیں خبر تک نہ ہو۔ یہ سن کر سلیمان علیہ السلام مسکرائے اور اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کی:

''اے میرے رب! مجھے توفیق دے کہ میں تیری اس نعمت کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر انعام کی ہے اور اس بات کی بھی کہ میں ایسے نیک کام کروں جو تو پسند کرے اور مجھے اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں داخل کر۔'' [1]

اللہ تعالیٰ نے ہوا کو ان کے تابع کر دیا تھا۔ وہ جب چاہتے اپنے وزیروں اور لشکر سمیت تخت پر بیٹھ جاتے اور جدھر آپ کا حکم ہوتا، ہوائیں آپ کو اتنی رفتار سے لے جاتیں کہ ایک مہینے جتنی مسافت، صبح سے دوپہر تک کی ایک منزل میں طے ہو جاتی، پھر اسی

طرح دو پہر سے رات تک ایک مہینے تک کی مسافت طے ہو جاتی۔ اس طرح ایک دن میں دو ماہ کی مسافت طے ہو جاتی۔ جنوّں کو بھی ان کے قابو میں دیا گیا تھا۔ وہ جیسی چاہتے ان سے خدمت لیتے۔ بعض جنّ سمندروں میں غوطے لگا کر ان میں سے حیرت انگیز خزانے نکال لاتے۔ بعض تو ایسے کام انجام دیتے کہ انسانوں کی عقل بھی دنگ رہ جاتی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی افواج میں انسانوں کے علاوہ جنّ اور پرندے بھی شامل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ جاری کر دیا تھا تاکہ وہ اس سے جو چاہیں بنائیں۔ ان سب اور دیگر بہت سی دنیاوی نعمتوں کی وجہ سے وہ اللہ کی عنایات پر شکر گزار رہتے تھے۔ ان نعمتوں کی وجہ سے ان میں بڑائی اور تکبر کا ذرہ بھر احساس پیدا نہ ہوا تھا۔ وہ لوگوں کو تلقین کیا کرتے تھے کہ وہ صرف اللہ کی عبادت کریں اور اس کی نعمتوں پر اس کے شکر گزار رہا کریں۔

ایک دن وہ پرندوں کا معاینہ کر رہے تھے، کیا دیکھتے ہیں کہ ان میں ہُد ہُد موجود نہیں ہے۔ انھوں نے اس غیر حاضری پر اسے سزا دینے کا فیصلہ کیا اور کہا کہ اگر اس نے اپنی اس حرکت کی کوئی معقول وجہ نہ بتائی تو میں اسے سخت ترین سزا دوں گا یا اسے ذبح کر دوں گا۔ اس کے بعد جلد ہی ہُد ہُد ایک اہم خبر سمیت پیش ہو گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ ایک دور دراز شہر ''سبا'' میں تھا جہاں کی حکمران ایک ملکہ ہے۔ اس کے پاس بے شمار دولت ہے۔ وہ شیطان کے فریب میں آ چکی ہے اور وہ اپنی رعایا سمیت اللہ تعالیٰ کی بجائے سورج کی پرستش کرتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہُد ہُد کی لائی ہوئی خبر کی تصدیق کی خاطر اسی کے ذریعے سے ملکہ کو ایک خط لکھا۔ اس خط میں اس کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ اس نے اپنے وزیروں اور مشیروں کو طلب کر کے ان سے مشورہ کیا کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ ان ارکانِ حکومت نے کہا کہ ہم بہت طاقتور اور سخت لڑنے بھڑنے والے ہیں، ہم سلیمان (علیہ السلام) کے خلاف جنگ کر سکتے ہیں، لیکن آخری فیصلہ ملکہ کے ہاتھ میں ہے۔ ملکہ بلقیس نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو قیمتی تحائف بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ تحائف لے جانے والوں کو سلیمان علیہ السلام کے بارے میں جاننے اور ان کی طاقت کا اندازہ لگانے کا موقع مل جائے گا کہ سلیمانؑ کوئی دنیا دار بادشاہ ہیں یا واقعی نبی ہیں جس کا مقصد اللہ کے دین کا غلبہ ہے۔ اگر وہ تحائف قبول نہیں کرتے تو یقیناً ان کا مقصد دین کی اشاعت و سر بلندی ہے، پھر ہمیں بھی اطاعت کیے بغیر چارہ نہیں ہو گا۔

جب تحائف حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے پیش کیے گئے تو انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو کچھ عنایت کر رکھا ہے، وہ ان چیزوں سے بہتر ہے جن کو تحفے میں بھیجا گیا ہے۔ مجھے ان تحفوں کی ضرورت نہیں، لہٰذا تم ہی اپنے تحائف سے خوش رہو۔ انھوں نے تحائف واپس بھیج دیے اور پیغام دیا کہ اگر ملکہ نے غیر اللہ کی پرستش ترک نہ کی تو وہ حملہ کر کے اس کی سلطنت کو ملیا میٹ کر دیں گے اور اس کی رعایا کو اس سرزمین سے بے دخل کر دیں گے۔ جب اسے پیغام پہنچا تو اس نے خود حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات کرنے کا فیصلہ کیا اور اپنا ایک سفیر انھیں اپنی آمد کی اطلاع دینے کے لیے بھیج دیا۔

پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے درباریوں سے کہا کہ کیا تم میں سے کوئی ملکہ کے یہاں پہنچنے سے قبل اس کے تخت کو یہاں لا سکتا

ہے؟ اس پر ایک قوی ہیکل جن نے کہا کہ میں وہ آپ کو لا دیتا ہوں اس سے پہلے کہ آپ اپنی جگہ سے اٹھیں۔ اس پر کتاب کا علم رکھنے والے ایک شخص نے عرض کی کہ میں آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے ہی اسے آپ کے پاس پہنچا سکتا ہوں، چنانچہ وہ تخت کو لے آیا، حالانکہ سلیمان علیہ السلام کی سلطنت فلسطین میں تھی اور ملکہ بلقیس کی بادشاہت یمن میں تھی۔

جب ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل میں پہنچی تو اس کا شایانِ شان استقبال کیا گیا۔ اس کے تخت میں تھوڑی سی تبدیلی کر دی گئی تھی۔ مہمان کو سامنے بٹھا کر میزبان نے تخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا کہ کیا تمھارا تخت بھی ایسا ہی ہے؟ اس نے بغور دیکھنے کے بعد کہا کہ ہاں لگتا ہے کہ جیسے یہ وہی ہو۔ اس جواب سے سلیمان علیہ السلام متاثر ہوئے بغیر نہ رہے کہ واقعی ملکہ بے حد ذہین ہے۔

پھر سلیمان علیہ السلام نے اسے ایک بڑے محل کی طرف چلنے کی دعوت دی۔ یہ محل شیشے کا بنا ہوا تھا جس کا صحن اور فرش بھی شیشے کا تھا، اس کے نیچے پانی کی چھوٹی سی نہر بہ رہی تھی جس میں مچھلیاں اور دوسرے آبی جانور رکھے گئے تھے۔ ملکہ نے اسے حوض خیال کیا اور اپنی پنڈلیاں کھول دیں تاکہ کپڑے بھیگ نہ جائیں۔ سلیمان علیہ السلام نے بتایا کہ یہ تو شیشے سے منڈھی ہوئی عمارت ہے جس سے کپڑے بھیگنے کا کوئی خطرہ نہیں۔ اس پر اس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ ملکہ بلقیس نے جو کچھ دیکھا، اس سے وہ قائل ہوگئی کہ انسان کی آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے، وہ مکمل حقیقت نہیں ہوتی۔ پوری حقیقت وحی کے ذریعے سے ہی جانی جا سکتی ہے۔ اسے یہ بھی اندازہ ہوگیا کہ سلیمان علیہ السلام نہ صرف بے حد طاقتور ہیں بلکہ اللہ کے پیغمبر بھی ہیں، چنانچہ اس نے سورج کی پرستش چھوڑ دی اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعوت قبول کر لی۔ اس نے واپس جا کر اپنی رعایا کو بھی یہی راہ اختیار کرنے کی دعوت دی۔

ایک دفعہ حضرت سلیمان علیہ السلام کھڑے عبادت میں مشغول تھے کہ ان کا آخری وقت آ گیا اور وہ فوت ہو گئے، مگر جس لاٹھی پر ٹیک لگا رکھی تھی، اسی پر کافی عرصہ جامد رہے، یہاں تک کہ گھن کے ایک کیڑے نے لاٹھی کے زیریں حصے کو کھوکھلا کر دیا جس سے لاٹھی ان کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور آپ گر گئے۔ جنوں کو اس وقت پتہ چلا کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد بھی خواہ مخواہ کام میں جتے رہے ہیں، اگر انھیں اصل حقیقت کا پتہ ہوتا تو ایسا نہ کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان اور جن ظاہری باتوں ہی کو دیکھ سکتے ہیں، غیب اور ہر چیز کی اصل حقیقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔

1 النمل 27:19.

سنّت

سنّت کے لفظی معنی ہیں ''پختہ راستہ''۔اس سے مراد ''طریقۂ کار'' بھی ہوتا ہے۔اس معنی میں سنت اچھی بھی ہوسکتی ہے اور بری بھی۔ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

''جس شخص نے اسلام میں کسی اچھے طریقے کی ابتدا کی تو اس کے لیے اس کا اپنا اجر اور ان تمام لوگوں کا اجر ہوگا جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے، عمل کرنے والوں کے اجر میں کوئی کمی کیے بغیر۔ اور جس نے اسلام میں کوئی برا طریقہ جاری کیا تو اس پر اس کے اپنے گناہ کا بوجھ بھی ہوگا اور ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے، بعد میں عمل کرنے والوں کے گناہوں کے بوجھ میں کوئی کمی کیے بغیر۔'' [1]

اسلام میں سنت، رسول اللہ ﷺ کا وہ طریقِ کار ہے جو آپ سے ثابت ہو یا جو آپ نے بتایا ہو یا جسے دیکھ کر آپ نے ناپسند نہ کیا ہو۔

سنت اور حدیث ہم معنی ہیں۔ سنت قرآن مجید کے بعد اسلامی فقہ کا دوسرا بنیادی ماخذ ہے۔ کوئی شخص ان دونوں سے رہنمائی حاصل کیے بغیر اسلام پر عمل نہیں کر سکتا۔ سنت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ یہ قرآن مجید کی تشریح کرتی ہے اور اسلامی عبادات کی تفصیلات بیان کرتی ہے۔ اس کی ایک مثال نماز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دن میں پانچ نمازیں ادا کرنے کا حکم دیا ہے مگر یہ نہیں بتایا کہ نمازیں کیسے پڑھی جائیں۔ یہ سنت ہی ہے جو اس عظیم عبادت کی ادائیگی کا طریقِ کار بتاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی متعدد آیات کے ذریعے سے اہل ایمان سے کہا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے طریقِ کار کی پیروی کریں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”اور اللہ کا رسول تمھیں جو کچھ دے، وہ لے لو اور جس سے منع کرے، اسے چھوڑ دو۔“ [2]

نبیِ اکرم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو سُنت سکھایا کرتے تھے اور ان پر زور دیتے تھے کہ وہ اس کی پیروی اپنے اوپر لازم قرار دے لیں۔ آپ ﷺ نے ایک طویل حدیث میں یہ بنیادی بات بھی سمجھائی ہے:

”تم میری سنت کو اور میرے ہدایت یافتہ اور ہدایت دینے والے خلفاء کی سنت کو لازم پکڑو اور اس پر سختی سے کاربند رہو۔“ [3]

سنت کی ضد ”بدعت“ ہے۔ بدعت سے مراد خود ایجاد کردہ طریقہ ہے۔ بدعت چونکہ نبی ﷺ کے طریقوں کی مخالفت کرتی ہے، اس لیے یہ گمراہی ہے۔ اس کے بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا:

”کسی نے ہمارے دین میں از خود کوئی ایسی چیز نکالی جو اس میں نہیں تھی تو وہ مردود ہے۔“ [4]

مسلمانوں پر زور دیا گیا ہے کہ وہ قرآن وسنت پر سختی سے کاربند رہیں اور اپنے ساتھیوں کو بھی ایسا ہی کرنے کی تلقین کریں۔ قرآن وسنت پر عمل کرنا ان کی دنیاوی زندگی کے لیے بھی باعثِ مسرت ہوگا اور آخرت میں بھی موجبِ راحت ہوگا۔ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

”میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں، جب تک تم ان پر جمے رہو گے، کبھی گمراہ نہیں ہو گے، (وہ ہیں:) اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔“ [5]

[1] صحيح مسلم، حديث: 1017. [2] الحشر 7:59. [3] جامع الترمذي، حديث: 2676. [4] صحيح البخاري، حديث: 2697.
[5] سلسلة الأحاديث الصحيحة: 361/4، دیکھیے: بدعت۔

سود

سود وہ رقم ہوتی ہے جو قرض خواہ (جس نے قرض دیا اور اس کی واپسی کا خواہاں ہے) قرض لینے والے شخص سے دی گئی اصل رقم سے زائد (عموماً ایک مقررہ شرح سے) وصول کرتا ہے۔ اسلام نے سود کے کاروبار کو بہت بڑا گناہ قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو سود ترک کرنے کا حکم دیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ سے ڈرو اور جو سود باقی ہے، اسے چھوڑ دو اگر تم ایمان دار ہو، پھر اگر تم نے ایسا نہ کیا تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔''[1]

سود کی دو اقسام ہیں:

① ادھار سود (رِبَا النَّسِیئَہ)

اس کی کئی قسمیں ہیں، مثلاً:

- قرض خواہ کسی کو ایک مقررہ میعاد کے لیے قرضہ دے، جب وہ میعاد گزر جائے اور مقروض رقم واپس نہ دے سکے تو اُسے اِس شرط پر مزید وقت دے کہ وہ اصل زر سے زیادہ رقم ادا کرے گا۔
- قرض خواہ کسی کو ایک مقررہ عرصے کے لیے مقررہ شرح سود پر قرضہ دے جو ہر ماہ ادا کیا جائے۔ جب عرصہ پورا ہو جائے تو مقروض، قرض خواہ کو اصل زر لوٹا دے۔
- قرض خواہ کسی کو مقررہ عرصے کے لیے مقررہ شرح سود پر قرضہ دے اور میعاد پوری ہونے پر مقروض سود کی رقم مع اصل زر لوٹائے۔

② لین دین میں اضافے کی صورت میں سود (رِبَاالفَضل)

یہ ایسا ہے کہ ایک شخص دوسرے کے ساتھ ایک جنس کی اشیاء کے لین دین میں زیادہ ادائیگی کرے، مثلاً: رقم کے بدلے رقم، گندم کے بدلے گندم، کھجور کے بدلے کھجور، نمک کے بدلے نمک، سونے کے بدلے سونا، چاندی کے بدلے چاندی اور چاول کے بدلے چاول کا تبادلہ کرتے ہوئے برابر مقدار میں لینے دینے کی بجائے زیادہ مقدار میں لے یا ادا کرے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

''سونا، سونے کے ساتھ، چاندی، چاندی کے ساتھ، گندم، گندم کے ساتھ، جَو، جَو کے ساتھ، کھجور، کھجور کے ساتھ اور نمک، نمک کے ساتھ برابر برابر اور دست بہ دست (فروخت کرو)، جس نے زیادتی کی یا زیادہ مانگا تو اس نے سودی کاروبار کیا، لینے اور دینے والا دونوں گناہ میں برابر ہیں۔''[2]

مسلمانوں کو ہر قسم کے سُودی لین دین سے دور رہنا چاہیے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے سود کھانے والے، کھلانے والے، سود (کا معاہدہ یا اس کا حساب کتاب) لکھنے والے اور اس کی گواہی دینے والوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ یہ سب گناہ میں برابر شریک ہیں۔''[3]

نبی کریم ﷺ نے واضح طور پر فرمایا ہے کہ یہ سب کے سب لعنتی اور گناہ گار ہیں۔ اس طرح وہ سب ایک جیسے ہیں۔

[1] البقرة 2:279,278. [2] صحیح مسلم، حدیث: 1584. [3] صحیح مسلم، حدیث: 1598، دیکھیے: کبیرہ گناہ۔

شرک

شرک، توحید سے متضاد ہے۔شرک کے معنی ہیں، اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی عبادت کے لائق سمجھنا۔اس کے معنی میں اللہ تعالیٰ کی صفات کو کسی اور سے منسوب کرنا بھی شامل ہے، بالخصوص یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کے علاوہ کوئی اور بھی ہے جو اتنی قدرت رکھتا ہے کہ وہ نفع ونقصان پہنچا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شرک کو ایک نا قابل معافی گناہ قرار دیا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

”بے شک اللہ تعالیٰ (یہ گناہ) نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے۔“ [1]

شرک

شرک کی دو اقسام ہیں:

① شرکِ اکبر

یہ کائنات کی سب سے بڑی سچائی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات اور صفات میں اکیلا اور بے مثل ہے اور وہ اکیلا ہی ہر قسم کی عبادت کا مستحق ہے، اس لیے کسی جان دار یا بے جان، زندہ یا مُردہ مخلوق کو اس کی ذات میں یا عبادت میں یا اس کی صفات میں شریک کرنا یا سمجھنا، شرکِ اکبر کہلاتا ہے۔ یہ انتہائی سنگین نوعیت کا شرک ہے جس میں اللہ کو چھوڑ کر کسی اور سے مدد مانگنا، اس کے سامنے دستِ سوال دراز کرنا اور اسے حاجت روا اور کارساز سمجھنا بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکامات کے خلاف کسی اور کے احکامات کی پیروی کرنا، کسی سے اس قسم کی محبت اور عبدیت کا اظہار کرنا جو صرف اللہ ہی کے ساتھ ہونی چاہیے، یہ سب شرک اکبر کے زمرے میں آتے ہیں جو ناقابلِ معافی جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"بے شک اللہ (یہ گناہ) نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور وہ اس کے علاوہ جسے چاہے بخش دیتا ہے۔" [2]

② شرکِ اصغر

شرکِ اصغر کا معنی چھوٹا شرک ہے۔ اس قسم کے شرک میں مبتلا لوگ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوتے اور نہ ہمیشہ کے لیے جہنم کے مستحق ہوتے ہیں مگر ان کے عقیدۂ توحید میں رخنہ پڑ جاتا ہے۔ شرک اصغر، شرک اکبر کا ایک ذریعہ ہے۔ شرک اصغر کی دو قسمیں ہیں:

① شرکِ جلی:

اس سے مراد شرکیہ کلام اور اعمال ہیں۔ شرکیہ کلام یہ ہے:

- غیر اللہ کی قسم کھانا، نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا: "جس نے غیر اللہ کی قسم کھائی، اس نے کفر یا شرک کیا۔" [3]
- اس قسم کے الفاظ کہنا: "جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے۔" نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: "تم اس طرح نہ کہو: جو اللہ چاہے اور فلاں چاہے، لیکن یہ کہو: جو اللہ چاہے، پھر جو فلاں چاہے۔" [4]

شرکیہ اعمال یہ ہیں: کڑے پہننا، مصیبتیں ٹالنے کے لیے دھاگا باندھنا اور نظر بد سے بچنے کے لیے مختلف قوتوں کے نام کے تعویذ باندھنا وغیرہ، ان اعمال کے ساتھ جب یہ عقیدہ ہو کہ ان سے مصائب و پریشانیاں دور ہوتی ہیں اور بلائیں ٹلتی ہیں تو یہ شرک اصغر ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو ان مقاصد کے حصول کے لیے ذریعہ نہیں بنایا۔ اگر کسی شخص کا یہ عقیدہ ہو کہ یہ چیزیں بذاتِ خود پریشانیاں اور مصیبتیں دور کرتی ہیں تو یہ شرک اکبر ہے کیونکہ اس میں غیر اللہ کے ساتھ اس تعلق و ربط کا اظہار ہو رہا ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے۔

② شرکِ خفی:

یہ ارادوں اور نیتوں کا شرک ہے، جیسے: ریاکاری اور شہرت سے محبت وغیرہ، یعنی نیک اعمال اس لیے کیے جائیں تاکہ لوگ

اس کی تعریف کریں، مثلاً: کوئی شخص اچھی نماز صرف اس لیے پڑھتا ہے یا صدقہ وخیرات صرف اس لیے کرتا ہے تاکہ لوگ اس کی تعریف کریں۔ ذکرواذکار اور تلاوت صرف اس لیے کرتا ہے کہ لوگ سنیں اور اس کو خوب داد دیں۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے جب کہ ہم لوگ آپس میں مسیحِ دجّال کا ذکر کررہے تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''کیا میں تمھیں ایسی چیز کی خبر نہ دوں جس کا مجھے تمھارے بارے میں مسیحِ دجّال سے بھی زیادہ خوف ہے؟ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ضرور بتائیے! آپ نے فرمایا: وہ شرک خفی ہے کہ آدمی نماز پڑھنے کے لیے کھڑا ہو اور جب اسے محسوس ہو کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے تو اپنی نماز لمبی کردے۔''[5]

مطلب یہ کہ کسی بھی عمل میں جب ریاکاری آجاتی ہے تو وہ شرکِ خفی بن جاتا ہے۔ شرک خفی (پوشیدہ شرک) کو شرک اکبر میں بھی شامل کیا جاسکتا ہے اور شرک اصغر میں بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔ اس کا فیصلہ اس شخص کے دل میں پائے جانے والے شرک کی قسم کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ یہ بڑے شرک کی شکل اس طرح اختیار کرتا ہے جب کوئی شخص منافقوں کی طرح اپنے جھوٹے عقائد دل میں چھپائے ہوئے ہو اور بظاہر مسلمان بن جائے۔ اس کا مطلب مسلمانوں کو دھوکا دینا ہوتا ہے کہ میں تمھارا ہم مذہب ہوں جبکہ اندر سے وہ مشرک یا کافر ہو۔ شرکِ خفی کی سنگینی بیان کرتے ہوئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''لوگو! اس شرک (خفی) سے ڈرو کیونکہ یہ چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ مخفی طریقے سے اپنا کام کرجاتا ہے۔'' اس کے بعد جو آپ نے کہنا تھا کہا، بعدازاں صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا کہ اے اللہ کے رسول! ہم اس سے کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''یہ کلمات پڑھا کرو:

«اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوذُبِكَ مِنْ أَنْ نُّشْرِكَ بِكَ شَيْئًا نَّعْلَمُهُ وَنَسْتَغْفِرُكَ لِمَا لَا نَعْلَمُهُ»

''اے اللہ! ہم تیری پناہ میں آتے ہیں اس بات سے کہ ہم کسی کو تیرا شریک ٹھہرائیں جب کہ ہم جانتے ہوں اور ہم تجھ سے ان غلطیوں کی بخشش مانگتے ہیں جن کو ہم نہیں جانتے۔''[6]

1 النسآء 4:48. 2 النسآء 4:48. 3 جامع الترمذي، حديث: 1535. 4 سنن أبي داود، حديث: 4980.
5 سنن ابن ماجه، حديث: 4204. 6 صحيح الترغيب والترهيب، حديث:36، دیکھیے: عبادت، توحید، کفر اور نفاق۔

شریعت

شریعت (اسلامی ضابطۂ حیات) انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔ اس میں عقائد وتصورات، عبادات، لین دین اور طرزِ حیات اور ان سے متعلق وہ تمام قوانین شامل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے بنائے ہیں۔ شریعت سے مراد وہ سب احکامات ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے لیے بھیجے گئے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ حقیقی شارع (شریعت سازی کرنے والا) ہے۔ شریعت کی اصطلاح کو انسان کے بنائے ہوئے قوانین کے لیے استعمال کرنا درست نہیں ہے۔

شریعت کے چار ماخذ ہیں: قرآن، سنت، اجماع اور قیاس۔ شریعت کے دو ماٰخذ بنیادی ہیں: قرآن اور رسول اللہ ﷺ کی سنت۔

امام شاطبی اپنی کتاب ''الموافقات'' میں لکھتے ہیں: ''قرآن سارے کا سارا شریعت ہے۔ یہ مذہب کی توثیق، دانائی کا سرچشمہ، نبوت کی نشانی، آنکھوں اور دلوں کا نور ہے۔ اللہ تک پہنچنے کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں، نجات کا اس کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ کسی ایسی چیز کو قابلِ اعتنا نہیں سمجھنا چاہیے جو اس کی تردید کرتی ہو۔ اس میں شامل کسی بات کو توثیق یا استناد کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ خود حق ہے اور امت مسلمہ کے دین کی حیثیت رکھتا ہے، لہٰذا جو کوئی شریعت کا مکمل علم سیکھنا چاہتا ہے، اس کے مقاصد سے آگاہی اور اس کے ماننے والوں میں شمولیت چاہتا ہے تو اسے قرآن مجید کو اپنا مستقل رفیق بنالینا چاہیے، اسے خواہ کسی بات کی تحقیق کرنی ہو یا راہِ عمل تلاش کرنی ہو، قرآن مجید کو اپنے دل و دماغ میں بسا لینے سے اس کا مقصد حاصل ہو جائے گا۔''[1]

البتہ یہ سمجھنا چاہیے کہ قرآن مجید بنیادی قوانین اور قواعد پیش کرتا ہے، ہر شعبے کے لیے الگ الگ ضابطے پیش نہیں کرتا۔ حدیث، قرآن مجید کی تفسیر اور تفصیل ہے۔ مفصل قوانین کے لیے فقہائے اسلام نے حدیث اور دیگر ماٰخذ سے استفادے کے لیے تفصیلی قوانین وضع کر دیے ہیں۔

سنت یا، رسول اللہ ﷺ کا قول وفعل اور طریق کار، دوسرا مستند ماخذِ شریعت ہے۔ اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اور اللہ کا رسول تمھیں جو کچھ دے وہ لے لو اور جس سے منع کرے اسے چھوڑ دو۔''[2]

سنت قرآن مجید کی تشریح وتوضیح کرتی ہے، بعض مجمل اور مختصر باتوں کو کھول کر بیان کرتی ہے اور بعض امور میں تکملہ کا کردار ادا کرتی ہے۔ اس نقطے کی وضاحت کے لیے سب سے اچھی مثال نماز کی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو روزانہ پانچ فرض نمازیں پڑھنے کا حکم دیا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ یہ کیسے پڑھی جائیں۔ یہاں ہمارے پاس سنتِ رسول ﷺ ہے جو جملہ آدابِ نماز بتاتی ہے کہ ہم نماز کس طرح پڑھیں اور کتنی رکعتیں پڑھیں۔

تاہم بعض ایسے نئے پیش آنے والے امور بھی ہو سکتے ہیں جن کے بارے میں نہ قرآن مجید میں براہِ راست رہنمائی موجود ہو اور نہ سنت میں ان کی وضاحت آئی ہو۔ ان کے بارے میں قرآن و حدیث سے رہنمائی حاصل کرنے کا کام فقہاء نے کیا ہے۔ سب سے پہلے ''اجماع'' ہے جسے اہلِ علم کا اتفاقِ رائے کہا جاتا ہے۔ اگر کسی عہد کے علماء کسی قانونی نقطے پر آپس میں متفق ہو جائیں تو اسے مستند مقصدِ شریعت سمجھا جاتا ہے۔ اگر ان تین مآخذ سے مقصد حاصل نہ ہو سکے تو فقہاء ''قیاس'' سے کام لیتے ہیں جسے استدلال بذریعہ تمثیل یا نظیر کہا جاتا ہے، یعنی پہلے سے موجود مثالوں کی روشنی میں مسئلے کا حل تلاش کرنا۔

شریعت بے لچک قواعد وضوابط کا مجموعہ نہیں کہ بس ایک دفعہ جو کچھ طے ہو گیا، اس میں تبدیلیِ حالات کے باوجود ردوبدل کی کوئی گنجائش نہ ہو۔ اسلامی شریعت بدلتے ہوئے حالات کے لیے انسانی عقل و ذہانت کو بروئے کار لانے کی اجازت دیتی ہے۔ یہ کام علمائے اسلام کی ذمہ داری ہے کہ جب ابتدائی اور اصلی مآخذ شریعت سے براہِ راست رہنمائی نہ ملے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عقل و بصیرت کو استعمال کرتے ہوئے انھی مآخذ کے ذریعے سے منشائے ربانی کا تعین کریں۔

شریعت کا حتمی مقصد دنیا اور آخرت میں انسانوں کی بہبود ہے۔ ہم اجمالی طور پر معاشرے کی ضرورتوں کو ''اشد ضرورتوں، عمومی ضرورتوں اور تکمیلی ضرورتوں'' میں تقسیم کر کے ان کی اہمیت کا تعین کرتے ہیں۔ سرِ فہرست ''اشد ضرورتیں'' ہیں جو شریعت کے پانچ مقاصد کے ذیل میں آتی ہیں: ① زندگی ② شعور ③ دین ④ املاک ⑤ فروغِ نسل اور اس کی سلامتی کو یقینی بنانا۔

1 الموافقات: 346/3. 2 الحشر 7:59، دیکھیے: احکام۔

شفاعت

شفاعت کے معنی ہیں ''سفارش کرنا'' اور جو شخص کسی کی سفارش کرتا ہے اسے ''شفیع'' کہتے ہیں۔ شفاعت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص کسی صاحبِ اختیار کے ہاں اپنی قدر و منزلت یا اثر و رسوخ استعمال کرتے ہوئے کسی دوسرے کو سزا سے بچائے یا اسے معافی دلوائے۔ قیامت کے روز کسی کے حق میں شفاعت کی دو صورتیں ہوں گی:

① اللہ تعالیٰ شفیع (سفارش کرنے والے) کو اس کے حق میں شفاعت کرنے کی اجازت دے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

''کون ہے جو اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟'' [1]

② شفیع جس کے حق میں شفاعت کرے، اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں سفارش پر راضی ہو، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

''اور وہ صرف اس کی سفارش کریں گے جس کے لیے اللہ پسند کرے گا اور وہ اس کے خوف سے ڈرنے والے ہیں۔'' [2]

آخرت میں پانچ قسم کی شفاعت ہوگی:

① بڑی شفاعت:

یہ شفاعت صرف حضرت محمد ﷺ کے لیے مخصوص ہوگی۔ یہ عزت واحترام کا سب سے بڑا مقام ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے وعدہ کیا ہوا ہے، جیسا کہ قرآن کہتا ہے:

''امید ہے کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر کھڑا کرے گا۔'' [3]

قیامت کے روز لوگوں کے لیے زیادہ دیر کھڑے رہنا مشکل ہو جائے گا اور وہ شفاعت تلاش کرنا شروع کر دیں گے۔ پہلے وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے، پھر باری باری نوح علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جائیں گے۔ سب کے سب کہہ دیں گے کہ ہم اس کام کے لیے نہیں ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں سے کہیں گے کہ آپ حضرت محمد ﷺ کے پاس جائیں۔ جب لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس پہنچیں گے تو آپ فرمائیں گے: ''أَنَا لَهَا'' (میں اس کام کے لیے چنا گیا ہوں)، پھر آپ ان کی بات مان کر اللہ تعالیٰ کے عرش

کے نیچے سجدہ ریز ہو جائیں گے۔ طویل مدت اس حالت میں رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ آپ سے مخاطب ہوگا:

''اے محمد (ﷺ)! اپنا سر اٹھایئے، سفارش کیجیے، آپ کی سفارش قبول کی جائے گی، مانگیے، آپ کو دیا جائے گا۔'' [4]

② ایسے لوگوں کے لیے شفاعت جن سے کوئی سوال پوچھے بغیر انھیں جنت میں داخل ہونے کی اجازت دے دی جائے گی۔ یہ شفاعت بھی حضرت محمد ﷺ ہی کے لیے خاص ہے۔

③ ان لوگوں کے لیے شفاعت جو دوزخ میں پھینک دیے جانے کے مستحق ہوں گے، نبیِ کریم ﷺ اور دیگر انبیاء اور صلحاء ان میں سے اُن لوگوں کی سفارش کریں گے جن کے لیے سفارش کی اللہ تعالیٰ اجازت دے گا۔

④ وہ گناہ گار جو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لیے دوزخ میں جائیں گے، پھر ان میں سے بعض کو نبیِ کریم ﷺ کی سفارش پر، بعض کو فرشتوں کی سفارش پر اور بعض کو نیک اعمال رکھنے والے مومنوں کی سفارش پر جہنم سے نکال لیا جائے گا۔

⑤ جن کو جنت میں اعلیٰ مقام ملا ہوگا، ان کی طرف سے گناہ گاروں کے لیے شفاعت ہوگی۔

---

1 البقرة 2:255. 2 الأنبياء 21:28. 3 بني إسرائيل 17:79. 4 صحيح البخاري، حديث: 3340، دیکھیے: آدم علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام، نوح علیہ السلام، محمد ﷺ اور قیامت کا دن۔

شہادت

شہادت کا معنی ''گواہی دینا'' ہے۔ اسلام میں شہادت سے مراد کائنات کی سب سے بڑی سچائی کی گواہی دینا ہے۔ سب سے بڑی سچائی یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی (برحق) معبود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو خالق تو کفار بھی مانتے ہیں مگر وہ یہ نہیں مانتے کہ عبادت کے لائق صرف وہی ہے۔ جب نبی ﷺ نے مشرکینِ قریش کو دعوت دی کہ وہ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ کہیں تو انھوں نے جو جواب دیا قرآن مجید نے وہ اس طرح بیان کیا:

''کیا اس نے سارے معبودوں کو ایک کر دیا؟ بے شک یہ تو یقیناً ایک بڑی عجیب بات ہے۔''[1]

لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہ کا دل میں یقین، زبان سے اقرار اور اعمال سے اس کی تصدیق، دینِ اسلام کی روح اور ایمان کی اعلیٰ ترین قسم ہے۔ یہی وہ سچائی ہے جسے لے کر تمام انبیاء اور رسل آئے اور اس سلسلے کی آخری کڑی حضرت محمد ﷺ تھے۔ زبان سے اس سچائی کی گواہی شہادت ہے۔ اور زندگی دے کر یہ گواہی دینا افضل ترین شہادت ہے۔

ہمیں اس سچائی پر ایمان لانے کی دعوت محمد ﷺ نے دی، اس شہادت کا فطری تقاضا ہے کہ حضرت محمد ﷺ کو اللہ کا رسول مانا جائے۔ گویا شہادت دو حصوں پر مشتمل ہے:

① اللہ کے سوا کوئی برحق معبود نہیں ہے۔

② محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

اس شہادت کی شرائط درج ذیل ہیں:

- علم: اس شہادت کے معنوں کا صحیح علم ہونا چاہیے اور اس کے عملی تقاضوں سے بھی آگاہ ہونا چاہیے، جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''پس (اے نبی ﷺ!) آپ جان لیجیے کہ بلاشبہ اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں۔''[2]

- یقین: اس کا مطلب ہے کہ پورے یقین کے ساتھ اور ذرہ برابر شک کیے بغیر یہ مانا جائے کہ اللہ ہی ساری کائنات کا مالک ہے اور وہی تنہا عبادت کے لائق ہے اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں۔ قرآن مجید تقاضا کرتا ہے کہ مومنوں کو ایسا ہونا چاہیے:

''بس (سچے) مومن تو وہ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر انھوں نے شک نہ کیا۔''[3]

- قبولیت: اس کا مطلب ہے کہ اس شہادت کو قبول کیا جائے اور ٹھکرایا نہ جائے۔ اس کی مثال یہودی علماء اور مسیحی راہب تھے۔ وہ اگرچہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ حضرت محمد ﷺ اللہ کے سچے رسول ہیں جنھیں اللہ نے بھیجا ہے لیکن صرف

اَشۡهَدُ اَنۡ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ

وَاَشۡهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُهٗ وَرَسُوۡلُهٗ
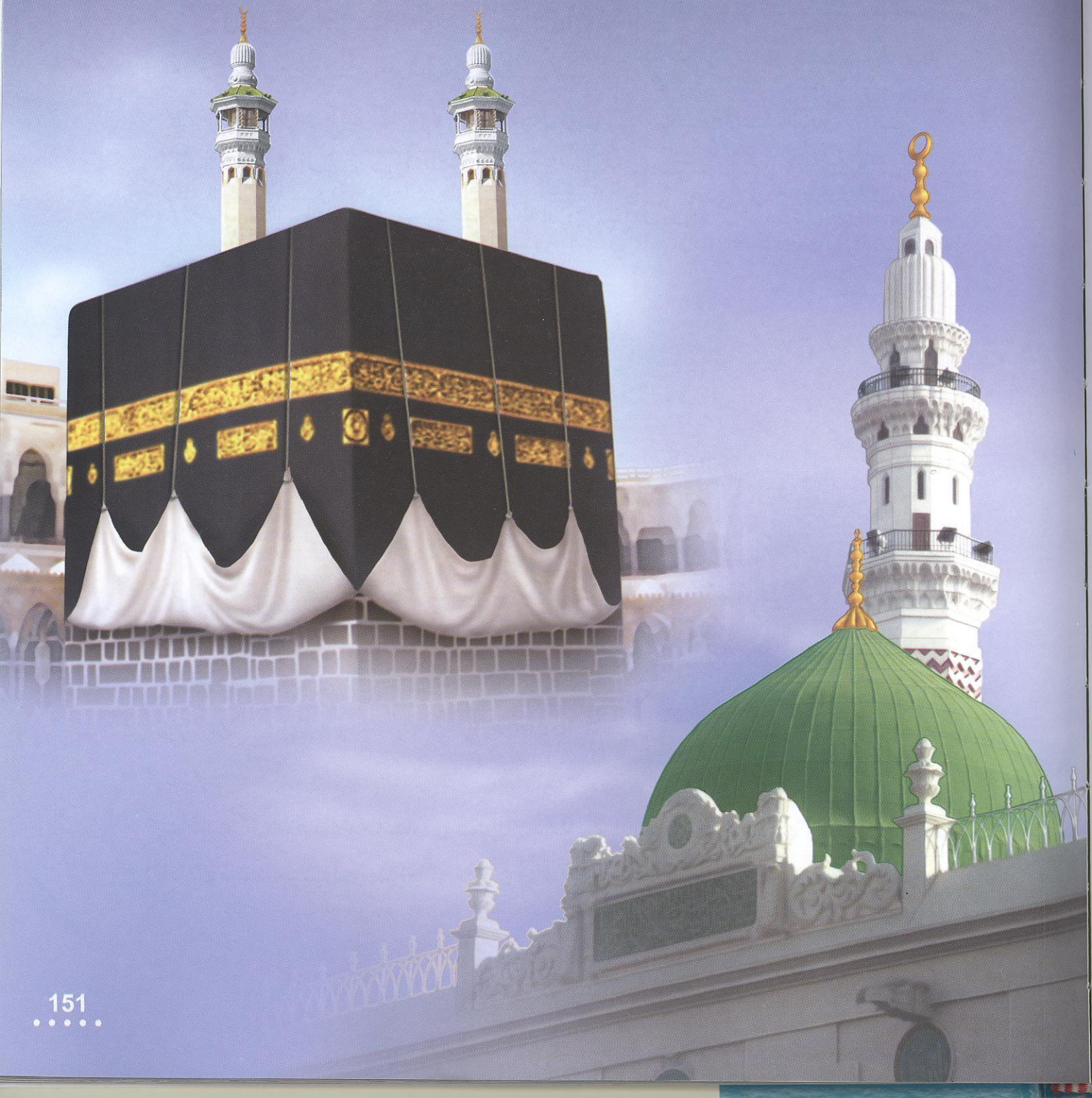
حسد کی بنا پر آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اہل کتاب میں سے بہت سے یہ چاہتے ہیں کاش کہ وہ تمھارے ایمان لانے کے بعد تمھیں پھیر کر کافر بنا دیں، اپنے دلوں میں حسد کرتے ہوئے، اس کے بعد کہ ان کے سامنے حق واضح ہو چکا۔'' [4]

ان لوگوں نے علم کے باوجود چونکہ اس سچائی کو اپنا کر قبول نہ کیا، اسی لیے مومن نہ ہو سکے۔

- اطاعت: اس کے معنی ہیں کہ اپنے اعمال کے ذریعے سے اللہ کی اطاعت اس طرح کی جائے اور اس کے تمام احکامات کی اس طرح تعمیل کی جائے جس طرح سچے معبود کی کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اور جو شخص فرماں برداری سے اپنا منہ اللہ کی طرف جھکا دے جب کہ وہ نیکوکار ہو تو بلاشبہ اس نے مضبوط سہارا پکڑ لیا۔'' [6]

نبیِ کریم ﷺ کی اطاعت، آپ کے احکام اور آپ کی سنت کی پیروی کے ذریعے سے ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''نہیں! (اے نبی!) آپ کے رب کی قسم! مومن نہیں ہو سکتے (سب لوگ) جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر آپ کے کیے ہوئے فیصلوں پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ آنے دیں اور وہ اسے دل و جان سے مان لیں۔'' [6]

- صداقت: اس بارے میں نبی ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص سچے دل سے یہ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ حرام کر دیتا ہے۔'' [7]

تاہم جو کوئی اس کلمے کو محض زبان سے پڑھتا ہے اور دل میں اس کے مفہوم کا انکار کرتا ہے، وہ ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ یہی حال منافقوں کا ہوگا جن کے بارے میں قرآن مجید کہتا ہے:

''اور بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لائے، حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔'' [8]

- خلوص: خلوص سے مراد ایمان کو خالص کرنا ہے۔ یہ شرک کے بالکل برعکس ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے:

''کہہ دیجیے: میں تو اللہ کے لیے اپنے دین کو خالص کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرتا ہوں۔'' [9]

اس لیے ہر انسان کو صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیے اور صرف رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کرنی چاہیے، اسی کو دین میں اخلاص قرار دیا گیا ہے۔

- محبت: محبت سے مراد اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ﷺ سے محبت اور ان کے تمام فرمودات اور ان تمام اعمال و افعال سے محبت کرنا ہے جنھیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ اس سے مراد اس کے نیک بندوں سے اس کی رضا کے لیے محبت کرنا بھی شامل ہے۔
- انکار: اس سے مراد یہ ہے کہ ہر وہ چیز یا شخصیت جس کی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر عبادت کی جائے، اس کو ماننے سے انکار کر دیا

جائے۔اللہ کے تمام انبیاء اور رسولوں نے اپنی اپنی امتوں کو اس بات سے انکار کر دینے کی تلقین کی کہ اللہ کے سوا کوئی سچا معبود ہوسکتا ہے۔انھوں نے صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کی تعلیم دی۔

کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ ''لا'' کے حرفِ انکار سے شروع ہوتا ہے۔اس کلمے کے بہت سے فضائل ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

''مجھے (اللہ کی طرف سے) حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جنگ کروں یہاں تک کہ وہ (اس امر کی) شہادت دیں کہ اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور نماز ادا کرنے لگیں اور زکاۃ دیں۔جس وقت وہ یہ کرنے لگیں گے تو مجھ سے اپنے جان و مال کو محفوظ کرلیں گے، سوائے اسلام کے حق کے۔اور رہا ان کے دل کا حال تو اس حوالے سے ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔''[10]

نبیِ اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

''جس شخص نے (صدقِ دل سے) لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہہ لیا اور اس کے دل میں ایک جَو کے برابر بھی ایمان ہے تو وہ دوزخ سے ضرور نکالا جائے گا، اور دوزخ سے وہ شخص بھی ضرور نکلے گا جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا اور اس کے دل میں گندم کے دانے کے برابر بھی ایمان ہے۔اور دوزخ سے وہ بھی نکلے گا جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا اور اس کے دل میں ایک ذرہ برابر ایمان ہے۔''[11]

---

1 صٓ 38:5. 2 محمد 47:19. 3 الحجرات 49:15. 4 البقرة 2:109. 5 لقمان 31:22. 6 النسآء 4:65.
7 صحيح البخاري، حديث: 128. 8 البقرة 2:8. 9 الزمر 39:14. 10 صحيح البخاري، حديث: 25.
11 صحيح البخاري، حديث: 44، دیکھیے: توحید اور سنت۔

70

شیطان

شیطان اللہ کے سامنے سرکشی کرنے والا اور اس کا سب سے بڑا نافرمان ہے۔ اس نے اللہ کے اس حکم کو ماننے سے صاف انکار کر دیا تھا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو آگ سے پیدا کیا ہے۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے:

''اللہ نے کہا: تجھے کس چیز نے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا؟ وہ بولا: میں اس سے بہتر ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔''[1]

شیطان عربی کا لفظ ہے جو ''شَطَنٌ'' سے اخذ کیا گیا ہے۔ اس کے معنی ہیں، مخالفت کرنا اور دور ہونا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شیطان کی فطرت بنی نوعِ انسان سے دور اور ان کی شدید مخالف ہے۔ علاوہ ازیں یہ اپنے فساد انگیز طور طریقوں کی وجہ سے ہر خیر اور بھلائی سے دور، اس کا مخالف اور دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور اسی طرح ہم نے انسانوں اور جنوں میں سے شیاطین، ہر نبی کے دشمن بنائے۔''[2]

شیطان کی جمع شیاطین ہے۔ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے۔ اس نے نسلِ انسانی کے اولین جوڑے حضرت آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنے کی ترغیب دے کر جنت سے نکلوایا تھا اور پھر عہد کیا تھا کہ وہ آدم علیہ السلام کی نسل کو گمراہ کر کے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر اکساتا رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ شب و روز انسانوں کو برائیوں کی طرف دعوت دیتا اور نیک کاموں سے روکتا رہتا ہے تاکہ وہ جہنم کی آگ میں جلتے رہیں، اس لیے مسلمانوں کو شیطان سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے رہنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور اگر آپ کو شیطان کا کوئی وسوسہ ابھارے تو اللہ کی پناہ مانگیے، بے شک وہ خوب سُننے والا، خوب جاننے والا ہے۔ بے شک جن لوگوں نے تقویٰ اختیار کیا، انھیں جب شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ آ لیتا ہے تو وہ چونک پڑتے ہیں، پھر وہ یکایک سوجھ بوجھ والے ہو جاتے ہیں۔ اور ان (کافروں) کے بھائی (شیاطین) انھیں گمراہی میں کھینچ لے جاتے ہیں اور وہ اس میں کوئی کمی نہیں کرتے۔''[3]

[1] الأعراف 12:7. [2] الأنعام 112:6. [3] الأعراف 7:200-202، دیکھیے: آدم علیہ السلام۔

اِنَّ الشَّیطٰنَ کَانَ لِلاِنسَانِ عَدُوًّا مُّبِینًا
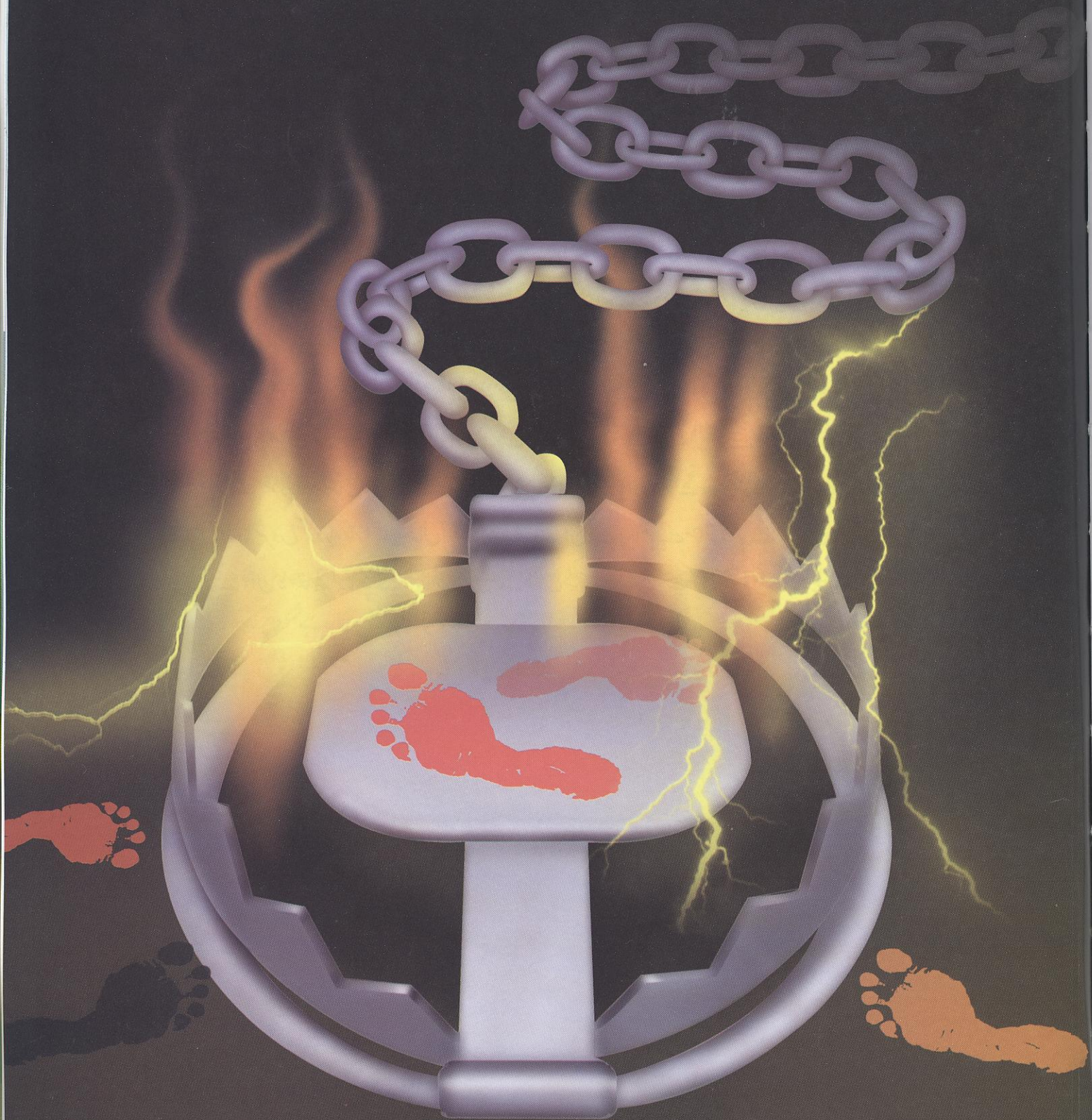
صالح علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے حضرت صالح علیہ السلام کو قومِ ثمود کی طرف نبی بنا کر بھیجا تھا۔ قومِ ثمود سرزمین عرب کے شمال میں مدینہ اور شام کے درمیان رہتی تھی۔ ان کے علاقے میں پہاڑ اور ایک وسیع زرخیز وادی بھی شامل تھی۔

ثمودی بے پناہ زرعی دولت رکھتے تھے اور بڑی مہارت کے ساتھ پہاڑوں کو تراش کر ان کے اندر اپنے مکانات بنایا کرتے تھے۔ یہ لوگ بتوں کی عبادت کرتے تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انھیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں اور کہا کہ تم بت پرستی چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ قرآن مجید میں اس کا ذکر یوں کیا گیا ہے:

''اور (ہم نے) ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ انھوں نے کہا: اے میری قوم! تم اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی معبود نہیں ہے، اسی نے تمھیں زمین سے پیدا کیا اور اسی نے تمھیں اس میں آباد کیا، چنانچہ تم اسی سے بخشش مانگو، پھر اسی کی طرف توبہ کرو، بے شک میرا رب بہت قریب ہے، (دعائیں) قبول کرنے والا ہے۔'' [1]

قومِ ثمود سخت مغرور اور گستاخ تھی۔ اس نے حق کی دعوت کو مسترد کر دیا اور حضرت صالح علیہ السلام کو ''سحر زدہ'' قرار دے کر ان کے پیغام کا مذاق اڑانا شروع کر دیا، پھر انھیں خیال آیا کہ آخر کچھ لوگ ان کے پیغام سے متاثر ہو رہے ہیں، قبل اس کے کہ ان کی تعداد بہت بڑھ جائے، ان کا مقابلہ کرنا چاہیے، چنانچہ انھوں نے صالح علیہ السلام سے کہا کہ آپ کوئی معجزہ دکھا کر ثابت کریں کہ آپ اللہ کے
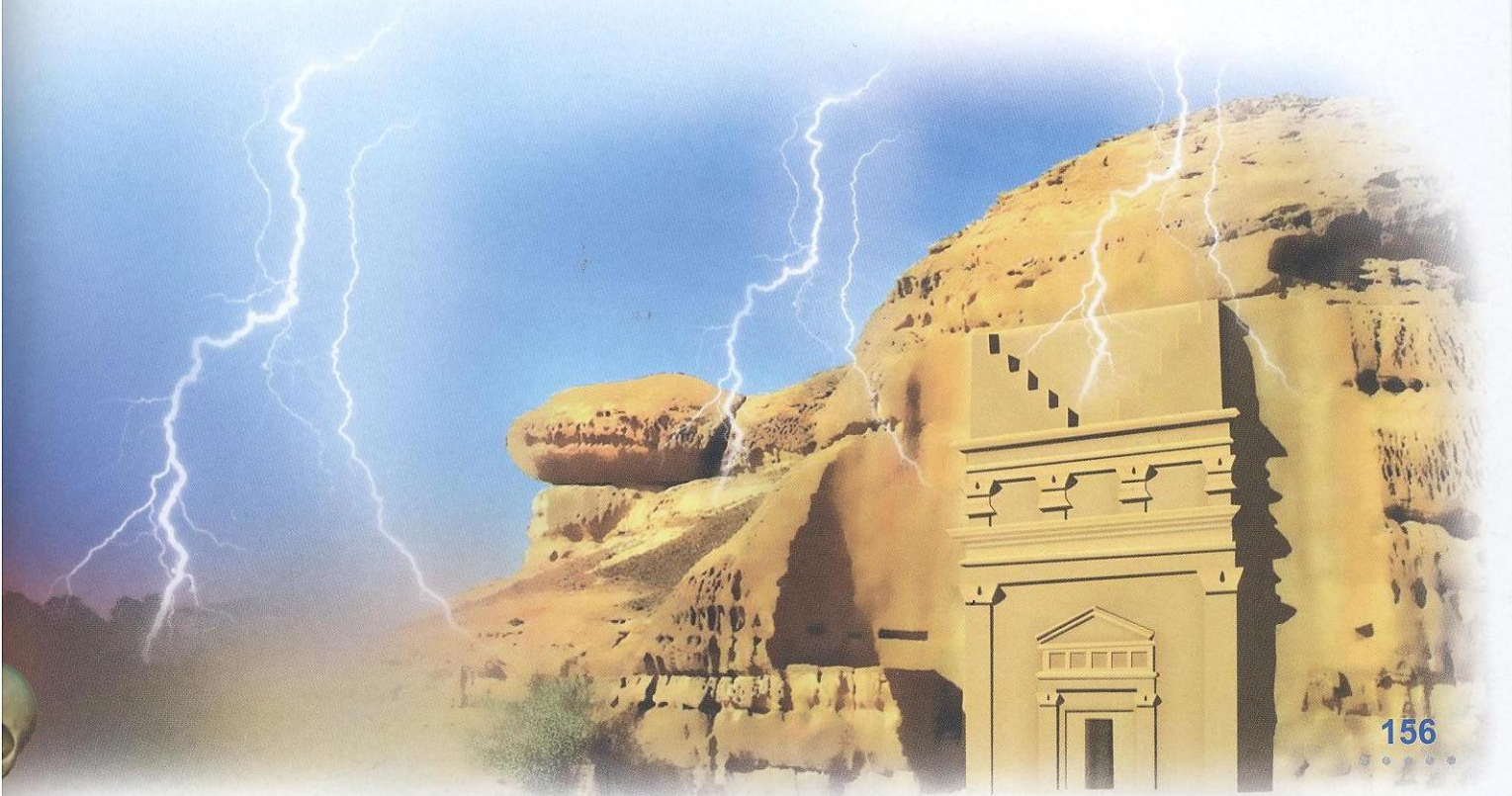
رسول ہیں، پھر انھوں نے خود ہی تجویز پیش کی کہ آپ ان پہاڑی چٹانوں میں سے کوئی اونٹنی نکال کر دکھائیں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے ان سے عہد کیا کہ اچھا میں اپنے رب سے دعا کر کے تمھاری یہ شرط پوری کرادوں گا۔ کیا اس کے بعد تم ایمان لاؤ گے؟ انھوں نے اقرار کرلیا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی دعا قبول فرمالی، چنانچہ کچھ فاصلے پر دکھائی دینے والی چٹان کو حکم دیا کہ وہ پھٹ جائے۔ جب وہ پھٹی تو اس میں سے ایک دس ماہ کی حاملہ اونٹنی نکل آئی۔ یہ معجزہ دیکھ کر بعض تو اللہ پر ایمان لے آئے لیکن اکثریت پھر بھی نہ مانی اور اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر قائم رہی۔

سرکش لوگ جو اس معجزے کے ظہور کو اپنی شکستِ فاش سمجھتے تھے، اس اونٹنی کو نقصان پہنچانے کے درپے ہوگئے۔ انھوں نے منصوبہ بنالیا کہ کسی دن اسے مار ڈالیں گے جس پر صالح علیہ السلام نے ان سے کہا:

''اور اے میری قوم! یہ اونٹنی تمھارے لیے اللہ کی نشانی ہے، لہٰذا تم اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھاتی (چرتی) پھرے اور تم اسے برائی سے چھونا بھی نہیں ورنہ تمھیں جلد آنے والا عذاب پکڑ لے گا۔'' [2]

کچھ اور لوگ مان گئے اور حضرت صالح علیہ السلام کے پیروکار بن گئے لیکن مغرور دولت مند مقابلے پر آ گئے۔ اس حکم کی خلاف ورزی کرتے ہوئے انھوں نے نہ صرف اونٹنی کو مار ڈالا بلکہ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل خانہ کو ہلاک کرنے کا بھی منصوبہ بنالیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی طرف سے انتباہ آنے اور کافروں کے جرم پر تین دن ہی گزرے تھے کہ آسمان سے بڑے زور کی چنگھاڑ نے انھیں آدبوچا جس نے ان کی پُر غرور تہذیب کو ملیامیٹ کر دیا اور وہ اپنے قلعہ نما مکانوں کے اندر ہی موت کا شکار ہو گئے۔ قرآن کریم کہتا ہے:

''اور جن لوگوں نے ظلم کیا تھا انھیں زبردست چیخ نے آ پکڑا، پھر وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ جیسے کبھی ان میں بسے ہی نہ تھے۔ آگاہ رہو! بے شک (قومِ) ثمود نے اپنے رب کا انکار کیا۔ سن لو! پھٹکار ہے ثمود پر۔'' [3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے نویں سال جب شام کی جانب سے رومی لشکر کی آمد کی اطلاع پر اپنی فوج لے کر تبوک پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو قومِ ثمود کی بستی اور ان کے مکانوں میں داخل ہونے اور وہاں کا پانی پینے سے منع فرمادیا اور فرمایا:

''میں ڈرتا ہوں کہ تم پر بھی ویسا ہی عذاب نہ آجائے جیسا ان پر آیا تھا، اس لیے ان کے علاقے میں داخل نہ ہوا کرو۔'' [4]

[1] هود 61:11. [2] هود 64:11.
[3] هود 68,67:11. [4] مسند أحمد: 117/2.

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

صحابی کی جمع صحابہ ہے۔ صحابہ ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جنھوں نے اسلام قبول کیا، اسلام کی حالت میں نبیِ کریم ﷺ سے ملاقات کی اور اسلام ہی پر وفات پائی۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہماری بہترین رہنمائی کرتے ہیں۔ انھوں نے نبیِ اکرم ﷺ سے براہِ راست تعلیم حاصل کی۔ وہ آپ ہی کو نمونۂ عمل سمجھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

''بلاشبہ تم میں سے بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر وہ لوگ جو اُن کے بعد ہوں گے، پھر وہ لوگ جو اُن کے بعد ہوں گے، پھر وہ لوگ جو اُن کے بعد ہوں گے۔'' [1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دو بڑی قسمیں ہیں، ایک کو مہاجرین اور دوسری کو انصار کہا جاتا ہے۔

مہاجرین

یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا اور ہر طرح سے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی، پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم ہونے کے بعد مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے۔

انصار

انصار کے معنی ہیں ''مددگار''۔ انصار سے مراد مدینہ میں رہنے والے وہ لوگ ہیں جو نبی ﷺ پر ایمان لائے، آپ کو پناہ دی اور جان و مال قربان کر کے آپ کی مدد کی۔ مدینے آ کر مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد آپ نے جو سب سے بڑا کام کیا، وہ یہ تھا کہ انصار اور مہاجرین کے درمیان باہمی اخوت اور بھائی چارے کے رشتے کو مضبوط تر بنا دیا۔

انصار کے بارے میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے:

''اور جن لوگوں نے ان (مہاجرین کی آمد) سے پہلے تیار کر رکھا گھروں کو اور ایمان کو، وہ محبت رکھتے ہیں ان لوگوں سے جو ہجرت کر کے ان کے پاس آئے اور جو چیزیں انھیں دی جائیں وہ اپنے دلوں میں ان سے کوئی رغبت نہیں پاتے اور اپنے آپ سے ایثار کرتے ہیں، چاہے انھیں (ان چیزوں کی) شدید ضرورت بھی ہو، اور جو لوگ اپنے دل کے لالچ سے بچا لیے گئے وہی فلاح پانے والے ہیں۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ نے ایک بار انصار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''اللہ (گواہ ہے) تم مجھے سب لوگوں سے زیادہ عزیز ہو۔ آپ نے تین بار ایسا فرمایا۔'' [3]

صحابیہ، صحابی کا صیغۂ تانیث ہے۔ اس کی جمع صحابیات ہے۔ صحابیات سے مراد وہ خواتین ہیں جنھوں نے اسلام قبول کیا، اسلام کی حالت میں نبی ﷺ سے ملیں اور حالتِ ایمان ہی میں دنیا سے رخصت ہوئیں۔ اللہ ان سب سے راضی ہو۔

[1] صحيح مسلم، حديث: 2535. [2] الحشر 9:59. [3] صحيح البخاري، حديث: 3785.

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ
محمد
رسول اللہ

73

صدقہ

صدقہ یا خیرات کسی بھی قسم کی رضا کارانہ خدمت ہے جو ایک مسلمان اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا کے لیے انجام دیتا ہے۔ صدقہ کسی کو پیسے دینے کی صورت میں بھی ہوسکتا ہے، کھانے پینے کی اشیاء کی صورت میں بھی، کپڑوں، جوتوں کی شکل میں بھی، کسی کی رہنمائی کر کے بھی، کسی کو تعلیم دے کر بھی اور ان کے علاوہ بھی بھلائی کی کسی صورت میں ہوسکتا ہے۔ صدقہ نیکی کا کام ہے جسے اسلام کسی کے ایمان کی نشانی قرار دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اللہ کے دیے ہوئے مال اور نعمتوں میں سے صدقہ کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے خرچ کرو جو تم کماتے ہو اور ان میں سے بھی جو ہم نے تمھارے لیے زمین سے نکالی ہیں۔'' [1]

اللہ تعالیٰ صدقہ دینے والوں کو یقیناً اس کا بہتر اجر دے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اور تم اپنے مال میں سے جو کچھ خرچ کرو گے، اس کا تمھیں پورا پورا صلہ دیا جائے گا اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔'' [2]

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''اور تم اللہ کا چہرہ (اس کی خوشنودی) چاہتے ہوئے جو کچھ بطور زکاۃ دو تو ایسے لوگ ہی (اپنا مال) کئی گنا بڑھانے والے ہیں۔'' [3]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''اللہ سود کو مٹاتا ہے اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔'' [4]

ایک مقام پر یوں فرمایا ہے:

''جو لوگ اپنے مال خرچ کرتے ہیں رات اور دن میں، چھپا کر اور ظاہر، ان کے رب کے ہاں ان کے لیے اجر ہے، نہ انھیں کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔'' [5]

صدقہ خالصتاً اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے دیا جانا چاہیے اور حلال رزق میں سے دیا جانا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف حلال، یعنی جائز کمائی میں سے دیے ہوئے صدقہ اور خیرات کو قبول کرتا ہے۔

صدقہ مال و دولت تک ہی محدود نہیں بلکہ ایک مسلمان کا ہر نیک عمل صدقہ ہے، بشرطیکہ اسے صرف

اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے لیے کیا جائے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

”ہر دن جس میں سورج طلوع ہوتا ہے، انسان کے ہر جوڑ پر صدقہ لازم ہے۔ وہ دو آدمیوں کے درمیان عدل و انصاف (کے تقاضوں کے مطابق فیصلہ) کرے تو یہ بھی ایک صدقہ ہے، کسی آدمی کو اس کی سواری کے معاملے میں اگر اس انداز پر بھی اس کی مدد کرے کہ اسے اس پر سوار کرائے یا اس کا سامان اٹھا کر سواری پر رکھ دے تو یہ بھی ایک صدقہ ہے، ہر اچھی بات منہ سے نکالنا بھی صدقہ ہے، ہر قدم جو وہ نماز کے لیے اٹھاتا ہے، وہ بھی صدقہ ہے اور اگر وہ راستے پر سے کسی تکلیف دینے والی چیز کو ہٹا دے تو یہ بھی ایک صدقہ ہے۔“ [6]

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

”ہر تسبیح (سُبْحَانَ اللهِ کہنا) صدقہ ہے، ہر تکبیر (اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہنا) صدقہ ہے، ہر تحمید (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہنا) صدقہ ہے، لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنا صدقہ ہے، نیکی کا حکم کرنا صدقہ ہے اور برائی سے منع کرنا صدقہ ہے۔“ [7]

1 البقرة 2:267۔ 2 البقرة 2:272۔ 3 الرُّوم 30:39۔ 4 البقرة 2:276۔ 5 البقرة 2:274۔

6 صحيح البخاري، حديث: 2989۔ 7 صحيح مسلم، حديث: 1006، دیکھیے: زکاۃ۔

طواف

بیت اللہ شریف کے اردگرد ثواب کی نیت سے سات چکر لگانے اور پھر ''مقامِ ابراہیم'' پر دو رکعت نماز ادا کرنے کو ''طواف'' کہتے ہیں۔ طواف اپنے احکام کے اعتبار سے نماز کی قسم کی عبادت ہے۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ طواف صرف بیت اللہ کے گرد ہوتا ہے اور اس کے دوران میں بات چیت کی جاسکتی ہے جبکہ نماز تمام مساجد بلکہ زمین کے ہر پاک حصے میں پڑھی جاسکتی ہے اور اس میں بات چیت کی ممانعت ہے۔ تاہم یہ کوشش ہونی چاہیے کہ دورانِ طواف جو باتیں کہی جائیں، وہ اچھی ہوں۔ طواف کی کئی اقسام ہیں:

- طوافِ قدوم: میقات سے احرام باندھ کر مکہ پہنچنے پر سب سے پہلے جو طواف کیا جاتا ہے، اسے ''طوافِ قدوم'' کہتے ہیں۔
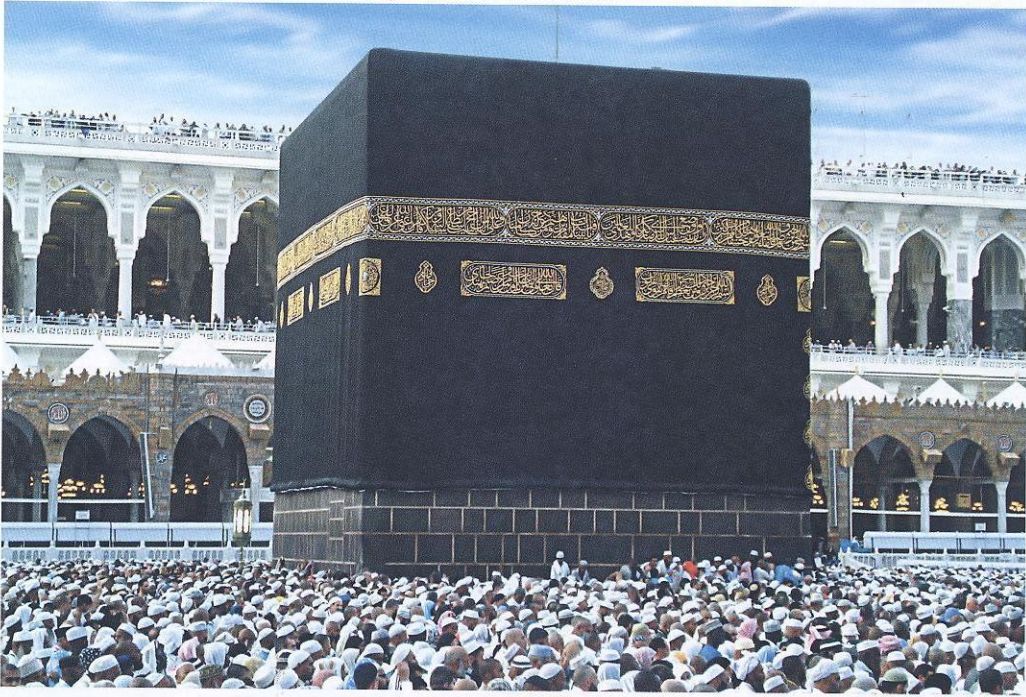
- طوافِ افاضہ: دس ذوالحجہ، عیدالاضحیٰ کے دن کیے جانے والے طواف کو ''طوافِ اِفاضہ'' کہتے ہیں۔ اسے ''طوافِ زیارت'' بھی کہتے ہیں۔ یہ حج کا رکن ہے۔ جو کوئی اسے چھوڑ دے، اس کا حج نہیں ہوتا۔
- طوافِ وَداع: اعمالِ حج ادا کرنے کے بعد مکہ مکرمہ سے رخصت ہونے سے پہلے جو آخری طواف کیا جاتا ہے، اسے ''طوافِ وَداع'' کہتے ہیں۔ یہ مناسکِ حج کا ایک لازمی حصہ ہے۔ جو کوئی اسے ترک کر بیٹھے، اسے ایک جانور کی قربانی بطور کفارہ دینی پڑتی ہے، پھر حج پورا ہوتا ہے۔

طوافِ تطوّع (نفلی طواف): یہ نفلی عبادت کا ایک کام ہے جو مکہ میں قیام کے دوران میں کسی وقت بھی سرانجام دیا جاسکتا ہے۔

طواف کرنے سے پہلے ایک مسلمان کو چاہیے کہ تمام چھوٹی بڑی نجاستوں کو دور کرے اور باوضو ہو جائے۔ طواف شروع کرنے سے پہلے اس کی نیت بھی کرنی چاہیے۔

طواف کی ابتدا حجر اسود کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے یا ہاتھ کا اشارہ کرنے سے ہوتی ہے۔ اگر حجر اسود کو بوسہ دینا یا چھونا ممکن نہ ہو تو اس کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر دینا کافی ہے۔ حجرِ اسود کو بوسہ دینے یا چھونے کے لیے دھکم پیل کرنا قطعاً درست نہیں۔ اس سے ہر صورت بچنا چاہیے۔ طواف کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اپنی دائیں طرف چلے اور بیت اللہ کو بائیں طرف کرے۔ ایک طواف سات چکروں کا ہوتا ہے اور ایک چکر حجر اسود سے چل کر دوبارہ حجر اسود تک پہنچنے پر پورا ہوتا ہے۔ طواف کے ساتوں چکر حطیم کے باہر سے لگائیں۔ حطیم بیت اللہ کا وہ شمالی حصہ ہے جسے ایامِ جاہلیت میں حلال رقم کی قلت کے باعث اہل مکہ باقی عمارت میں شامل نہ کر سکے تھے۔ اس حصے کے اردگرد آدھے دائرے کی شکل میں ایک چھوٹی سی دیوار کھینچ دی گئی ہے تاکہ لوگ اس کے باہر سے طواف کریں کیونکہ یہ بیت اللہ کا حصہ ہے۔ اسے ''حجرِ اسماعیل'' بھی کہتے ہیں۔ حطیم سے آگے بڑھیں تو بیت اللہ کا حجر اسود والے کونے سے پہلا کونا رکن یمانی کہلاتا ہے۔ طواف کے ہر چکر میں رکن یمانی سے گزرتے ہوئے اسے ہاتھ لگانا مسنون ہے۔ اگر بھیڑ کی وجہ سے رکنِ یمانی کو چھونا مشکل ہو تو اس کے بغیر بھی طواف مکمل ہو جاتا ہے۔ طواف مکمل ہو جانے کے بعد، اگر ممکن ہو تو ''مقامِ ابراہیم'' کے پیچھے دو رکعت نماز ادا کرنی چاہیے، ورنہ یہ دو رکعتیں مسجد حرام کے اندر کسی بھی جگہ پڑھی جاسکتی ہیں۔ اس نماز کی پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورۃ الاخلاص پڑھنا افضل ہے۔

طواف کی دو رکعتیں مکمل کرنے کے بعد خوب سیر ہو کر آبِ زم زم پینا اور سر پر ڈالنا مسنون ہے۔

دیکھیے: حج، عمرہ اور مسجدِ حرام۔

طہارت

طہارت کے معنی ہیں ''پاکیزگی حاصل کرنا اور ہر قسم کی نجاستوں اور ناپاکیوں کو دور کرنا''۔ مسلمانوں کو طہارت کی بڑی تاکید کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کر لو۔'' [1]

بعثت کے فوراً بعد اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو حکم دیا:

''اور اپنے کپڑے پاک رکھیے۔ اور ناپاکی سے دور رہیے۔'' [2]

نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

''وضو کے بغیر کوئی نماز قبول نہیں ہوتی۔'' [3]

اسلام میں پاکیزگی کی صحیح اہمیت واضح کرتے ہوئے نبی ﷺ نے فرمایا:

''صفائی نصف ایمان ہے۔'' [4]

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر جسمانی صفائی اور پاکیزگی کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:

''اور اللہ پاکیزگی اختیار کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' [5]

ایک دوسرے مقام پر ارشادِ الٰہی ہے:

''بے شک اللہ تعالیٰ کثرت سے توبہ کرنے والوں اور پاک صاف رہنے والوں سے محبت کرتا ہے۔'' [6]

طہارت دو قسم کی ہے:

- اندرونی طہارت: اس سے مراد دل کو کفر و شرک، نفرت اور حسد جیسے تمام گناہوں سے پاک رکھنا ہے۔
- بیرونی یا ظاہری طہارت: اس سے مراد جسم اور کپڑوں کو پاک رکھنا اور اپنے گرد و پیش کو گندی، ناپاک اور بدبودار چیزوں سے محفوظ رکھنا ہے۔ وضو اور غسل کے لیے پانی دستیاب نہ ہونے کی صورت میں تیمّم کرنا چاہیے، گویا پاکیزگی صاف پانی سے حاصل کی جاتی ہے اور پانی کی عدم موجودگی میں خالص مٹی، شور والی زمین اور ریت سے تیمّم کر کے معنوی پاکیزگی حاصل کی جا سکتی ہے۔

[1] المآئدة 5:6. [2] المدثر 74:4,5. [3] جامع الترمذي، حديث: 1. [4] صحيح مسلم، حديث: 223. [5] التوبة 9:108.
[6] البقرة 2:222، دیکھیے: وضو، غسل اور تیمّم۔

اَلطَّهُوْرُ
شَطْرُ
الْإِيْمَان

عاشورہ

اسلامی سال کی ابتدا محرم سے ہوتی ہے۔ اس مہینے کی دسویں تاریخ کو عاشورہ کہتے ہیں۔ نبی ﷺ اس دن روزہ رکھا کرتے تھے اور عام مسلمانوں کو بھی روزہ رکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آپ کو پتہ چلا کہ یہودی عاشورے کا روزہ رکھتے ہیں۔ آپ نے ان سے اس کا سبب پوچھا تو انھوں نے جواب دیا: یہ ایک اچھا دن ہے، اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن (فرعون) سے نجات دی تھی، اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ رکھا تھا۔ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''میں موسیٰ علیہ السلام کا (شریکِ مسرت و شکر ہونے میں) تم سے زیادہ حق رکھتا ہوں۔'' چنانچہ آپ نے اس دن روزہ رکھا اور صحابہ کو بھی اس کا حکم دیا۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جاہلیت میں قریش بھی عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ بھی یہ نیک عمل کرتے تھے۔ آپ کے مدینہ آنے کے بعد بھی یہ عمل جاری رہا۔ رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد آپ نے اس کو اختیاری عمل قرار دیا اور فرمایا: ''جس کا جی چاہے اس دن کا روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے۔''[2]

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کا روزہ رکھا اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین فرمائی تو صحابہ نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! اس دن کی تعظیم تو یہود ونصاریٰ کرتے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب آیندہ سال آئے گا تو ہم 9 تاریخ کا بھی روزہ رکھیں گے۔ (حدیث بیان کرنے والے نے) کہا: ابھی آیندہ سال نہیں آیا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے۔ [3]

اس حدیث سے واضح ہوا کہ اب عاشورہ کے ساتھ 9 محرم کا بھی روزہ رکھنا چاہیے۔ اکیلا دس محرم کا روزہ رکھنا مناسب نہیں ہے۔ عاشورہ کے روزے کی فضیلت بیان کرتے ہوئے نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اور عاشورہ کے روزے کے بارے میں مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ روزہ اس شخص کے ایک سال پہلے کے (صغیرہ گناہوں) کا کفارہ بن جائے گا جو اسے رکھتا ہے۔'' [4]

لیکن صغیرہ گناہوں کی معافی بھی صرف اس صورت میں ملتی ہے جب کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کیا جائے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

''پانچوں نمازیں، ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک، ایک رمضان دوسرے رمضان تک اپنی درمیانی مدت کے گناہوں کے لیے کفارہ بن جاتے ہیں جب تک کبیرہ گناہوں کا ارتکاب نہ کیا جائے۔'' [5]

---

1 صحيح البخاري، حديث: 2004. 2 صحيح البخاري، حديث: 2002. 3 صحيح مسلم، حديث: 1134.
4 صحيح مسلم، حديث: 1162. 5 صحيح مسلم، حديث: 233.

عام الفیل

''عام الفیل'' (ہاتھیوں والا سال) وہ تھا جس میں حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے۔ اسلام سے پہلے عربوں کے پاس سال شمار کرنے کے لیے اپنا کوئی کیلنڈر نہ تھا۔ اس لیے وہ سال کے دوران میں رونما ہونے والے کسی اہم واقعے پر اس سال کا نام رکھ لیتے اور پھر سالوں کی گنتی اس سے ''پہلے'' اور اس کے بعد کے سال کے حوالے سے کی جاتی۔ جس سال حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے وہ ''ہاتھیوں والا سال'' کہلایا کیونکہ اس سال یمن کا حبشی گورنر ابرہۃ الاشرم جو عیسائی تھا، ایک بڑا لشکر لے کر مکہ کی طرف آیا تھا۔ اس کے لشکر میں گھوڑوں کے ساتھ ہاتھی بھی شامل تھے، اس وجہ سے ان کو ''اصحاب الفیل'' یعنی ہاتھیوں والے، اور اس سال کو ''عام الفیل'' یعنی ہاتھیوں والا سال کہا جاتا ہے۔ ابرہہ خانہ کعبہ کو گرانا چاہتا تھا تاکہ عرب یمن جا کر اس کے تعمیر کیے ہوئے گرجے میں عبادت کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ کعبے کے محافظوں نے اس کا کوئی مقابلہ نہ کیا کیونکہ اس کا لشکر بہت بڑا اور ان کی طاقت سے کہیں زیادہ تھا۔

تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے مقدس گھر کو بچا لیا اور اس کے ناپاک منصوبے کو ناکام بنا دیا۔ اللہ نے اس لشکر کے خلاف پرندوں کے غول بھیج دیے۔ ہر پرندے کی چونچ اور پنجوں میں چنے یا مسور کے برابر سنگریزے تھے جو انھوں نے اس لشکر پر برسانا شروع کر دیے۔ ان پر سنگریزوں کی بارش اس وقت تک مسلسل برستی رہی جب تک وہ سب ہلاک نہیں ہو گئے۔ قرآن مجید نے اس واقعے کا ذکر تیسویں پارے کی سورۃ الفیل میں کیا ہے۔

78

عبادت

عبادت کے معنی خود کو اللہ کا بندہ سمجھنا اور اپنے اعمال سے اس کی بندگی کر دکھانا ہے، یعنی خود کو مکمل طور پر اس کا اطاعت گزار سمجھنا اور ہونا۔ اس کا اظہار عجز و انکسار کے ساتھ اپنے اعمال کے ذریعے سے کیا جاتا ہے۔ عبادت میں معبود کے ساتھ دل کی گہرائیوں سے محبت کا جذبہ بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ ''عبادت ایک جامع اصطلاح ہے۔ اس میں وہ سب کچھ شامل ہے جس سے اللہ خوش ہوتا ہے، اسے پسند کرتا ہے اور اس سے محبت کرتا ہے، خواہ وہ ہمارے دلوں کے اندر کی باتیں ہوں یا ہمارے ظاہری اقوال و اعمال ہوں۔''[1]

اسلام میں عبادت کا دو شرائط پر پورا اترنا ضروری ہے:

- مکمل طور پر ان طریقوں پر چلنا جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اس کے رسول نے اوامر (احکام) اور نواہی (جن کاموں سے روکا گیا ہے) کے ذریعے سے جن چیزوں یا کاموں کو حلال یا حرام قرار دیا ہے ان کی پابندی کرنا ہی اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اطاعت ہے۔
- یہ بھی ضروری ہے کہ ان احکام کی اطاعت اللہ کے ساتھ محبت، اس کے خوف اور اس کی رحمت کی امید سے بھرے ہوئے دل کے ساتھ کی جائے۔

قرآن مجید نے بنی نوع انسان کی پیدائش کے مقصد کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''اور میں نے جنّ اور انسان اسی لیے تو پیدا کیے ہیں کہ وہ میری ہی بندگی کریں۔''[2]

یہی وہ بات ہے جس پر انسانوں کو چلانے کے لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے۔

اسلام میں لفظ عبادت کا مفہوم انتہائی جامع اور وسیع ہے۔ یہ انسانوں کی زندگی کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتا ہے۔ عبادت میں تمام خفیہ اور ظاہری افعال شامل ہیں، مثلاً: نماز، زکاۃ، روزہ اور حج جن کے ذریعے سے اللہ کی اس عظمت کا خوب اظہار ہوتا ہے جو بندے کے دل میں ہے۔ ان کے علاوہ، والدین کے ساتھ محبت و شفقت، رشتہ داروں اور ہمسایوں کے ساتھ مہر و محبت، یتیموں اور ناداروں کے ساتھ حُسنِ سلوک، جانوروں پر شفقت، وعدہ ایفا کرنا، معاہدوں کی پابندی، اچھائی کا حکم کرنا، برائیوں سے روکنا، اللہ کو ہر وقت یاد رکھنا، قرآن مجید کی تلاوت کرنا اور اسے سمجھنے کی کوشش کرنا، نیز وہ سب امور جن کا اللہ نے حکم دیا ہے، عبادت کی ذیل میں آتے ہیں۔ دل کے افعال، مثلاً: اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محبت، اللہ سے ڈرنا، اس سے مغفرت طلب کرتے رہنا، اس کے فیصلوں پر راضی رہنا، اس کی رحمتوں کی امید رکھنا اور اس کے عذاب سے خوف کھانا بھی عبادات میں شامل ہیں۔

درحقیقت ہر اچھا کام، خواہ وہ بظاہر کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، اگر صرف اور صرف اللہ کی رضا کے لیے، آخرت میں اس کی جزا کی امید پر اور رسول اللہ ﷺ کی ہدایات کے مطابق کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت بن جاتا ہے، حتیٰ کہ ہماری وہ سرگرمیاں بھی عبادت بن سکتی ہیں جو ہم نے طبعی تسکین کے لیے، لیکن اللہ کی رضا کے حصول کی نیت کے ساتھ کی ہوں۔

[1] فتح المجید، ص: 17. [2] الذّٰریٰت 56:51.

عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تیسرے خلیفۂ راشد تھے۔ آپ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے سات سال بعد پیدا ہوئے۔ آپ اس زمانے کے مطابق اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے۔ مکہ کے دولت مند ترین تاجروں میں شمار ہوتے تھے۔ جب حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو آپ کے چچا نے آپ پر بڑی سختیاں کیں۔ اسلام ترک کرنے کے لیے شدید دباؤ ڈالا، مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پائے استقلال میں کوئی لغزش نہ آئی۔ روکنے والے بے بس ہوگئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ''ذوالنورین''، یعنی ''دو نوروں والا'' بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے آپ کے نکاح میں آئیں۔ پہلے حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا سے شادی ہوئی۔ وہ فوت ہوئیں تو حضرت امِ کلثوم رضی اللہ عنہا آپ کے نکاح میں آئیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی بے پناہ فیاضی کی وجہ سے بھی بڑی شہرت رکھتے تھے۔ آپ غریبوں، محتاجوں اور ضرورت مندوں کی دل کھول کر مدد کرتے تھے۔ انھوں نے اپنی دولت کا بڑا حصہ مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی بھلائی کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غزوۂ تبوک کے لیے مالی تعاون کی اپیل کی تو پہلی، دوسری اور تیسری اپیل پر، سب سے زیادہ مالی

تعاون حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی کا تھا۔ انھوں نے ہر بار سو اونٹ مع جملہ سامانِ جہاد فراہم کیے۔ ان کے علاوہ اس جنگ کے لیے پچاس گھوڑے بھی مع ساز و سامان فراہم کیے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عثمان! آج کے بعد چاہے کوئی بھی عمل کریں، ان کے لیے جنت لازمی ہوگئی ہے۔ جب مسجد نبوی کی توسیع کا مرحلہ آیا تو انھوں نے اس مقصد کے لیے مسجد سے متصل جگہ خرید کر دی۔ انھوں نے متعدد غلام خرید کر آزاد کیے۔ جنھیں اسلام قبول کرنے کی پاداش میں ان کے کافر و مشرک آقا سزائیں دیتے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں جب قحط پڑا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پچیس ہزار درہم کا غلہ درآمد کر کے پریشان حال لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ یہ اس زمانے کے لحاظ سے بہت بڑی رقم تھی۔ یہ ان کی طرف سے اسلام اور مسلمانوں کی بھلائی کے کاموں کی صرف چند مثالیں ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حیا اور تقویٰ میں بھی بہت مشہور تھے۔ ایک دفعہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بارے میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ ''میں ایسے شخص سے کیوں نہ حیا کروں جس سے فرشتے بھی حیا کرتے ہیں۔''[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ رات کا ایک حصہ تہجد کی نماز میں گزارتے، ہر دوسرے یا تیسرے دن روزہ رکھتے اور ہر سال حج کرتے تھے۔ بہت مالدار ہونے کے باوجود سادہ زندگی بسر کرتے تھے۔ آپ ان دس حضرات میں شامل ہیں جنھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی۔ ان دس حضرات کو ''عشرہ مبشرہ'' کہا جاتا ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت میں اسلامی ریاست وسیع ہو کر مغرب میں مراکش تک، مشرق میں افغانستان تک اور شمال میں آرمینیا اور آذربائیجان تک پہنچ گئی۔ انھوں نے بڑی دور رس اصلاحات کیں، مثلاً: بحری فوج کو منظم کیا، ریاست کی انتظامی اکائیوں کی از سرِ نو تشکیل کی، مفادِ عامہ کے منصوبے بنائے اور ان کی تکمیل کی۔ جب انھیں احساس ہوا کہ اسلامی ریاست کی سرحدوں کی وسعت کے ساتھ ساتھ مختلف شہروں میں قرآن مجید کی مختلف قراءتیں ترویج پا رہی ہیں جس سے آگے چل کر اسلام کو نقصان پہنچ سکتا ہے تو انھوں نے ریاست بھر سے تمام قرآنی نسخے منگوا لیے اور صحابہ و ممتاز تابعین پر مشتمل ایک کمیٹی قائم کر دی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق محفوظ شدہ قرآن مجید کے نسخے سے بہت سارے نسخے قلم بند کیے اور ان کو ملک کے کونے کونے میں پھیلا دیا۔ اس طرح انھوں نے تمام مسلمانوں کو ایک مستند نسخے پر جمع کر کے اختلاف کا دروازہ بند کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خلافت بارہ سال تک رہی۔ پہلے چھ سالوں میں مسلمانوں کے ہاں مکمل امن و امان رہا اور داخلی سلامتی اور امت کے اتحاد میں کوئی کمزوری پیدا نہ ہوئی لیکن بعد کے چھ برسوں میں مختلف عناصر کی سازشوں کی بنا پر معاملات بگڑتے رہے اور بے چینی پھیلتی رہی۔ اندرونی خلفشار کا آغاز اس طرح ہوا کہ ایک یمنی یہودی عبداللہ بن سبا نے مسلمانوں کی یکجہتی ختم کرنے کے مقصد کے تحت اسلام قبول کر لیا اور اختلافات پیدا کرنا شروع کر دیے۔ جب اس نے طرح طرح کی بدگمانیاں پھیلا دیں تو یہودیوں اور ان کے ہمنواؤں نے ان سے فائدہ اٹھا کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خلاف بغاوت کی ایک سازش تیار کر لی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس بغاوت کو کچلنے کی پوری طاقت رکھتے تھے مگر نرم دل اور بردبار ہونے کی وجہ سے انھوں نے مسائل کو افہام و تفہیم کے ذریعے سے حل کرنے کی کوشش کی۔ دراصل وہ مسلمانوں کا خون بہانے میں پہل کرنے سے بچنا چاہتے تھے۔ اس

سے باغیوں کے حوصلے مزید بڑھ گئے اور انھوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ مطالبہ اس بنا پر مسترد کر دیا کہ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کر کے آپ کو ایک ذمہ داری سونپی تھی جسے آپ مٹھی بھر شر پسندوں کے مطالبے پر ترک نہیں کر سکتے تھے۔ اس طرح مستعفی ہونے کا مطلب یہ تھا کہ عامۃ المسلمین کے اعتماد کو ٹھیس پہنچائی جائے۔ دوسری بات یہ تھی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو ایک بار نصیحت فرمائی تھی:

”اے عثمان! ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمھیں (خلافت کی) قمیص پہنائے اور لوگ تم سے اس قمیص کو اتارنے کا ارادہ اور مطالبہ کریں تو تم ان کے لیے اس کو نہ اتارنا۔“ [2]

اس پر ملک بھر کے سازشیوں نے مدینے پر دھاوا بول دیا۔ خلیفہ کے مکان کا چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا۔ جب محاصرہ خاصا طویل ہو گیا تو باغی دیواریں پھلانگ کر اندر داخل ہو گئے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس وقت اپنے کمرے میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ باغیوں نے آپ کو شہید کر دیا۔ آپ کی اہلیہ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا نے چھڑوانے کی کوشش کی تو انھیں زخمی کر دیا۔ ان کے ہاتھ کی انگلیاں کٹ گئیں۔ شہادت کے وقت آپ قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے اور آپ کے خون کے چھینٹے اس آیت کے آخری جملے پر گرے:

﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ۝﴾

”پھر اگر وہ (سب لوگ) اس چیز پر ایمان لے آئیں جس پر تم ایمان لائے ہو تو بے شک وہ ہدایت پا جائیں گے اور اگر وہ منہ موڑیں تو پھر وہی مخالفت میں ہیں، سو ان کے مقابلے میں تمھارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے۔“ [3]

ایک روایت میں ہے کہ نبیِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں جنت کی بشارت دی تھی اور اس آزمائش کا بھی ذکر کیا تھا جو آپ کے لیے آنے والی تھی۔ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ خبر پہنچی تو انھوں نے دعا کی:

«اَللّٰهُمَّ! صَبْرًا، وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ»

”اے اللہ! صبر عطا فرما اور اللہ تعالیٰ ہی مددگار ہے۔“ [4]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے ساتھ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے جو پیش گوئی فرمائی تھی، وہ پوری ہو گئی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جمعۃ المبارک 18 ذوالحجہ 35 ہجری کو سہ پہر کے وقت شہید کیے گئے۔ سن عیسوی کے مطابق یہ 656 تھا۔ اس وقت آپ کی عمر 82 سال تھی۔

---

1 صحیح مسلم، حدیث: 2401. 2 جامع الترمذي، حدیث: 3705. 3 البقرة 2:137.
4 صحیح مسلم، حدیث: 2403، دیکھیے: شہداء اور خلفائے راشدین۔

80

عرفات

عرفات مکہ کے شمال میں ایک پہاڑ اور اس کے دامن میں ایک وسیع و عریض میدان ہے۔ اس کو عرفہ بھی کہا جاتا ہے اور عرفات بھی۔ 9 ذوالحجہ کو حجاج کرام ایک دن کے لیے اس میدان میں اکٹھے ہوتے ہیں۔ عرفہ میں اسی ایک دن کا قیام حج کا اہم ترین رکن ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

«اَلْحَجُّ عَرَفَةُ»

"حج (وقوفِ) عرفہ ہے۔" [1]

اگر کوئی حج کرنے والا، حج کے تمام ارکان ادا کرے مگر میدان عرفات میں ایک دن کے قیام کا موقع کھو دے تو اس کا حج نہیں ہوتا اور فدیہ وغیرہ سے اس کی تلافی بھی نہیں ہوتی۔ ایسے شخص پر لازم ہے کہ وہ اپنی قربانی (بکرا، اونٹ یا گائے) ذبح کر دے، احرام اتار دے اور آیندہ سال دوبارہ حج کرے۔ نبیِ اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

"یوم عرفہ کے سوا کوئی ایسا دن نہیں جس میں اللہ تعالیٰ اتنی کثرت سے اپنے بندوں کو آگ سے آزاد کرے، اس روز اللہ تعالیٰ (اپنے بندوں کے) بہت قریب ہوتا ہے، اور فرشتوں کے سامنے ان (حاجیوں) کی وجہ سے فخر کرتا ہے اور فرشتوں سے پوچھتا ہے: (ذرا بتاؤ تو) یہ لوگ کیا چاہتے ہیں؟" [2]

عرفہ کے دن حجاج کرام حج کا خطبہ سنتے ہیں، پھر نمازِ ظہر اور نمازِ عصر کو قصر اور جمع کرتے ہیں، یعنی دو دو رکعتیں کم کر دیتے ہیں اور دونوں کو یکے بعد دیگرے ایک ساتھ ادا کرتے ہیں۔ دونوں کے لیے اذان ایک ہی ہوتی ہے، البتہ اقامتیں (تکبیریں) الگ الگ کہی جاتی ہیں، ایک اقامت نمازِ ظہر کے لیے اور دوسری نمازِ عصر کے لیے ہوتی ہے۔

عرفہ میں قیام کرتے ہوئے حجاج کرام پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ اس کی حمد و ثنا بیان کرتے ہیں اور سورج غروب ہونے تک اپنی مغفرت کے لیے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔ پھر سورج غروب ہوتے ہی مزدلفہ کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں۔

1 جامع الترمذي، حديث: 889. 2 صحيح مسلم، حديث: 1348، دیکھیے: حج، منیٰ، مزدلفہ، سعی اور اذان و اقامت۔

عقیقہ

عقیقہ، اس قربانی کو کہا جاتا ہے جو کسی بچے کی پیدائش کے بعد ساتویں دن کی جاتی ہے۔ عقیقہ کرنے والا جس جانور کو قربان کرنا چاہتا ہے اس میں کوئی ایسا جسمانی نقص نہیں ہونا چاہیے جو اس کی قربانی میں مانع ہو۔ پیدا ہونے والا بچہ اگر لڑکا ہو تو اس کی طرف سے دو بکروں / بکریوں اور لڑکی ہو تو اس کی طرف سے ایک بکرے / بکری کی قربانی دی جاتی ہے۔

ساتویں روز بچے کا سر منڈوا دیا جاتا ہے اور اس کے اترنے والے بالوں کے وزن کے برابر چاندی خیرات کردی جاتی ہے۔ بچے کا نام بھی رکھ دیا جاتا ہے۔[1]

اگر کوئی شخص ساتویں دن اپنے بچے / بچی کا عقیقہ نہ کر سکے تو بچے کی پیدائش کے چودھویں یا اکیسویں دن بھی عقیقہ کیا جاسکتا ہے۔ اگر بچہ ساتویں روز سے پہلے ہی وفات پا جائے تو اس کی طرف سے عقیقہ نہیں کیا جاتا۔

[1] صحیح مسلم، حدیث: 2132، دیکھیے: قربانی۔
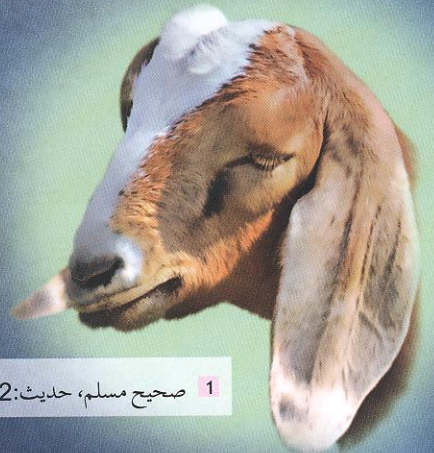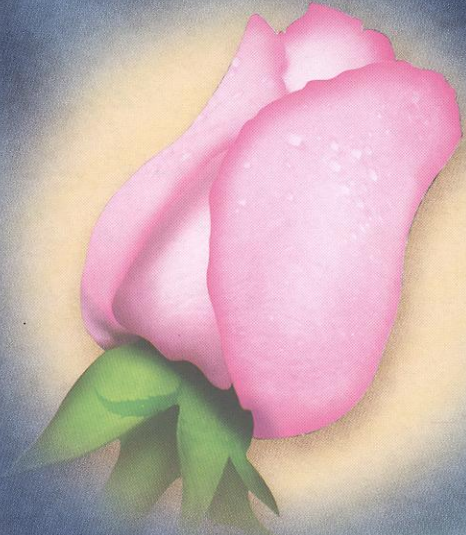
علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ

سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد تھے۔ ان کی ولادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تقریباً تیس سال بعد ہوئی۔ علی رضی اللہ عنہ کی پیدائش سے کچھ عرصہ بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انھیں پرورش کے لیے اپنے گھر لے آئے تا کہ ان کے مہربان اور شفیق چچا ابو طالب کا کچھ بوجھ کم ہو جائے۔ ابو طالب مالی طور پر کمزور تھے۔ ان پر ایک بڑے خاندان کی دیکھ بھال کی ذمہ داریاں تھیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ پاکیزگی اور تقویٰ کے ماحول میں پرورش پانے لگے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان کیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ تقریباً دس سال کے تھے۔ وہ فوراً آپ پر ایمان لے آئے۔ وہ پہلے بچے تھے جو مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کبھی بتوں کے سامنے سر نہیں جھکایا۔ آپ کو تقویٰ، فراست، عجز و انکسار، جرأت، بہادری اور قوت کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل ہوئی۔ آپ نے اپنے آپ کو اللہ کے دین کی خدمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے وقف کر دیا۔ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں متعدد جنگوں میں حصہ لیا اور ہر بار بے پناہ شجاعت کا مظاہرہ کر کے کامیابی حاصل کی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پُر شفقت سرپرستی میں پلے بڑھے تھے، اس لیے آپ کے اندر زندگی اور ایمان کے بنیادی حقائق کے بارے میں گہری بصیرت پائی جاتی تھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ اپنے خونی رشتے کو مزید تقویت دینے کے لیے اپنی سب سے چھوٹی اور سب سے پیاری بیٹی سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا رشتہ ان کے ساتھ کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ہاں تین بیٹے حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ، مُحسّن رضی اللہ عنہ اور دو بیٹیاں حضرت زینب اور حضرت امّ کلثوم رضی اللہ عنہما پیدا ہوئیں۔ محسن رضی اللہ عنہ پیدائش کے فوراً بعد فوت ہو گئے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ بہت بڑے ذی علم اور صاحبِ دانش و فراست تھے۔ وہ وحی لکھنے والے عظیم صحابہ میں سے ایک تھے۔ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو خطوط باہر بھیجتے، وہ انھی سے لکھواتے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جن دس صحابہ کو زندگی ہی میں جنت کی بشارت دی تھی، حضرت علی رضی اللہ عنہ ان میں سے ایک تھے۔ ان دس صحابہ کو "عشرہ مبشرہ" کہا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ چوتھے خلیفۂ راشد تھے۔ ان سے پہلے جو تین خلفائے راشدین تھے، وہ ان کے مشوروں پر بہت انحصار کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ علی رضی اللہ عنہ ہم میں سے بہترین منصف (جج) ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک روز نمازِ فجر کے لیے جا رہے تھے کہ ایک خارجی عبدالرحمٰن بن ملجم نے پیچھے سے ان پر زہر میں بجھی ہوئی تلوار کا وار کیا۔ اس وار سے آپ کے سر پر شدید زخم آیا۔ ابن ملجم کو وہیں گرفتار کر لیا گیا۔ انتقال سے پہلے آپ نے حکم دیا کہ اگر میں

ان زخموں کی وجہ سے رحلت کر جاؤں تو میرے قاتل عبدالرحمٰن بن ملجم کو جلدی اور انسانی طریقے سے قتل کیا جائے تاکہ اسے زیادہ اذیت نہ پہنچے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وفات کوفہ میں ہوئی اور وہیں ان کی تدفین ہوئی۔ یہ 40 ہجری 21 رمضان المبارک کی بات ہے۔ شہادت کے وقت آپ کی عمر 63 سال تھی۔

ایک بار نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کہا تھا: ''کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ تم میرے لیے ویسے ہی ہو جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے حضرت ہارون علیہ السلام تھے، تاہم میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔'' [1]

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ان سے یہ بھی کہا: ''تم مجھ سے ہو اور میں تم سے ہوں۔'' [2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے اس حال میں رخصت ہوئے کہ آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خوش تھے۔'' [3]

[1] صحيح البخاري، حديث: 4416. [2] صحيح البخاري، حديث: 2699. [3] صحيح البخاري، قبل حديث: 3701، دیکھیے: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفائے راشدین۔

83

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ قریش کے اہم فرد خطاب کے بیٹے تھے۔ ان کی والدہ کا نام حَنتَمہ بنت ہاشم تھا۔ آپ قریش کے قبیلے بنو عدی سے تعلق رکھتے تھے جسے بڑی عزت و تکریم کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یہ خاندان دوسرے قبیلوں سے ہونے والی گفت و شنید میں قریش کی نمائندگی کرتا اور لڑائی جھگڑوں کی صورت میں تصفیہ کار کے فرائض بھی انجام دیتا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ واقعہ فیل کے تیرہ برس بعد پیدا ہوئے۔ آپ اُن گنے چنے افراد میں سے تھے جو لکھنا جانتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شروع میں اسلام کے علانیہ دشمنوں میں سے تھے مگر اسلام لانے کے بعد وہ اسلام کا پوری قوت سے دفاع کرنے لگے۔ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ ''اے اللہ! عمر بن خطاب اور ابو جہل میں سے جسے تو پسند فرمائے، اس کے ذریعے سے اسلام کو قوت پہنچا۔'' [1]

یہ دعا فوراً قبول ہوگئی اور اللہ تعالیٰ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو اسلام کی خدمت کے لیے چن لیا جبکہ ابو جہل مشرک، کافر اور دشمنِ اسلام کے طور پر قتل ہوا۔ اس کو ابو جہل کا خطاب نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے دیا تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ دوسرے خلیفۂ راشد تھے اور اسلامی کردار اور صفات کے بہترین نمونوں میں سے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انھیں ''الفاروق'' کا خطاب دیا تھا جس کے معنی ہیں ''حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والا۔'' آپ واحد شخص تھے جنھوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف علی الاعلان ہجرت کی۔ جب مدینہ کے لیے ہجرت شروع ہوئی تو مسلمانوں کی اکثریت کو چوری چھپے ہجرت کرنا پڑتی تھی لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنا اسلحہ لیا، کعبے میں گئے اور وہاں نماز ادا کی۔ سردارانِ مکہ خاموشی سے آپ کو دیکھتے رہے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو ان کی طرف دیکھتے ہوئے اعلان کیا:

''میں مدینے کے لیے روانہ ہو رہا ہوں، اگر مجھے کوئی روکنا چاہتا ہے تو وہ وادی کے پار آکر مجھ سے ملے، اس کی ماں اس کے سوگ میں ہمیشہ روتی رہے گی۔''

ایسا کئی مواقع پر ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک رائے دی اور قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے اس رائے کی تائید و توثیق فرمائی

جس سے ان کی صحیح فکر اور اعلیٰ سوچ کا ثبوت ملتا ہے۔ آپ تمام جنگوں اور معرکوں میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ رہے۔ آپ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اتنی محبت تھی کہ آپ کسی خونی رشتے یا دوستی کو اس محبت کی راہ میں حائل نہیں ہونے دیتے تھے۔

آپ کو انصاف پسندی، ذاتی نظم و ضبط، عجز و انکسار اور رعایا کی اچھی دیکھ بھال کی وجہ سے بہت شہرت ملی۔ آپ دوسرے خلیفۂ راشد اور پہلے حکمران ہیں جنھیں امیرالمومنین (اہل ایمان کے لیڈر) کہا گیا۔ آپ ان دس ممتاز ترین صحابہ میں سے تھے جنھیں نبیِ اکرم ﷺ نے ان کی دنیوی زندگی ہی میں جنت کی بشارت دے دی تھی۔ انھیں ''عشرہ مبشرہ'' یعنی بشارت پانے والے دس افراد کہا جاتا ہے۔ حکومت اور انتظامِ حکومت کے حوالے سے بہت سے کارناموں میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام خاص طور پر آتا ہے، مثلاً: دیوان (سماجی خدمات) کو منظم کرنا، اسلامی کیلنڈر متعارف کروانا، سرکاری خزانے کا نظام، ڈاک کا نظام، عدالتی نظام اور تعلیمی نظام قائم کرنا وغیرہ۔ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی قیادت میں قرآن کریم کو رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق جمع کرنے میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔ نبی ﷺ نے ایک بار آپ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

''تم سے پہلی امتوں میں محدَّث ہوا کرتے تھے اور اگر میری امت میں کوئی ایسا شخص ہے تو وہ عمر ہے۔''[2]

محدَّث اس شخص کو کہتے ہیں جس پر اللہ کی طرف سے القا ہو اور حق اس کی زبان پر جاری ہو جائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:

إِنَّ الشَّيْطَانَ لَيَخَافُ مِنْكَ يَا عُمَرُ

'یقیناً شیطان تجھ سے ڈرتا ہے، اے عمر!''

(جامع الترمذي: 3690
و السلسلة الصحيحة:5/ 330، حديث:2261)

---

1 جامع الترمذي، حديث:3681. 2 صحيح البخاري، حديث: 3689، دیکھیے: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، خلفائے راشدین اور اسلامی کیلنڈر۔

84
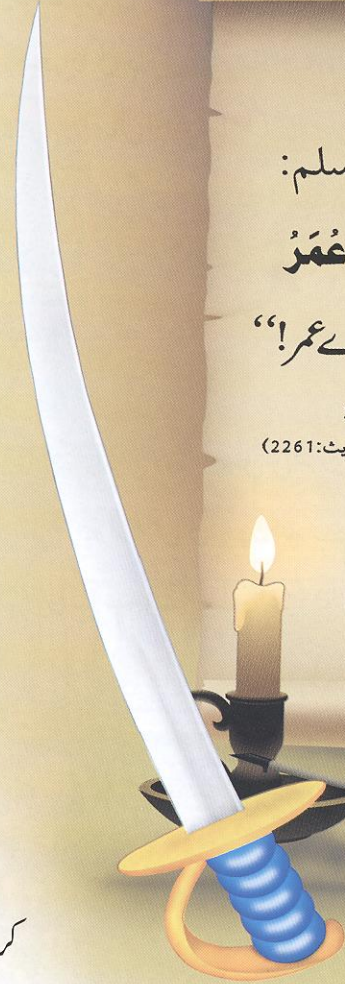
عمرہ

حج کے علاوہ عمرہ ایک خاص عبادت ہے جو صرف بیت اللہ پہنچ کر کی جا سکتی ہے۔ یہ بیت اللہ کے طواف اور صفا مروہ کے درمیان سعی سے عبارت ہے۔ عمرے کا مکمل طریقہ یہ ہے کہ پہلے میقات (جہاں سے احرام باندھنا ضروری ہے) سے احرام باندھا جائے، پھر کعبے کا طواف کیا جائے اور مقام ابراہیم کے قریب دو رکعت ادا کی جائیں، پھر صفا اور مروہ کے درمیان سعی کی جائے اور آخر میں سر کے بال منڈوائے یا ترشوا کر احرام ختم کر دیا جائے۔ عمرہ پورا سال ادا کیا جا سکتا ہے جبکہ حج کے لیے ذوالحجہ کی آٹھ سے لے کر 13 تاریخ تک کا عرصہ مخصوص ہے۔ حج میں عمرے کی نسبت زیادہ مناسک ادا کرنے ہوتے ہیں جبکہ عمرہ دن یا رات کے ایک حصے میں مکمل ہو جاتا ہے۔ عمرہ چھوٹا حج ہے اور ایک اہم عبادت ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

''ایک عمرے کے بعد دوسرا عمرہ دونوں کے درمیان سرزد ہونے والے گناہوں کا کفارہ ہے اور حجِ مبرور کی جزا جنت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔'' [1]

نبیِ کریم ﷺ صحابہ رضی اللہ عنہم کو عمرہ ادا کرنے کی ترغیب دیا کرتے تھے، خواہ کسی دوسرے ہی کی طرف سے ہو۔ حضرت ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی: اے اللہ کے رسول! میرے والد بہت بوڑھے ہیں، نہ حج اور عمرہ کر سکتے ہیں اور نہ سواری پر سوار ہو سکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا: ''اپنے والد کی طرف سے حج اور عمرہ کرو۔'' [2]

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

''ماہِ رمضان میں عمرہ کرنا ایک حج یا (فرمایا:) میری معیت میں ایک حج (کے ثواب کے برابر) ہے۔'' [3]

البتہ اس پر اجماعِ امت ہے کہ رمضان میں عمرہ کر کے کوئی شخص فرض حج سے مستثنیٰ نہیں ہو جاتا، بشرطیکہ وہ جسمانی اور مالی استطاعت رکھتا ہو۔ ایک اور موقعے پر نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

''جو حج اور عمرہ ادا کرنے آتے ہیں وہ اللہ کے پاس حاضری دینے والے وفد (کی طرح) ہیں، اگر وہ اللہ سے دعا کریں تو اللہ ان کی دعا قبول کرتا ہے اور اگر وہ بخشش مانگیں تو انھیں بخش دیتا ہے۔'' [4]

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ کے مہمان تین ہیں: اللہ کی راہ میں جنگ کرنے والا، حج کے لیے آنے والا اور عمرہ کرنے والا۔'' [5]

---

1 صحيح البخاري، حديث: 1773. 2 جامع الترمذي، حديث: 930. 3 صحيح البخاري، حديث: 1863.

4 سنن ابن ماجه، حديث: 2892. 5 سنن النسائي، حديث: 2626، دیکھیے: رمضان المبارک، احرام، طواف، سعی اور حج۔
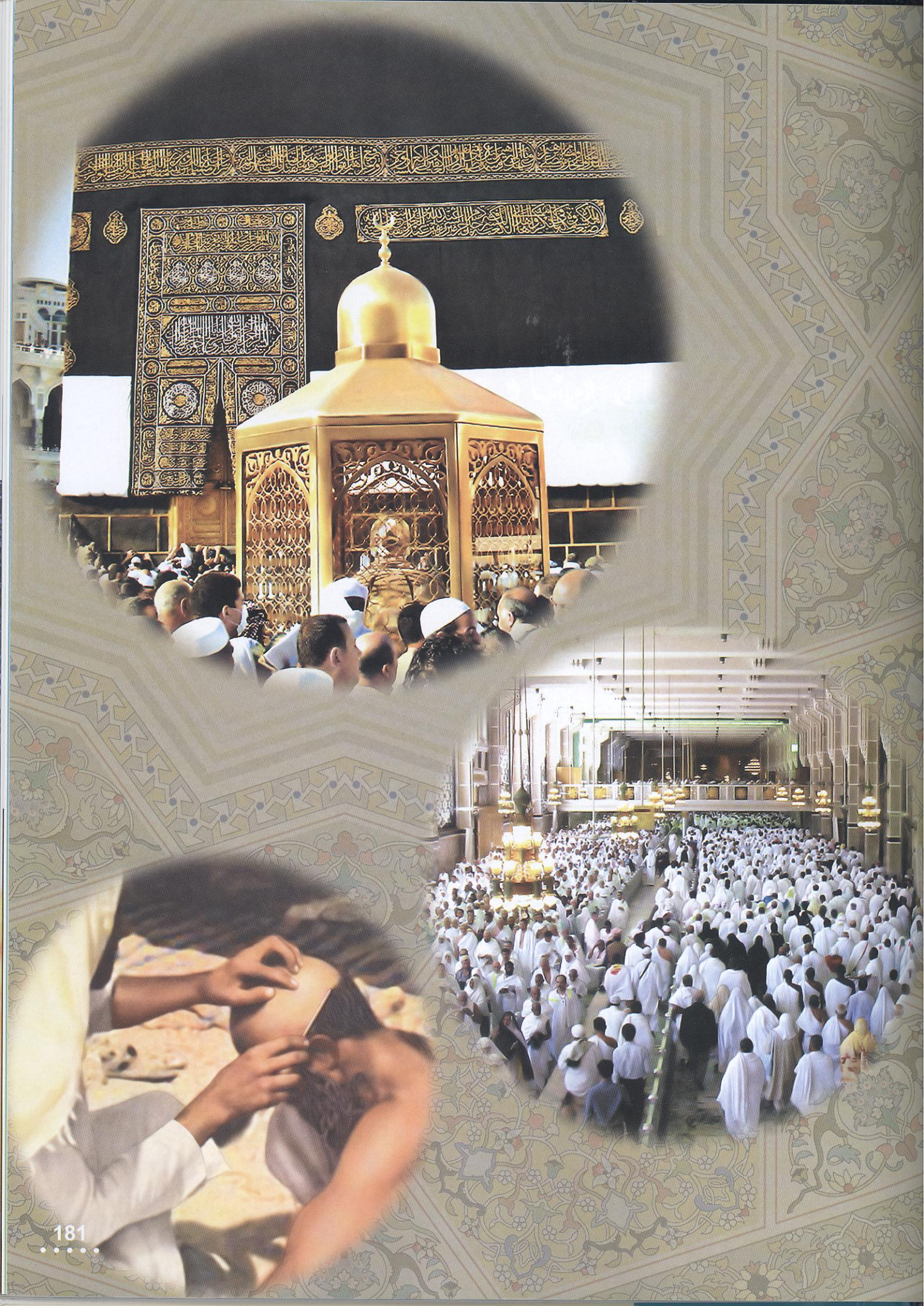
عید

عید عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی تہوار کے ہیں۔ اسلام میں صرف دو عیدیں ہیں۔ ایک عیدالفطر ہے اور دوسری عیدالاضحیٰ۔ عیدالفطر رمضان ختم ہوتے ہی یکم شوال کو منائی جاتی ہے۔ یہ عید اس امر پر اظہار تشکر کے طور پر منائی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو رمضان کے روزے رکھنے کی توفیق عطا فرمائی ہے۔ عیدالاضحیٰ ذوالحجہ کے دسویں روز منائی جاتی ہے۔ یہ اس واقعے کی یاد کے طور پر منائی جاتی ہے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی پیش کر دی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے قربانی قبول فرمائی اور عین وقت پر اسماعیل علیہ السلام کو بچا لیا اور ایک عظیم قربانی کا آغاز کر دیا گیا۔

ان دونوں عیدوں کے دنوں میں روزہ رکھنے کی سختی سے ممانعت کی گئی ہے۔

مسلمانوں کے لیے ان دونوں تہواروں کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے خود کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو آپ کو بتایا گیا کہ یہاں کے لوگوں نے سال کے دو دن خوشیاں منانے کے لیے مقرر کر رکھے ہیں۔ آپ نے پوچھا: ''یہ کیسے دن ہیں''؟ جواب ملا کہ ہم دورِ جاہلیت میں ان دو دنوں میں کھیلتے کودتے تھے۔ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ ''بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے تمھیں ان کے بدلے میں ان سے بہتر دن دیے ہیں، یعنی عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کے دن۔'' [1]

عید کے ان دونوں موقعوں پر خوب اہتمام کرنا چاہیے، غسل کیا جائے، بہترین کپڑے پہنے جائیں، تشکر کے طور پر عیدین کی راتوں میں کثرت سے تکبیریں کہنی چاہئیں۔ عیدالاضحیٰ میں ایامِ تشریق کے آخر تک اور عیدالفطر میں امام کے نماز کے لیے نکلنے تک تکبیریں کہتے رہنا چاہیے۔ ایک دوسرے کو عید کی مبارکباد دینی چاہیے اور یوں کہنا چاہیے:

تَقَبَّلَ اللهُ مِنَّا وَمِنْكَ

''اللہ تعالیٰ تمھاری اور ہماری عبادت قبول کرے۔'' [2]

اچھے کھانے کھائیں اور دوسروں کو بھی کھلائیں۔ عیدالاضحیٰ پر قربانی کی جاتی ہے اور اس کا گوشت خود بھی کھاتے ہیں اور ہمسایوں، دوستوں، رشتہ داروں، واقف کاروں اور بالخصوص غرباء میں بھی تقسیم کرتے ہیں۔

عید کی نماز دو رکعتوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ پہلی رکعت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیرِ تحریمہ کے علاوہ سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں پانچ تکبیریں کہتے تھے۔ [3]

نمازِ عید کے لیے اذان اور اقامت نہیں ہوتی۔ نماز پڑھانے کے بعد امام لوگوں کو خطبہ دیتا ہے اور اُن کو وعظ و نصیحت کرتا ہے۔ امام کا خطبہ سننا اور اس کے بعد مسلمانوں کی اجتماعی دعا میں شریک ہونا ضروری ہے۔

---

[1] سنن أبي داود، حدیث: 1134. [2] السنن الکبریٰ للبیهقي: 3/319. [3] سنن ابن ماجه، حدیث: 1277. دیکھیے: تکبیر، اذان و اقامت، غسل، ابراہیم علیہ السلام اور مدینہ منورہ۔

تَقَبَّلَ اللّٰهُ مِنَّا وَ مِنْكَ

عیسیٰ علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے اولوالعزم پیغمبر ہیں۔ وہ ایک معجزے کے طور پر باپ کے بغیر پیدا ہوئے، مگر ایسی پیدائش کی وجہ سے وہ اللہ کے بیٹے نہیں سمجھے جا سکتے اور نہ وہ خود اللہ تھے۔ وہ ایک انسان، اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے۔ ان کی ماں تھی باپ نہ تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام کا نہ باپ تھا اور نہ ماں تھی۔ اس کے باوجود وہ اللہ کے بیٹے نہ تھے، نہ ان کی نسل اللہ کی نسل ہے (نعوذ باللّٰہ من ذٰلك)۔ قرآن مجید نے حضرت آدم اور عیسیٰ علیہما السلام دونوں کی معجزانہ پیدائش کی طرف یوں توجہ دلائی ہے:

''بلاشبہ اللہ کے نزدیک عیسیٰ کی مثال آدم کی سی ہے، اللہ نے اسے مٹی سے پیدا کیا، پھر اس سے کہا کہ ہو جا تو وہ ہو گیا۔'' [1]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پاکدامن والدہ حضرت مریم علیہا السلام بنی اسرائیل کے ایک نیک فرد عمران کی بیٹی تھیں، کنوار پن ہی میں محض اللہ کے حکم سے حاملہ ہو گئیں۔ یہ اس طرح ہوا کہ وہ اپنی جائے عبادت میں بیٹھی تھیں کہ ایک فرشتہ انسانی صورت میں ان کے سامنے نمودار ہوا۔ اسے دیکھ کر مریم علیہا السلام یکایک بول اٹھیں:

''میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں، اگر تو ڈرنے والا ہے۔ فرشتے کہا: یقیناً میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تاکہ تجھے (حکمِ الٰہی سے) ایک پاکیزہ لڑکا عطا کروں۔ مریم نے کہا: میرے لیے لڑکا کیونکر ہوگا! جب کہ مجھے کسی مرد نے نہیں چھوا اور نہ میں بدکار ہوں۔ فرشتے نے کہا: (بات) اسی طرح ہے۔ تیرے رب نے کہا ہے کہ ایسا کرنا میرے لیے آسان ہے، یہ اس لیے ہوگا تاکہ ہم اسے لوگوں کے لیے نشانی اور اپنی طرف سے رحمت بنائیں گے اور یہ امر طے شدہ ہے۔'' [2]

جب عیسیٰ علیہ السلام جوان ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں انجیل جسے آج کل عیسائی عہد نامہ جدید (Gospel) کہتے ہیں، دی تاکہ وہ یہودیوں کی غلط عادات و رسوم اور ان کے جھوٹ کا پول کھولیں اور ان تبدیلیوں کو رد کر دیں جو انھوں نے اللہ کی کتاب تورات اور اللہ کے دین میں شامل کر دی تھیں۔ اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے ان کو متعدد معجزات دے کر ان کی مدد

کی۔ ان میں سے ایک معجزہ اس وقت رونما ہوا جب وہ چند دن کے تھے اور گھوارے میں تھے، اس وقت انھوں نے اپنی ماں پر لگائے گئے الزام کا انتہائی خوبصورتی سے دفاع کیا۔ حضرت مریم علیہا السلام پر الزام اس لیے لگایا گیا تھا کہ وہ بے شوہر تھیں۔ یہ الزام سن کر عیسیٰ علیہ السلام گھوارے میں لیٹے لیٹے بول اٹھے، اپنا تعارف کرایا اور ماں کی پاکدامنی کی شہادت دی۔ اس معجزے کو قرآن مجید میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

''پھر وہ اس (بچے) کو اٹھائے اپنی قوم کے پاس آئیں تو وہ کہنے لگے: اے مریم! یقیناً تو نے بہت برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تو تیرا باپ برا آدمی تھا اور نہ تیری ماں بدکار تھی۔ اس پر مریم نے اس (بچے) کی طرف اشارہ کیا تو وہ کہنے لگے: ہم (اس سے) کیسے کلام کریں جو گود میں اٹھایا جانے والا بچہ ہے؟ عیسیٰ بول اٹھے: بلاشبہ میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اور جہاں بھی میں ہوں اس نے مجھے برکت والا بنایا اور جب تک

میں زندہ رہوں مجھے نماز اور زکاۃ کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ اور اپنی والدہ سے نیکی کرنے والا بنایا ہے اور اس نے مجھے سرکش (اور) بدبخت نہیں بنایا۔ اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں فوت ہوں گا اور جس دن میں زندہ (کرکے) اٹھایا جاؤں گا۔"[3]

حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی سے پرندے کی شکل بناتے، پھر اس میں پھونک مارتے تو وہ اللہ کے حکم سے سچ مچ کا پرندہ بن کر اڑ جاتا۔ وہ پیدائشی نابیناؤں اور برص والوں کو ہاتھ لگاتے تو وہ تندرست ہو جاتے۔ وہ اللہ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے حکم سے لوگوں کو یہ بھی بتا دیتے کہ وہ کیا کھا کر آئے ہیں اور اپنے گھروں میں کیا کچھ چھوڑ کر آرہے ہیں۔ آپ کے حواریوں نے استدعا کی تو آپ کی دعا پر اللہ تعالیٰ نے آسمان سے قسم قسم کے کھانوں کا سجا سجایا دسترخوان نازل فرما دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کو صرف ایک اللہ کی عبادت کرنے کی دعوت دیتے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے یہ بھی کہا کہ وہ اس شریعت کی توثیق کرنے آئے ہیں جو ان سے پہلے آچکی ہے۔ وہ ان چیزوں کا کچھ حصہ ان کے لیے حلال کرنے آئے ہیں جو پہلے ان کے لیے حرام تھا۔ انھوں نے اعلان کیا کہ وہ اللہ کی طرف سے حق اور سچ لے کر آئے ہیں، لوگوں کو ان کی اطاعت کرنی چاہیے اور صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیے۔ انھوں نے یہودی علماء کی وضع کردہ رسوم کا غلط ہونا ثابت کر دیا تو وہ ان کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے کیونکہ وہ اسرائیلی علماء سمجھتے تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا کہا ہوا ہر لفظ ان کے لیے اور ان کی مصنوعی اور جعلی حیثیت کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔

یہودی علماء کے اثر و رسوخ اور ان کی کوششوں سے رومن حکمران نے عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرکے "صلیب" پر چڑھانے کا فیصلہ کر لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس سازش کا پتہ چلا تو انھوں نے اپنے حواریوں کو جمع کرکے فرمایا کہ "تم میں سے کوئی شخص میری جگہ قتل ہونے کے لیے تیار ہے؟ تاکہ اس کی شکل و صورت اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے جیسی بنا دی جائے۔"

ایک نوجوان تیار ہو گیا، چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو وہاں سے آسمان پر اٹھا لیا گیا۔ بعد میں یہودی آئے اور انھوں نے اس نوجوان کو سولی پر چڑھا دیا۔

قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتر کر دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے۔ ان کا آنا قربِ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہوگی، پھر وہ اسلامی قانون کے مطابق حکمرانی کریں گے اور اپنے فیصلوں میں قرآن مجید کے حوالے دیں گے اور مسلمان ان کے دورِ حکومت میں خوشحال زندگی بسر کریں گے۔

[1] آل عمران 59:3. [2] مریم 19:18-21. [3] مریم 19:27-33، دیکھیے: مریم علیہا السلام اور قیامت کی بڑی نشانیاں۔

غسل

غسل سے مراد پورے جسم کو اسلامی شریعت میں بتائے ہوئے طریقے کے مطابق دھو کر پاک کرنا ہے۔ نماز سے قبل پاکیزگی حاصل کرنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ ایک مسلمان عام طور پر جزوی غسل یا وضو کرتا ہے لیکن بعض صورتوں میں وضو کے بجائے غسل کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ جیسے:

- احتلام کے بعد۔
- عورت کے ایامِ ماہواری سے فارغ ہونے کے بعد۔
- اسلام قبول کرنے پر بھی غسل کرنا ضروری ہے۔

ذیل کی صورتوں میں غسل کرنا اچھی بات (مستحب) ہے مگر یہ فرض نہیں:

- نماز جمعہ سے پہلے۔
- حج یا عمرے کے لیے احرام باندھنے سے پہلے۔
- مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے وقت اور یوم عرفہ کے قیام سے پہلے۔
- میت کو غسل دینے کے بعد۔

غسل

فرض غسل کا طریقہ یہ ہے:

سب سے قبل دل میں یہ نیت کرے کہ میں اپنے جسم کو غسل کے ذریعے سے نجاستوں (گندگیوں) سے پاک کرنا چاہتا/چاہتی ہوں۔ کپڑے اتارنے سے پہلے بسم اللہ پڑھے، پھر دونوں ہاتھوں کو کلائیوں تک تین بار دھوئے، پھر شرمگاہ کو اس کے ارد گرد کی جگہوں سمیت، اچھی طرح دھوئے، پھر اپنے ہاتھوں کو صابن یا مٹی سے دھوئے اور نماز والا وضو کرے، البتہ سر کا مسح نہ کرے بلکہ تین بار چلو بھر کر سر پر پانی ڈالے اور بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچائے، پھر تمام بدن پر پانی ڈال کر ملے۔

یہاں اس بات کی اجازت ہے کہ پاؤں کو دورانِ وضو دھولیا جائے یا غسل کے آخر میں دھولیا جائے۔

عورتوں کے لیے مینڈھیاں کھولنے کو لازمی قرار نہیں دیا گیا، ان سے صرف یہ کہا گیا ہے کہ وہ تین بار دونوں ہاتھ بھر کر سر پر پانی ڈالیں اور بالوں کو کھولے بغیر اچھی طرح مَل کر دھولیں۔

پانی پہلے دائیں طرف ڈالا جائے، اوپر سے شروع کر کے نیچے تک لایا جائے، پھر اسی طرح بائیں طرف کیا جائے، پوری طرح تسلی کر لی جائے کہ پانی جسم کے تمام حصوں بشمول بغلوں، ناف اور کانوں کے اندر کی جانب پہنچ گیا ہے اور صفائی ہوگئی ہے۔

دیکھیے: طہارت، وضو، احرام، عرفات اور شہادت۔

فرشتے

فرشتے اللہ تعالیٰ کی نوری اور غیبی مخلوق ہیں۔ اللہ نے انھیں نور سے پیدا فرمایا ہے۔ فرشتے اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جن وانس کی طرح انھیں بھی اپنی بندگی کے لیے پیدا کیا ہے، اس لیے فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کی الوہیت میں کوئی حصہ نہیں ہے اور نہ وہ عبادت اور پرستش کے لائق ہیں۔

فرشتے نہ کھاتے ہیں، نہ پیتے ہیں اور نہ بچے ہی پیدا کرتے ہیں بلکہ وہ مسلسل مصروفِ عبادت رہتے ہیں، وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے رہتے ہیں۔ انھیں جو بھی حکم ملے، فوراً اس کی تعمیل کرتے ہیں اور ذرّہ برابر بھی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرتے۔ فرشتوں کے دو دو، تین تین اور چار چار پَر ہوتے ہیں۔ بعض فرشتوں کے اس سے بھی زیادہ پَر ہوتے ہیں اور وہ بڑے بڑے کارنامے انجام دے سکتے ہیں۔ حضرت جبریل علیہ السلام تمام فرشتوں کے سردار ہیں، ان کے چھ سو (600) پَر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مختلف فرشتوں کو مختلف قسم کے کاموں کے لیے مامور فرمایا ہے۔ ان میں سے کچھ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے عرش کو تھامے ہوئے ہیں، کچھ انسانوں کی حفاظت کرتے ہیں، کچھ انسانوں کے اچھے اور برے اعمال لکھتے ہیں، انھیں کراماً کاتبین کہا جاتا ہے۔ منکر اور نکیر وہ فرشتے ہیں جو قبر میں ہر مُردے سے سوالات پوچھتے ہیں۔ ایک فرشتے کو مالک کہا جاتا ہے۔ وہ جہنم کا داروغہ ہے۔ ایک فرشتے کا نام رضوان ہے۔ وہ جنت کا نگران ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام نبیوں اور رسولوں تک اللہ کا پیغام پہنچاتے رہے۔ اسرافیل قیامت کے انعقاد کے لیے صور پھونکیں گے۔ میکائیل علیہ السلام بارش کے امور کے ذمہ دار ہیں جبکہ موت کے فرشتے کا نام مَلَكُ الموت ہے۔ اور بھی بے شمار فرشتے ہیں جن کے فرائض کے بارے میں ہمیں پتہ نہیں۔ غرض فرشتے اپنی ذات اور صفات کے لحاظ سے غیبی مخلوق ہیں۔ عقل ونقل پر مشتمل دلائل سے ان کے وجود کا ثبوت ملتا ہے۔ ان پر ایمان رکھنا ایمان کے بنیادی ارکان میں سے ہے، ان کا انکار کفر ہے۔

دیکھیے: ایمان۔

فطرانہ

فطرانہ یا زکاۃ الفطر سے مراد وہ صدقہ ہے جسے نمازِ عیدالفطر سے پہلے ادا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، آزاد ہو یا غلام، چھوٹا ہو یا بڑا، بچہ ہو یا بوڑھا۔ ہر مسلمان اپنے اور ان اہل خانہ کی طرف سے فطرانہ ادا کرنے کا پابند ہے جن کی وہ قانونی طور پر کفالت کرتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے روزے دار کو لغو اور بے ہودہ اقوال و افعال کے اثرات سے جو روزے کے دوران میں سرزد ہو جاتے ہیں، پاک کرنے اور عید کے دن مساکین کو کھانا مہیا کرنے کے لیے زکاۃ الفطر (فطرانہ) فرض قرار دی، چنانچہ جس نے اسے نمازِ (عید) سے پہلے پہلے ادا کر دیا تو یہ ایسی زکاۃ ہے جو قبول کر لی گئی اور جس نے اسے نماز کے بعد ادا کیا تو یہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے۔''[1]

اس حدیث سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ فطرانہ نمازِ عیدالفطر سے پہلے ادا کرنا چاہیے، اگرچہ عید سے ایک یا دو روز پہلے بھی ادا کیا جا سکتا ہے۔ اس فطرانے کی مقدار ایک صاع ہے جو چار ''مُد'' کا ہوتا ہے۔ کلوگرام کے لحاظ سے صاع کا وزن تقریباً سوا دو کلو بنتا ہے۔ حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

''ہم (نبی ﷺ کے زمانے میں) فطرانہ ایک صاع اناج یا گندم یا ایک صاع جَو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع زبیب (خشک انگور یا انجیر) نکالا کرتے تھے۔''[2]

بہتر یہ ہے کہ فطرانہ اجناس میں سے دیا جائے جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے واضح ہے، تاہم اگر رقم کے ذریعے سے ادا کیے بغیر چارہ نہ ہو تو مجبوراً رقم بھی دی جا سکتی ہے۔ یہ اس لیے کہ نبی ﷺ یا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نقدی کی صورت میں اس کی کبھی ادائیگی نہیں کی۔

فطرانہ ایسے افراد پر فرض نہیں ہے جن کے پاس دن بھر کا کھانا موجود نہ ہو۔

[1] سنن أبي داود، حديث: 1609. [2] صحيح البخاري، حديث: 1506،

قبلہ

قبلہ سے مراد کعبہ کی سمت ہے جس کی طرف رخ کر کے مسلمان نماز ادا کرتے ہیں۔ کعبہ یا مسجدِ حرام مکہ مکرمہ میں ہے اور اللہ کا سب سے پہلا گھر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

''پھر آپ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں اور جہاں کہیں بھی تم لوگ ہو، سب اپنے منہ اِس کی طرف پھیر لو۔'' [1]

مسجد حرام سے پہلے مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس تھا۔ نبی ﷺ جب تک مکہ میں رہے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں ادا کرتے رہے۔ جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو ابتدائی سولہ ماہ تک اسی سمت رخ کر کے نماز پڑھتے رہے، حالانکہ نبی ﷺ کی خواہش تھی کہ خانہ کعبہ ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جائے جو قبلۂ ابراہیمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی خواہش کی تکمیل فرمائی اور یوں جواب آیا:
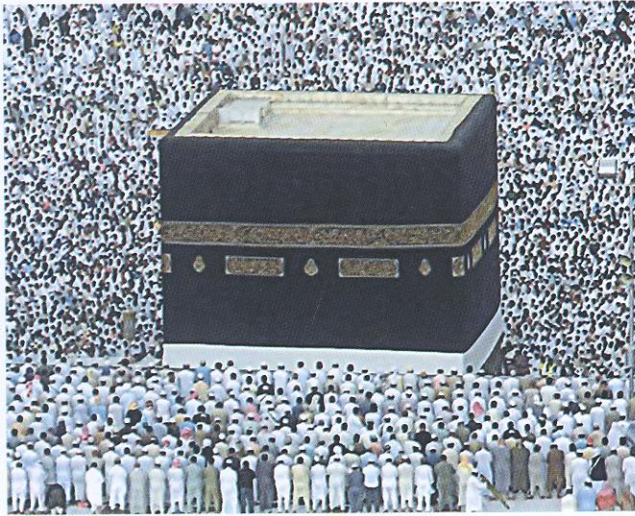
''(اے نبی ﷺ!) ہم آپ کے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا دیکھ رہے ہیں، ہم ضرور آپ کو اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔'' [2]

ایسی نماز جو جان بوجھ کر قبلے کے رخ سے ہٹ کر پڑھی جائے، درست نہیں ہوتی کیونکہ قبلہ مسلمانوں کی وحدت کی علامت، ان کے دلوں اور روحوں کا مرکزِ عقیدت ہے۔ نماز میں قبلے کی طرف منہ کرنا فرض ہے۔

تاہم اگر کسی دوسری جگہ جانے پر مسلمان کو وہاں سے سمتِ قبلہ کا پتہ نہیں چلتا تو اسے وہاں کے مقامی لوگوں سے پوچھ لینا چاہیے۔ اگر کوئی بھی ایسا آدمی دستیاب نہ ہو تو وہ اپنے اندازے سے اس کا تعین کر کے نماز ادا کر سکتا ہے۔ اگر کسی کو نماز پڑھنے کے بعد پتہ چلے کہ اس نے غلط سمت میں نماز ادا کی ہے تو اسے نماز کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، البتہ اگر اسے نماز کے دوران میں صحیح سمت کا پتہ چل جائے تو اسے چاہیے کہ وہ نماز توڑے بغیر ہی صحیح سمت کی طرف رخ کر لے۔

---

[1] البقرة 2:144. [2] البقرة 2:144، دیکھیے: مسجد حرام اور بیت المقدس۔

قرآن مجید

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا بے مثل کلام ہے جو اس نے اپنے آخری نبی اور رسول حضرت محمد ﷺ پر حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے نازل فرمایا۔ قرآن مجید 114 سورتوں پر مشتمل ہے۔ اس کا آغاز سورۂ فاتحہ سے اور اختتام سورۃ الناس پر ہوتا ہے۔ قرآن مجید کے متعدد نام ہیں۔ ان میں سے چند مشہور نام یہ ہیں: ''اَلْفُرْقَان (فرق کرنے والا) اَلْکِتَاب (لکھا گیا) اَلذِّکْر (نصیحت) اَلتَّنْزِیل (نازل شدہ)، اَحْسَنَ الْحَدِیْث (بہترین کلام)، بُرْھَان'' (واضح دلیل)۔ قرآن مجید کو پڑھنے اور پڑھانے والے کے بارے میں نبیِ کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''تم میں سے بہترین وہ ہے جو قرآن سیکھے اور (دوسروں کو) سکھائے۔'' [1]

جو کوئی قرآن مجید کا ایک حرف پڑھتا ہے، اس کو دس نیکیاں ملتی ہیں۔ قرآن مجید کے نزول کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اس پر عمل کریں، اس کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام جانیں اور اس کی تلاوت اس طرح کریں جس طرح اس کی تلاوت کا حق ہے تاکہ قیامت کے دن قرآن ان کے پروردگار کے ہاں ان کی سفارش کرے۔ نبیِ کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''قرآن پڑھا کرو کیونکہ قیامت کے دن وہ اپنے پڑھنے والوں کے لیے سفارشی بن کر آئے گا۔'' [2]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو اہل ایمان کے لیے ہدایت، شفقت، رحم اور شفا کے طور پر اتارا ہے۔ اس جیسا کلام کرنا کسی کے لیے ممکن نہیں۔ یہ ایک معجزہ ہے جو حضرت محمد ﷺ کی صداقت کا واضح ثبوت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''کہہ دیجیے کہ اگر تمام انسان اور جن مل کر اس قرآن جیسا لانا چاہیں تو وہ اس جیسا نہ لا سکیں گے، چاہے وہ ایک دوسرے کے مددگار بن جائیں۔'' [3]

پہلی امتوں پر جو کتابیں اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھیں، ان کے ماننے والوں نے ردّ و بدل کر کے انھیں مسخ کر دیا۔ قرآن مجید نے اسلام کے اصل اور سچے پیغام کو کھلے اور واضح الفاظ میں بیان کیا، سابقہ کتابوں میں موجود سچائیوں کی تصدیق کی اور ان میں شامل کیے ہوئے جھوٹ کا پردہ چاک کیا اور خود ہر طرح کی تبدیلی سے محفوظ رہا۔ ان میں سے بعض کتابیں اگرچہ اب بھی موجود ہیں لیکن وہ اپنی اصل شکل کھو چکی ہیں۔ لوگوں نے ان میں من مانے اضافے اور تبدیلیاں کر دی ہیں۔ قرآن واحد صحیفۂ آسمانی ہے جو زمانہ گزرنے کے اثرات اور مختلف ادوار کی آلائشوں سے محفوظ ہے کیونکہ یہ ایک سچا کلام ہے اور اللہ نے اس کے تحفظ کی ذمہ داری خود قبول کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''بے شک ہم ہی نے یہ قرآن نازل کیا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔'' [4]

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ

خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''باطل اس کے پاس بھی پھٹک نہیں سکتا، اس کے آگے سے نہ اس کے پیچھے سے، یہ بڑی حکمت والی اور قابل تعریف ہستی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔'' [5]

قرآن مجید پورے کا پورا نبی ﷺ کی زندگی ہی میں مختلف چیزوں، مثلاً: کھجور کی ٹہنیوں کے چوڑے حصوں، سفید پتھر کے ٹکڑوں، چپٹی ہڈیوں، چمڑے کے پارچوں اور مختلف اوراق پر لکھ دیا گیا تھا، علاوہ ازیں بہت سے صحابہ نے اسے حفظ بھی کر لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تجویز پر سب صحابہ کا اتفاق ہوا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حکم پر تمام اجزا کو رسول اللہ ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق جمع کر کے ایک مستند نسخہ تیار کیا گیا۔ پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے الگ الگ ترتیبوں سے لکھے گئے قرآن مجید لوگوں سے واپس لے لیے اور اس بنیادی اور صحیح نسخے کے مطابق قرآن مجید لکھوا کر سارے مسلمانوں میں پھیلا دیے۔ قرآن مجید آج بھی حفظ کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کی اصل زبان عربی ہے اور دنیا بھر میں لاکھوں افراد، خواہ عربی ہوں یا عجمی ذوق وشوق سے اسے زبانی یاد کرتے ہیں۔ اس کے سوا کسی بھی کتاب کو، خواہ وہ مذہبی ہو یا کوئی اور، یہ اعزاز حاصل نہیں ہوسکا کہ ہر دور میں ایک خلقت اسے اول سے آخر تک حفظ کرنے کا اہتمام کرے۔ یہ ریکارڈ شدہ تاریخ کا ایک بے مثل اعزاز ہے جو صرف قرآن مجید کے لیے مخصوص ہے۔

قرآن مجید کے مفہوم ومقصود کو سمجھنے کے لیے اس کے ترجمے کی ضرورت پیش آئی۔ اس حوالے سے قرآن مجید پر جس قدر کام کیا گیا ہے، کسی اور کتاب پر نہیں کیا گیا۔ آج دنیا کی 103 زبانوں میں قرآن مجید کے بے شمار مکمل تراجم نثر ونظم کی شکل میں موجود ہیں۔ قرآن مجید کے الفاظ کا زیر و بم اور عبارت کا شکوہ واسلوب تراجم میں عموماً ناپید ہوتا ہے۔ اس لیے یہ تراجم محض ایک تشریح بن کر رہ جاتے ہیں۔ ان تراجم کو ''معنوں کے تراجم'' کہا جاسکتا ہے، اصل قرآن نہیں۔

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 5027. [2] صحيح مسلم، حديث: 804. [3] بني إسرائيل 17:88. [4] الحجر 15:9.
[5] حمٓ السجدة 41:42، دیکھیے: جبریل علیہ السلام۔

قربانی

عیدالاضحیٰ کے موقع پر عام مسلمان اپنے اپنے علاقوں میں اور حج کے لیے جانے والے لاکھوں انسان منیٰ کی قربان گاہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق جو جانور ذبح کرتے ہیں، انھیں قربانی کہا جاتا ہے۔ قربانی سنت ہے۔ جو مسلمان بھی استطاعت رکھتا ہو، اسے اس سنت پر عمل کرنا چاہیے۔ سب سے بڑی قربانی اونٹ کی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:
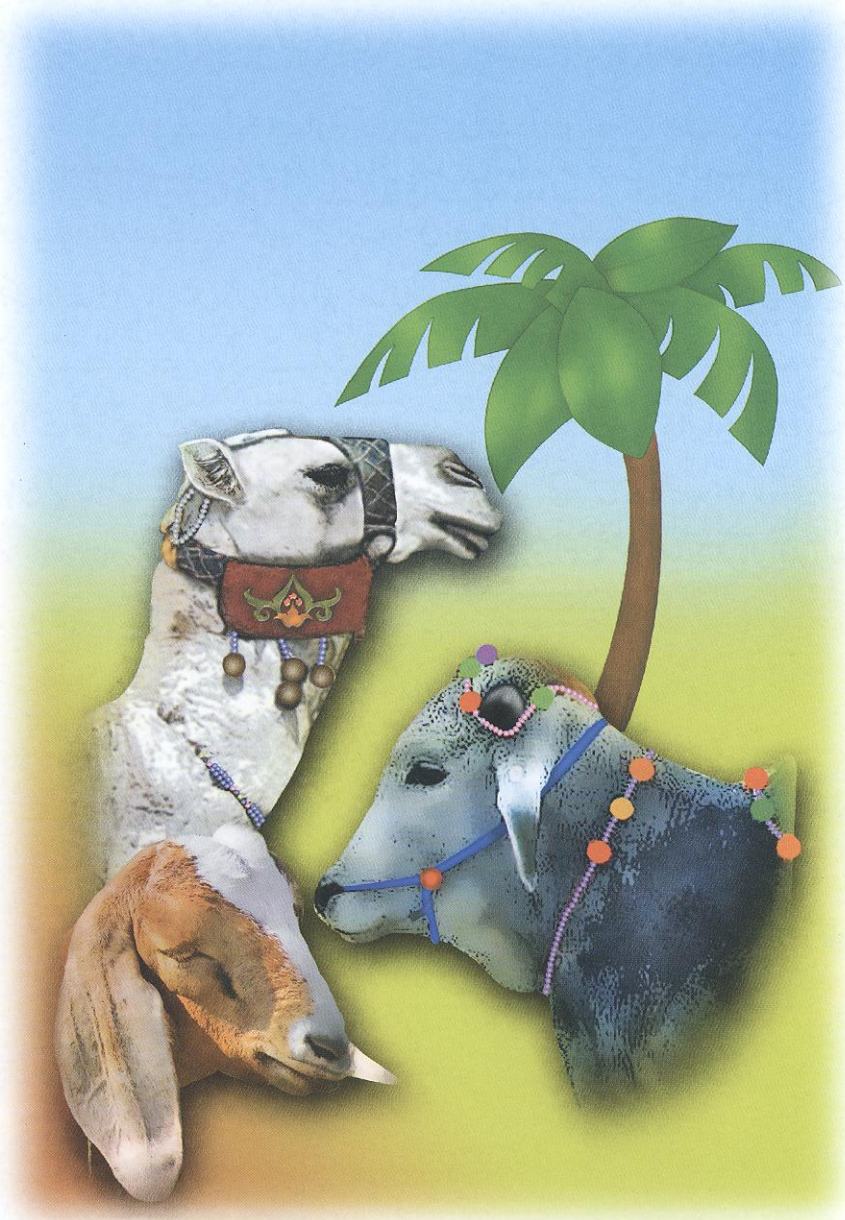
قربانی

’’اور قربانی کے اونٹ جنھیں ہم نے تمھارے لیے اللہ کی نشانیاں بنایا ہے، تمھارے لیے ان میں بھلائی ہے، لہٰذا (قربانی کے وقت) جب وہ پاؤں بندھے کھڑے ہوں تو تم ان پر اللہ کا نام لو (اور نحر کرو) پھر جب وہ پہلو کے بل گر جائیں تو تم ان کا گوشت کھاؤ اور قناعت پسند اور سوالی (دونوں قسم کے) محتاجوں کو کھلاؤ، اسی طرح ہم نے چوپائے تمھارے تابع کر دیے تاکہ تم شکر کرو۔‘‘ [1]

ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

’’اسی طرح اس نے ان (چوپایوں) کو تمھارے تابع کر دیا تاکہ تم اللہ کی بڑائی بیان کرو کہ اس نے تمھیں ہدایت دی اور (اے رسول آپ) نیکی کرنے والوں کو بشارت دیجیے۔‘‘ [2]

جو کوئی قربانی کرنا چاہتا ہو، وہ ذوالحجہ کا چاند دیکھنے کے بعد قربانی کے ذبح ہونے تک اپنے بال اور ناخن نہ کٹوائے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

’’جب تم ذوالحجہ کا چاند دیکھ لو اور تم میں سے کوئی قربانی کرنے کا ارادہ کرے تو اپنے بال اور ناخن قربانی ذبح کرنے تک نہ کاٹے۔‘‘ [3]

حاجی پر بال اور ناخن وغیرہ کاٹنے کی پابندی احرام کی باقی پابندیوں کے ساتھ شروع ہو جاتی ہے۔

قربانی کے جانور یہ ہیں: اونٹ، گائے، بیل، بھیڑ، دنبہ، بکری اور بکرا۔ ایک گائے اور ایک بیل کی قربانی میں سات افراد اپنا حصہ ڈال سکتے ہیں جبکہ اونٹ کی قربانی میں دس افراد اپنا حصہ ڈال سکتے ہیں بشرطیکہ ان سب نے قربانی کی نیت کی ہوئی ہو۔ ایک قربانی پورے گھر کی طرف سے کفایت کر جاتی ہے۔ بکری، گائے اور اونٹ کے لیے دانتا ہونا ضروری ہے، یعنی اس کے دودھ کے دانت گر کر کم از کم دو دانت ظاہر ہو رہے ہوں یا ہو چکے ہوں۔ اگر ایسا جانور میسر نہ ہو تو بھیڑ کا ایسا بچہ ہو جو ایک سال کا ہو یا اس کے قریب قریب ہو، قربان کیا جا سکتا ہے۔ کسی ایسے جانور کی قربانی نہیں دی جا سکتی جس میں عیب ہو، کانا، سینگ ٹوٹا، کان کٹا، کان میں گول سوراخ والا، لنگڑا، بیمار اور بہت کمزور جانور جس میں چربی اور ہڈی کا گودا تک ختم ہو گیا ہو، قربان نہیں کیا جا سکتا ہے۔

قربانی کے چار دن ہیں۔ ایک دن عیدالاضحیٰ کا اور تین دن اس کے بعد۔ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

’’تشریق کے سب دنوں میں (قربانی کا جانور) ذبح کرنا (درست) ہے۔‘‘ [4]

10 ذوالحجہ کو عید کا دن ہوتا ہے۔ اس کے بعد 11، 12 اور 13 ذوالحجہ کے تین دن ’’ایام تشریق‘‘ کہلاتے ہیں۔ اس طرح مذکورہ حدیث کی روشنی میں قربانی کے چار دن بنتے ہیں۔

ہر قربانی دینے والے کو چاہیے کہ وہ اپنی قربانی کے گوشت کا کچھ حصہ خود کھائے، کچھ حصہ غرباء و مساکین کو دے اور کچھ حصہ اپنے رشتہ داروں، دوستوں اور ہمسایوں کو بطور تحفہ دے۔ تاہم اگر سخت ضرورت کے تحت سارا گوشت خود استعمال کر لے تو اس کی گنجائش بھی موجود ہے۔

[1] الحج 22:36. [2] الحج 22:37. [3] صحیح مسلم، حدیث: 1977. [4] مسند أحمد: 4/82، دیکھیے: عید اور عقیقہ۔

قیامت کا دن

ایک ایسا دن بھی آنے والا ہے جب اللہ تعالیٰ ہر زندہ چیز پر موت طاری کرنے کا حکم دے گا اور اپنے فرشتے اسرافیل علیہ السلام سے کہے گا کہ وہ صور پھونک دے۔ اس کے پہلی بار صور پھونکنے سے زمین و آسمان کی ہر چیز تباہ ہو جائے گی اور ہر مخلوق موت کے گھاٹ اتر جائے گی، سوائے ان کے جنھیں اللہ تعالیٰ ہلاک نہ کرنا چاہے گا۔ جب اللہ تعالیٰ اسرافیل علیہ السلام کو دوسری بار صور پھونکنے کا حکم دے گا تو ان کے صور پھونکتے ہی سب کے سب دوبارہ زندہ ہو جائیں گے اور دہشت زدہ ہو کر اٹھ جائیں گے۔ یہ بڑا خوفناک دن ہوگا۔ تمام انسان اپنے مالکِ حقیقی کے سامنے اپنا اپنا فیصلہ سننے کے لیے کھڑے ہوں گے، یہی قیامت ہوگی۔

لوگ اس دن خوفناک واقعات کو ظہور پذیر ہوتے دیکھیں گے۔ اس کے بارے میں قرآن مجید فرماتا ہے:

”پھر جب کان بہرے کر دینے والی سخت آواز آئے گی۔ اس روز آدمی اپنے بھائی سے بھاگے گا۔ اور اپنی ماں اور اپنے باپ سے۔ اور اپنی بیوی اور اپنے بیٹوں سے (دور ہوگا)۔ ان میں سے ہر شخص کا اس دن ایسا حال ہوگا جو اسے دوسروں سے بے پروا کر دے گا۔“ [1]

یہ قیامت کا دن ہوگا جسے روزِ محشر بھی کہا جاتا ہے۔ قرآن میں ایک اور جگہ اس دن کی ہولناکیوں کو اس طرح بیان کیا گیا:

”جب آسمان پھٹ جائے گا۔ اور جب تارے جھڑ جائیں گے۔ اور جب سمندر پھاڑ دیے جائیں گے۔ اور جب قبریں اکھیڑ دی جائیں گی۔ تو ہر شخص کو اس کا اگلا پچھلا کیا دھرا سب معلوم ہو جائے گا۔“ [2]

قرآن مجید کے ایک اور مقام پر اس ہولناک دن کا نقشہ یوں کھینچا گیا ہے:

قیامت کا دن

''جس دن آسمان پگھلے تانبے جیسا ہوگا۔ اور پہاڑ دھنکی ہوئی رنگدار اُون جیسے ہو جائیں گے۔ اور کوئی جگری دوست کسی دوست کو نہ پوچھے گا۔ حالانکہ وہ انھیں دکھلا بھی دیے جائیں گے، مجرم چاہے گا کاش! عذاب سے (بچنے کو) اپنے بیٹے فدیے میں دے دے۔ اور اپنی بیوی اور اپنا بھائی۔ اور اپنا خاندان جو اسے پناہ دیتا تھا۔ اور جتنے (لوگ) زمین پر ہیں سب، پھر وہ (فدیہ) اسے نجات دلا دے۔ ہرگز نہیں! بے شک (مجرموں کا لازمی ٹھکانا) وہ بھڑکتی آگ ہے۔ جو کھال ادھیڑ دینے والی ہے۔'' [3]

قیامت کے متعدد ناموں میں سے چند ایک یہ ہیں: یَوْمُ الدِّیْن (بدلے کا دن)، یَوْمُ الْفَصْل (فیصلے کا دن)، یَوْمُ الْحِسَاب (حساب کا دن)، اَلْحَاقَّة (ثابت ہونے والی)، اَلْغَاشِیَة (چھا جانے والی)، یَوْمُ الْآخِر (آخری دن)، اَلْوَاقِعَة (واقع ہونے والی) اور اَلسَّاعَة (خاص گھڑی)۔

قیامت کے روز سب لوگ بغیر لباس کے، ننگے پاؤں اور بے ختنہ اکٹھے کیے جائیں گے۔ سورج ان کے سروں سے ایک میل کے فاصلے پر ہوگا۔ وہ پسینے میں ڈوبے ہوئے ہوں گے، اس پسینے کی گہرائی دنیا میں کیے ہوئے اعمالِ بد کے حساب سے ہوگی۔ تاہم سات قسم کے لوگ عرش الٰہی کے سائے میں ہوں گے جو یہ ہیں: ① عادل حکمران ② وہ نوجوان جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جوانی گزار دی ③ ایسا شخص جس کا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہا ④ ایسے دو شخص جو اللہ کے لیے آپس میں محبت رکھتے ہیں، اسی پر وہ جمع ہوتے ہیں اور اسی پر جدا ہوتے ہیں ⑤ ایسا شخص جسے کوئی خوبصورت اور معزز حسب ونسب والی عورت دعوتِ گناہ دے اور وہ اسے یہ جواب دے کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں ⑥ وہ شخص جو اس طرح چھپ کر صدقہ کرے کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہ ہو کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا ہے ⑦ ایسا شخص جو تنہائی میں بیٹھ کر اللہ کو یاد کرے اور اس کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگیں۔ [4]

قیامت کے روز لوگوں کو اپنے اپنے اعمال نامے بھی ملیں گے۔ نیک لوگوں کو ان کے اعمالنامے دائیں ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے جنھیں پڑھ کر وہ بے حد خوشی اور اطمینان محسوس کریں گے، لیکن بُرے لوگوں کو ان کے اعمال نامے عقب (پچھلی جانب) سے ان کے بائیں ہاتھ میں پکڑائے جائیں گے۔ پھر ایک ترازو نصب کیا جائے گا جس میں سب لوگوں کی نیکیوں اور برائیوں کو تولا جائے گا۔ کسی کے ساتھ ناانصافی نہیں کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ اس روز اپنی ساری مخلوق کے ساتھ مکمل انصاف سے پیش آئے گا کیونکہ وہ بہترین جج ہے۔ فرمان الٰہی ہے:

''آج ہر ایک کو اس کا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے کمایا۔ آج کوئی ظلم نہیں ہوگا، بلاشبہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔'' [5]

سچے مومن جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے اور دنیاوی زندگی میں نیک اعمال کرتے رہے، انھیں بہشت میں داخل کیا جائے گا اور ان پر اللہ کی خصوصی عنایات اور مہربانیاں ہوں گی۔ کافروں، سرکشوں اور گناہ گاروں کو عدل وانصاف کے مطابق دوزخ کی آگ میں جھونک دیا جائے گا۔

---

1 عبس 80:33-37. 2 الانفطار 82:1-5. 3 المعارج 70:8-16. 4 صحيح البخاري، حديث: 1423.

5 المؤمن 40:17، دیکھیے: پل صراط اور قیامت کی بڑی نشانیاں۔

قیامت کی بڑی نشانیاں

قیامت کی بڑی نشانیوں سے مراد وہ عجیب وغریب واقعات ہیں جو قیامت کے قریبی زمانے میں پیش آئیں گے۔ یہ کوئی معمولی اور عام واقعات نہیں ہوں گے بلکہ بہت بڑے اور خوفناک واقعات ہوں گے۔ حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے۔ ہم باہم گفتگو کر رہے تھے۔ آپ نے پوچھا: تم کس بات کا تذکرہ کر رہے ہو؟ صحابہ نے عرض کی: ہم قیامت کا تذکرہ کر رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: اس وقت تک قیامت ہرگز قائم نہ ہوگی جب تک اس سے پہلے تم اس کی دس نشانیاں نہ دیکھ لوگے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان نشانیوں کا ذکر کیا: ''دھواں، دجّال، دابۃ الارض، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، عیسیٰ ابن مریم کا نزول، یاجوج ماجوج، تین جگہوں سے زمین کا دھنس جانا، ایک دھنسنا مشرق میں، ایک دھنسنا مغرب میں اور ایک دھنسنا جزیرۂ عرب میں۔ اور آخر میں یمن سے آگ نکلے گی جو لوگوں کو ہانکتی ہوئی جمع ہونے کے مقام پر پہنچا دے گی۔'' [1]

دھواں

آخری زمانے میں دھویں کا ظاہر ہونا قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ قرآن و حدیث دونوں میں اس کے دلائل موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''تو آپ اس دن کا انتظار کیجیے جب آسمان واضح طور پر دھواں لائے گا۔ جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا (کہا جائے گا:) یہ ہے دردناک عذاب!'' [2]

کہا جاتا ہے کہ یہ دھواں پوری زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ مسلمانوں کو صرف گھٹن، نزلہ اور زکام کی تکلیف ہوگی جبکہ کفار بے ہوش ہو جائیں گے۔ (واللہ اعلم)

دجال

دجال کا ظاہر ہونا بھی قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے۔ دجال کے بارے میں معلومات کے لیے دیکھیے: ''دجال۔''

زمین سے چوپائے کا نکلنا

آخری زمانے میں زمین سے ایک عجیب قسم کا چوپایہ نکلے گا۔ یہ قیامت کی ایک بڑی نشانی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اور جب ان پر (ہمارا فیصلہ کن) قول (آنے کو) ہوگا تو ہم ان کے لیے زمین سے ایک جانور نکالیں گے، وہ ان سے گفتگو کرے گا (کیوں) کہ بے شک یہ لوگ ہماری آیات پر یقین نہیں رکھتے تھے۔'' [3]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جب تین نشانیاں ظاہر ہو جائیں گی تو کسی ایسے شخص کا ایمان لانا اسے فائدہ نہیں دے گا جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا یا اس نے اپنے ایمان کے عرصے میں کوئی نیک عمل نہیں کیا تھا: سورج کا مغرب سے نکلنا، دجال اور زمین سے چوپائے کا نکلنا۔'' [4]

سورج کا مغرب سے طلوع ہونا

سورج کا مغرب سے طلوع ہونا بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے (سن کر) ایک حدیث یاد کی جسے میں رسول اللہ ﷺ سے سننے کے بعد بالکل نہیں بھولا۔ آپ نے فرمایا: ''قیامت کی ابتدائی (بڑی) نشانیوں میں سے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا اور چاشت کے وقت لوگوں کے سامنے (زمین کے) جانور کا نکلنا ہے۔ ان دونوں میں سے کسی کا بھی دوسری سے پہلے ظہور ہوگا تو اس کے بعد جلد ہی دوسری نشانی ظاہر ہو جائے گی۔'' [5]

جب سورج مغرب سے طلوع ہوگا تو اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ نہ کسی کی توبہ قبول ہوگی اور نہ کسی کا ایمان لانا اس کو فائدہ دے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا: ''بے شک اللہ تعالیٰ رات کو اپنا ہاتھ پھیلا دیتا ہے تاکہ دن کے وقت گناہ کرنے والا توبہ کر لے اور دن کو اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات کے وقت گناہ کرنے والا توبہ کر لے۔ (اللہ تعالیٰ ایسا کرتا رہے گا) یہاں تک کہ سورج مغرب سے طلوع ہو جائے۔'' [6]

امام مہدی کا ظہور

امام مہدی آخری زمانے میں ہوں گے۔ ان کا نام نبی کریم ﷺ کے نام پر اور ان کے والد کا نام بھی نبی کریم ﷺ کے والد کے نام کے مطابق ہوگا، یعنی ان کا نام محمد بن عبداللہ ہوگا۔ امام مہدی اہل بیت سے ہوں گے اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے لخت جگر سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی اولاد سے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے سے اپنے دین کی تائید فرمائے گا۔ وہ سات سال حکومت کریں گے۔ ان سات سالوں میں اسی طرح امن و امان اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگا جیسے کہ اس سے پہلے ظلم و زیادتی کا دور دورہ تھا۔ لوگ نعمتوں سے مالا مال ہوں گے۔ فصلیں زیادہ ہوں گی۔ بارانِ رحمت کا نزول ہوگا اور مال و دولت کی اس قدر فراوانی ہوگی کہ کوئی صدقہ قبول کرنے والا نہ ہوگا۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول

قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اتر کر زمین پر تشریف لانا، قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ اللہ کا فرمان ہے:

''اور بے شک وہ (عیسیٰ علیہ السلام) قیامت کی ایک نشانی ہے، لہٰذا تم اس (قیامت کے آنے) میں شک نہ کرو اور تم میری پیروی کرو، یہی سیدھا راستہ ہے۔'' [8]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! وہ زمانہ قریب ہے کہ (عیسیٰ) ابن مریم علیہما السلام تمھارے درمیان ایک عادل حاکم کی حیثیت سے نازل ہوں گے۔ وہ صلیب توڑ دیں گے، سور کو قتل کریں گے، جزیہ بند کر دیں گے۔ اس وقت مال کی اتنی کثرت ہو جائے گی کہ کوئی اسے لینے والا نہ ملے گا۔ اس وقت ایک سجدہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے، اس سے بہتر ہو گا۔''

پھر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تمھارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھ لو: ''اور اہل کتاب میں سے کوئی (ایک) بھی ایسا نہ بچے گا جو عیسیٰ (علیہ السلام) پر ان کی موت سے پہلے ایمان نہ لے آئے اور قیامت کے دن وہ ان سب پر گواہ ہوں گے۔'' [9]

یاجوج ماجوج

یاجوج ماجوج انسان ہیں اور حضرت آدم و حوا علیہما السلام کی اولاد ہیں۔ وہ یافث بن نوح کی نسل سے ہیں جو ترکوں کے باپ ہیں۔ آخری زمانے میں یاجوج ماجوج کا نکلنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''یہاں تک کہ جب یاجوج اور ماجوج کھول دیے جائیں گے اور وہ ہر بلندی سے تیزی سے (دوڑتے) آئیں گے۔ اور سچا وعدہ (یومِ قیامت) قریب آ پہنچے گا، تب کافروں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، (اور وہ کہیں گے:) ہائے ہماری کم بختی! ہم اس سے غفلت میں رہے، بلکہ ہم ہی ظالم تھے۔'' [10]

دجال کے قتل کے کچھ عرصہ بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یاجوج اور ماجوج کے کھول دیے جانے کی اطلاع دی جائے گی۔ وہ اللہ کے حکم سے مسلمانوں کو ساتھ لے کر پہاڑ پر چڑھ جائیں گے کیونکہ ان سے لڑنے کی کسی میں طاقت نہ ہو گی۔ جب یاجوج ماجوج بحیرۂ طبریہ سے گزریں گے تو پی کر اس کا پانی ختم کر دیں گے۔ پھر وہ بیت المقدس میں ''جبل خمر'' پر آ کر کہیں گے: ہم نے روئے زمین والوں کو قتل کر لیا، آؤ! اب آسمان والوں کو بھی قتل کریں، پھر وہ اپنے ہتھیار اوپر کی طرف چلائیں گے جنھیں اللہ تعالیٰ خون آلود کر کے واپس بھیجے گا۔ بالآخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی ان کی تباہی کے لیے اللہ سے دعا مانگیں گے اور اللہ اس دعا کو قبول فرما کر یاجوج اور ماجوج کی گردنوں میں کیڑے پیدا کر دے گا اور وہ سب راتوں رات اکٹھے ایک ہی آدمی (کے ہلاک ہونے کی) طرح

ہلاک ہو جائیں گے۔[11]

تین مقامات سے زمین کا دھنسنا

تین مقامات سے زمین کا دھنس جانا بھی قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے۔ احادیث مبارکہ میں اس کا شمار قیامت کی بڑی نشانیوں میں کیا گیا ہے۔ سیدنا حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت قائم نہ ہو گی جب تک تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو گے۔'' چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دس نشانیوں میں تین جگہ سے زمین کے دھنس جانے کا بھی ذکر فرمایا: ایک مشرق میں، دوسرا مغرب میں اور تیسرا جزیرۂ عرب میں۔[12]

زمین دھنسنے کے یہ تینوں واقعات تہلکہ مچا دیں گے اور وسیع علاقے کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ مشرق و مغرب اور جزیرۂ عرب کا بہت بڑا رقبہ زیرِ زمین چلا جائے گا۔

آگ کا ظہور

قیامت کی بڑی نشانیوں میں سے سب سے آخری نشانی وہ عظیم آگ ہے جو لوگوں کو لپیٹ کر بہت بڑے میدان میں لے جائے گی۔ اس آگ کا نمودار ہونا قیامت کا اعلان ہو گا۔ یہ آگ یمن میں عدن شہر کے نشیبی حصے اور اس کے قریبی علاقے بحرِ حضر موت سے بھڑک کر نکلے گی۔ بحر حضر موت کو آج کل ''البحر العربي'' کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت سے پہلے حضر موت یا بحرِ حضر موت کی طرف سے ایک آگ نکلے گی جو لوگوں کو (ایک میدان میں) جمع کر دے گی۔''

صحابہ نے عرض کی: اس وقت کے لیے آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''تم لوگ شام میں رہائش اختیار کرنا۔''[13]

---

1 صحيح مسلم، حديث: 2901.
2 الدخان 11,10:44.
3 النمل 82:27.
4 صحيح مسلم، حديث: 158.
5 صحيح مسلم، حديث: 2941.
6 صحيح مسلم، حديث: 2759.
7 المستدرك للحاكم: 558,557/4.
8 الزخرف 61:43.
9 النساء 159:4، صحيح البخاري، حديث: 3448.
10 الأنبياء 97,96:21.
11 صحيح مسلم، حديث: 2937.
12 صحيح مسلم، حديث: 2901.
13 جامع الترمذي، حديث: 2217.

95

قیامت کی چھوٹی نشانیاں

یہ نشانیاں قیامت سے پہلے مختلف زمانوں میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات ہیں جو دس نشانیوں کی طرح بہت بڑے نہیں بلکہ انسانی معاشرے کی تبدیلیاں ہیں، مثلاً: علم کا اٹھ جانا، جہالت کا دور دورہ ہونا اور شراب نوشی وغیرہ کا عام ہونا۔ ان چھوٹی نشانیوں میں سے کچھ تو ظاہر ہو چکی ہیں، کچھ بڑی نشانیوں کے ساتھ اور کچھ ان سے پہلے سامنے آئیں گی۔ ان میں سے چند نشانیاں یہ ہیں:

چاند کا دو ٹکڑے ہونا

اللہ تعالیٰ کا فرمان گرامی ہے:

''قیامت قریب آ گئی اور چاند پھٹ گیا۔'' [1]

یہ عظیم واقعہ نبی ﷺ کی حیات مبارکہ میں ہوا تھا اور سب لوگوں نے اسے دیکھا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ مکہ والوں نے رسول اللہ ﷺ سے (قیامت کی) نشانی کا مطالبہ کیا تو آپ نے انھیں چاند کا پھٹ جانا دکھایا۔ [2]

کچھ اور چھوٹی نشانیاں بھی نبیِ کریم ﷺ نے بتائی ہیں جو آج بھی دیکھی جا سکتی ہیں۔ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا: ''زمانہ قریب ہو جائے گا (سال، ماہ اور دن چھوٹے ہو جائیں گے)، علم ختم ہو جائے گا، فتنے اٹھیں گے، بخل کا مرض بڑھ جائے گا اور کثرت کے ساتھ قتل ہوں گے۔'' [3]

''زلزلے بکثرت آئیں گے۔'' [4]

''امانت میں خیانت کی جائے گی۔'' [5]

''شراب نوشی کثرت سے ہوگی۔'' [6]

''موسیقی کے آلات پھیل جائیں گے۔'' [7]

''سود کاروبار بن جائے گا اور حلال و حرام کی تمیز ختم ہو جائے گی۔'' [8]

''مسجدوں کی زیب و زینت بہت بڑھ جائے گی اور اس میں ایک دوسرے پر فخر کیا جائے گا۔'' [9]

''جھوٹ کی کثرت ہوگی۔'' [10]

''سلام صرف جان پہچان والے کو کیا جائے گا۔'' [11]

''پہلی امتوں (یہود و نصاریٰ) کے طریقے کی پیروی کی جائے گی۔'' [12]
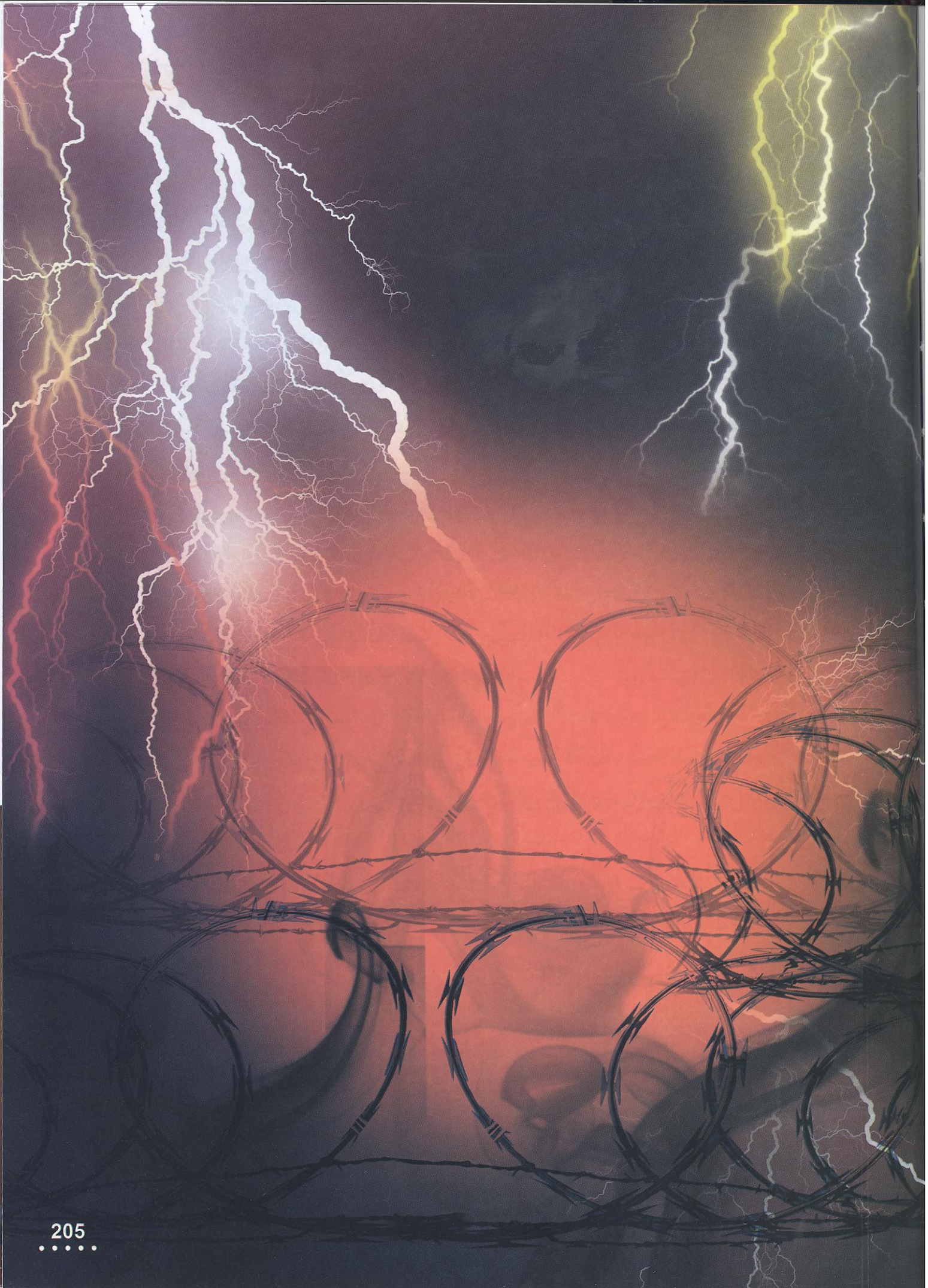
’’جھوٹی گواہی کی بہتات ہوگی۔‘‘ [13]

’’عورتوں کی کثرت اور مردوں کی قلت ہوگی۔‘‘ [14]

’’شرک کی وبا پھوٹ پڑے گی اور نبوت کے جھوٹے دعوے دار ظاہر ہوں گے۔‘‘ [15]

فلسطین میں مسلمان یہودیوں سے لڑیں گے اور آخر کار انھیں شکست دیں گے۔ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

’’قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک یہودیوں سے تمھاری جنگ نہ ہو اور اس وقت وہ پتھر بھی بول اٹھیں گے جن کے پیچھے یہودی چھپا ہوگا کہ اے مسلمان! یہ یہودی میرے پیچھے چھپا ہوا ہے، اسے قتل کر ڈالو۔‘‘ [16]

کسریٰ وقیصر کی سلطنتوں کا خاتمہ

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’جب کسریٰ (ایران کے قدیم بادشاہوں کا لقب) ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ (پیدا) نہیں ہوگا اور جب قیصر (شاہِ روم) ہلاک ہو جائے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر (پیدا) نہیں ہوگا۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم ان دونوں کے خزانے اللہ کے رستے میں خرچ کرو گے۔‘‘ [17]

کسریٰ کا واقعہ صحابہ کے زمانے میں ہوا اور قیصر کچھ عرصے بعد ختم ہوا۔

حجاز کی آگ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبیِ اکرم ﷺ نے فرمایا:

’’قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ حجاز کی زمین سے ایک آگ نکلے گی جو بُصریٰ کے علاقے میں اونٹوں کی گردنیں روشن کر دے گی۔‘‘ [18]

یہ آگ 6 جمادی الاخریٰ 654 ہجری کو لگی اور بے پناہ رفتار سے ہر طرف پھیل گئی۔ پورے تین ماہ تک لگی رہی اور اس نے ہر چیز کو جلا کر بھسم کر دیا۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ ارضِ حجاز کی آگ کی روشنی میں کئی دیہاتیوں نے ملک شام میں اپنے اونٹوں کی گردنوں کا مشاہدہ کیا۔ [19]

تاتاری ترکوں سے جنگ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

’’قیامت اس وقت تک نہیں قائم ہوگی جب تک تم ایک ایسی قوم کے ساتھ جنگ نہ کر لو جن کے جوتے جانوروں کے بالوں کے بنے ہوں گے اور جب تک تم ترکوں سے جنگ نہ کر لو جن کی آنکھیں چھوٹی ہوں گی، چہرے سرخ ہوں گے،

ناک چھوٹی اور چپٹی ہوگی، چہرے ایسے ہوں گے جیسے تہ بہ تہ ڈھال ہوتی ہے۔'' [20]

مسلمانوں اور ترکوں میں جو دوری تھی، وہ آہستہ آہستہ دور ہوتی چلی گئی حتی کہ بعض ترک قبائل نے مسلمانوں کی حکومت میں شامل ہو کر مختلف علاقوں پر قبضہ جمانا شروع کر دیا اور مصر، شام اور حجاز پر غلبہ حاصل کر لیا۔ پھر ساتویں صدی ہجری کے آغاز میں چنگیز خان نے مسلمانوں کو تباہ و برباد کیا۔ 656 ہجری میں ہلاکو خان نے آخری عباسی خلیفہ کو قتل کر کے خلافتِ عباسیہ کا خاتمہ کر دیا۔ ترکوں کی ہر وہ صفت جو رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمائی، ہو بہو ان تاتاریوں میں پائی گئی جو بعد میں منگول یا مغول کے نام سے مشہور ہوئے۔

دریائے فرات سے سونے کا پہاڑ نکلنا

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ان کا یہ فرمان سنا کہ ایسا ہونے والا ہے کہ دریائے فرات سے سونے کا ایک پہاڑ برآمد ہوگا۔ جب لوگ اس کے بارے میں سنیں گے تو اس کی طرف روانہ ہوں گے، جو لوگ اس کے پاس ہوں گے وہ کہیں گے: اگر ہم نے باقی لوگوں کو یونہی چھوڑ دیا تو وہ سارے کا سارا سونا لے جائیں گے، پھر وہ اس پر لڑائی کریں گے تو ہر سو (100) میں سے ننانوے انسان قتل کر دیے جائیں گے۔ [21]

ایسے شہر کا فتح ہونا جس کی ایک جانب خشکی اور دوسری جانب سمندر ہے

نبیِ کریم ﷺ نے صحابہ سے فرمایا:

''کیا تم نے اس شہر کے بارے میں سنا ہے جس کی ایک جانب خشکی اور دوسری جانب سمندر ہے؟''

عرض کی گئی: ہاں، اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ نے فرمایا: ''قیامت قائم نہیں ہوگی جب تک کہ اسحاق علیہ السلام کی اولاد میں سے ستر ہزار جنگجو اس پر چڑھائی نہ کریں۔ وہ نہ اسلحے سے لڑیں گے اور نہ تیر ہی چلائیں گے بلکہ محض لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ کہیں گے جس سے اس کی سمندر والی ایک جانب گر جائے گی۔ پھر دوسری دفعہ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ کے نعرے سے اس کی دوسری جانب گر جائے گی۔ پھر لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ کہیں گے تو شہر کے دروازے کھل جائیں گے اور مسلمان داخل ہو کر مالِ غنیمت سمیٹیں گے۔ مسلمان مالِ غنیمت تقسیم کر رہے ہوں گے کہ دجال دجال کا شور مچ جائے گا اور مسلمان سب کچھ چھوڑ کر واپس ہو جائیں گے۔'' [22]

---

1 القمر 1:54. 2 صحيح البخاري، حديث:3637. 3 صحيح مسلم، حديث: 2672. 4 صحيح البخاري، حديث:7121.
5 صحيح البخاري، حديث: 6496. 6 صحيح مسلم، حديث:2671. 7 صحيح البخاري، حديث: 5590.
8 مجمع الزوائد: 118/4، و صحيح البخاري، حديث:2083. 9 مسند أحمد:134/3. 10 مقدمه صحيح مسلم، رقم: 6.
11 مسند أحمد:387/1. 12 صحيح البخاري، حديث: 7319. 13 مسند أحمد:408/1. 14 صحيح البخاري، حديث: 81.
15 سنن أبي داود، حديث: 4252. 16 صحيح البخاري، حديث: 2926. 17 صحيح البخاري، حديث: 3121.
18 صحيح البخاري، حديث: 7118. 19 البداية والنهاية:205/13. 20 صحيح البخاري، حديث: 3587.
21 صحيح مسلم، حديث: 2895. 22 صحيح مسلم، حديث: 2920.

کبیرہ گناہ

کبیرہ گناہ، بڑے گناہ کو کہتے ہیں۔ عربی میں بڑے گناہوں کو ''کبائر'' کہا جاتا ہے۔ بڑے گناہ وہ ہوتے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ قیامت کے روز سخت سزا دے گا۔ یہ سزا دوزخ کی آگ میں پھینکنے، جنت میں داخلے سے محرومی، اللہ کی طرف سے سخت غصے کے اظہار اور لعنت برسنے یا اس زندگی میں کسی دوسری انتہائی سزا کی صورت میں ہو سکتی ہے۔

بعض کبیرہ گناہوں کے لیے قرآن وسنت میں خاص سزائیں مقرر ہیں، انھیں ''حد'' کہا جاتا ہے۔ حد کی جمع حدود ہے۔ بعض کبیرہ گناہوں کی حد مقرر نہیں کی گئی۔ آخرت میں ان پر سخت سزا مل سکتی ہے۔ کبیرہ گناہوں میں چوری، زنا کاری، جھوٹی تہمت لگانا، والدین کی نافرمانی، کسی کو ناحق قتل کرنا، جادو کرنا، ناحق یتیم کا مال کھانا اور مرتد ہو جانا شامل ہیں۔ اگر کسی نے کبیرہ گناہ کیا اور اس کے لیے دنیا میں سزا پالی تو یہ معاملہ دنیا ہی میں طے ہو گیا ہے، اگر کسی وجہ سے اسے یہاں سزا نہیں مل پائی تو اسے توبہ کرنی چاہیے اور یہ معاملہ اللہ کے پاس ہے کہ وہ اس کی سزا معاف کر دے یا اسے قیامت کے روز سزا دے۔

قرآن وسنت میں متعدد آیات واحادیث میں کبیرہ گناہوں سے دور رہنے کی ہدایت کی گئی ہے اور ان گناہوں سے بچنے والوں کے لیے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''اگر تم بڑے گناہوں سے بچو گے، جن سے تمھیں روکا جاتا ہے تو ہم تمھاری چھوٹی چھوٹی برائیاں تم سے دور کر دیں گے

اور تمھیں عزت کی جگہ میں داخل کریں گے۔'' [1]

نبی کریم ﷺ نے چند کبیرہ گناہوں کے بارے میں فرمایا:

''سات گناہوں سے بچو جو تباہ کر دینے والے ہیں!'' صحابہ نے پوچھا: یا رسول اللہ! وہ کون سے گناہ ہیں؟ آپ نے فرمایا: ''اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، جادو کرنا، کسی کو ناحق قتل کرنا، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، میدانِ جہاد سے بھاگ جانا اور پاک دامن بھولی بھالی مومن عورتوں پر تہمت لگانا۔'' [2]

بڑے گناہوں میں سے بعض گناہ، دوسروں سے زیادہ سنگین ہوتے ہیں۔ ان میں سے نبی ﷺ نے ''شرک'' کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔ قرآن مجید کی آیات سے پتہ چلتا ہے کہ شرک کسی صورت میں معاف نہیں ہوگا اور مشرک کو ہمیشہ جہنم میں رہنا پڑے گا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

''بے شک اللہ یہ گناہ ہرگز نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور وہ اس کے سوا جسے چاہے معاف کر دیتا ہے۔ اور جو شخص اللہ کے ساتھ شرک کرتا ہے تو وہ یقیناً دور کی گمراہی میں جا پڑا ہے۔'' [3]

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں بڑے گناہ نہ بتادوں؟'' صحابہ نے عرض کی: ہاں، یا رسول اللہ! تو آپ نے فرمایا: ''کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانا، والدین کی نافرمانی کرنا۔'' آپ اس وقت تک ٹیک لگائے ہوئے تھے لیکن اب آپ سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا: ''ہاں، اور جھوٹی بات اور جھوٹی گواہی بھی۔'' راوی کہتے ہیں کہ آپ نے یہ بات اتنی بار دہرائی کہ ہم کہنے لگے: کاش آپ خاموش ہو جاتے۔'' [4]

کبائر کی معافی کی واحد صورت یہ ہے کہ خلوصِ دل کے ساتھ توبہ کی جائے اور پھر آیندہ ان کے قریب تک نہ پھٹکا جائے۔

1 النسآء 4:31.   2 صحیح البخاري، حدیث: 2766.   3 النسآء 4: 116.   4 صحیح البخاري، حدیث: 2654، دیکھیے: شرک اور سود۔

کفر

کُفر عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''چھپانے یا پردہ ڈالنے'' کے ہیں۔ یہ ایمان کے بالکل برعکس ہے۔ اسے کفر، یعنی چھپانا یا پردہ ڈالنا اس لیے کہا گیا ہے کہ کفر کرنے والا سچائی کو چھپاتا یا اس پر پردہ ڈالتا ہے۔ اسلامی قانون میں اس کے معنی ہیں، اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانا۔

کفر کرنے والا انسان دراصل اس حقیقت کو ماننے سے انکار کرتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایمان لانے کا حکم دیا ہے، حالانکہ وہ اس حقیقت سے پہلے سے آگاہ ہے۔ خواہ وہ کچھ کہے بغیر دل سے اسے مسترد کرے یا لفظوں کے ذریعے سے ایسا کرے یا دونوں طرح سے، یعنی دلی طور پر بھی اور لفظوں کے ذریعے سے بھی اسے ٹھکرائے یا وہ کوئی ایسا کام کرے جس کو قرآن مجید یا سنت نے دائرہ ایمان سے خارج ہو جانا قرار دیا ہے۔ ایسا کرنے والے آدمی کو کافر کہا جاتا ہے۔ کافر کی جمع کفار ہے۔

کفر کی دو اقسام ہیں: ایک بڑا کفر اور دوسرا چھوٹا کفر۔ بڑے کفر سے مراد ایسی باتیں ہیں جو انسان کو اسلام کے دائرے سے

بالکل خارج کر دیتی ہیں، مثلاً:

- حق کو ماننے سے انکار کرنا۔
- حق کو جاننے کے باوجود تکبر کی بنا پر اس سے انحراف کرنا، جیسا کہ ابلیس نے کیا تھا۔
- ایمان کی چھ بنیادی باتوں میں سے کسی ایک پر شبہے کا اظہار کرنا، خواہ ان کا کلی طور پر انکار نہ بھی کیا ہو۔
- حق سے ارادتاً منحرف ہو جانا۔
- منافقانہ طور پر انکار، یعنی اپنے انکار پر پردہ ڈالنا اور محض اس لیے اظہارِ ایمان کرنا کہ مسلمان اس کے دھوکے میں آ جائیں۔

چھوٹے کفر سے مراد ایسی باتیں ہیں جن سے انسان دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا لیکن اس گناہ کے ارتکاب کے وقت ایمان اس کے اندر سے نکل جاتا ہے۔ بعد میں دوبارہ ایمان حاصل ہو سکتا ہے لیکن اس میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ چھوٹے کفر کی ایک مثال نعمت کی ناشکری و ناقدری ہے جو اس شکل میں بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس کا مرتکب شخص اللہ کی بے شمار نعمتوں یا احسانات کو ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:

''اور اللہ نے ایک بستی کی مثال بیان کی ہے، وہ امن واطمینان سے (آباد) تھی، اسے اس کا رزق ہر جگہ سے وافر (میسر) آتا تھا، پھر اس (کے باشندوں) نے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی تو اللہ نے انھیں ان کے کرتوتوں کی وجہ سے بھوک کا مزہ چکھایا اور خوف کا لباس (پہنایا)۔'' [1]

چھوٹے کفر کی ایک اور قسم ایک مسلمان کے ساتھ ناحق لڑائی کرنا ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے:

''مسلمان کو گالی دینا فسق (گناہ) ہے اور اس سے لڑنا کفر ہے۔'' [2]

[1] النحل 112:16. [2] صحیح مسلم، حدیث: 64، دیکھیے: نفاق، ابلیس اور ایمان۔

لُوط علیہ السلام

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قریبی عزیز تھے۔ آپ پر ایمان رکھتے تھے۔ اللہ نے ان کو نبی بنا کر شہر سدوم کے لوگوں کی اصلاح کے لیے بھیجا۔ یہ شہر بحیرۂ مردار کے مغربی ساحل پر تھا۔ یہاں رہنے والے بہت سی گمراہیوں، فحش کاریوں اور بری عادتوں میں مبتلا تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے انھیں ان غلط کاریوں سے باز آنے کے لیے کہا۔ وہ لوگ ایسے گناہ کا شکار تھے جسے دنیا میں ان سے پہلے کسی نے نہیں کیا تھا۔ وہ لوگ جنسی تسکین کے لیے عورتوں کی بجائے مردوں کو ترجیح دیتے تھے۔ شاہراہوں پر لوٹ مار اور ڈکیتیاں عام تھیں اور فحاشی کھلی مجلسوں میں کی جاتی تھی۔ وہ ان گناہوں میں اتنے منہمک تھے کہ ان کے پاس اپنی طرف آنے والے پیغمبر کی باتیں سننے کے لیے بھی وقت نہ تھا۔ ان کے نبی حضرت لوط علیہ السلام نے جب انھیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو یہ انھیں اپنی لذتوں میں مداخلت معلوم ہوئی۔ انھوں نے دھمکی دی کہ اگر لوط علیہ السلام نے یہ تبلیغ بند نہ کی تو وہ ان کو اپنی آبادی سے نکال باہر کریں گے۔

حضرت لوط علیہ السلام سال ہا سال ان لوگوں کو گندگی کو چھوڑنے اور توبہ کرنے کی تبلیغ کرتے رہے مگر ان کے اپنے خاندان میں سے چند افراد کے سوا کوئی بھی سیدھے رستے پر نہ آیا، حتیٰ کہ گھر میں ان کی بیوی نے بھی ان پر ایمان لانے سے انکار کر دیا۔ اللہ کے پیغمبر

بحیرۂ مردار کے جنوبی ساحل پر واقع نخلستان جہاں کبھی شہر سدوم آباد تھا۔

بڑی مستقل مزاجی اور صبر سے دعوت و تبلیغ کا کام کرتے رہے لیکن منکرین ایمان نہ لائے۔ وہ الٹا ان کا مذاق اڑاتے اور پھبتیاں کستے رہے۔ تبلیغ سے چڑ کر قومِ لوط نے کہا:

''اگر آپ سچوں میں سے ہیں تو اللہ کا عذاب لے آئیں۔'' [1]

حضرت لوط علیہ السلام نے ان کے رویے سے مایوس ہو کر اللہ سے دعا کی کہ اے میرے رب! فسادی لوگوں کے مقابلے میں میری مدد فرما، چنانچہ اللہ نے فرشتے بھیجے۔ وہ پہلے ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے، ان کو ایک مبارک بیٹے کی خوشخبری سنائی، ساتھ ہی ان کو یہ بھی بتایا کہ وہ قومِ لوط کو عذاب کا مزا چکھانے آئے ہیں، لیکن لوط علیہ السلام اور دیگر اہل ایمان اس عذاب سے محفوظ رہیں گے۔ وہ ابراہیم علیہ السلام سے رخصت ہو کر شہر سدوم کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہاں پہنچنے کے بعد انھوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ کیا آپ ہمارے میزبان بننا پسند کریں گے؟ حضرت لوط علیہ السلام کو معلوم نہ تھا کہ یہ فرشتے ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے بداعمال لوگوں کو سزا دینے کے لیے بھیجا ہے۔ انھوں نے ان خوش شکل مہمانوں کی طرف غور سے دیکھا اور اپنی قوم کے بدفطرت افراد کی خصلتوں کے پیش نظر انھیں ناراض کیے بغیر یہ مشورہ دیا کہ وہ یہاں رات بسر نہ کریں لیکن جب انھوں نے رات گزارنے پر اصرار کیا تو لوط علیہ السلام نے کہا کہ آپ لوگ میرے گھر کے اندر داخل ہونے کے لیے اندھیرا چھا جانے کا انتظار کریں کیونکہ اس وقت آپ کو یہاں کا کوئی آدمی دیکھ نہیں سکے گا۔

جب شہر پر اندھیرا چھا گیا تو حضرت لوط علیہ السلام اپنے مہمانوں کو گھر لے آئے۔ ان کی بیوی نے جونہی اتنے خوبصورت مہمانوں کو دیکھا تو وہ یہ خبر لے کر دوڑتی ہوئی اپنے رشتہ داروں کے پاس پہنچی اور انھیں ان مہمانوں کے بارے میں بتا دیا۔ یہ خبر جنگل کی آگ

کی طرح ہر طرف پھیل گئی۔ لوگ فوراً لوط علیہ السلام کے گھر کی طرف آئے اور مہمانوں کو اپنے حوالے کرنے کا مطالبہ کرنے لگے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اے میری قوم! میری قوم کی بیٹیاں موجود ہیں، ان سے نکاح کر لو، یہ تمھارے لیے پاکیزہ تر ہیں، تم اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے معاملے میں مجھے رسوا نہ کرو۔ لیکن اس وعظ کا ان پر کچھ بھی اثر نہ ہوا اور وہ اپنے مطالبے پر بضد رہے اور جب مہمانوں نے اپنے میزبان کو بے بس پایا تو کہنے لگے:

”آپ نہ ڈریں اور نہ غم کھائیں، بلاشبہ ہم آپ کے اور آپ کے گھر والوں کے نجات دہندہ ہیں، سوائے آپ کی بیوی کے، وہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے۔ بے شک ہم اس بستی کے باشندوں پر ان کے فسق کی وجہ سے آسمان سے عذاب نازل کرنے والے ہیں۔“ [2]

اس کا مطلب یہ تھا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی بھی ان گمراہ لوگوں سمیت ہلاک کر دی جائے گی۔

فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام سے کہا کہ وہ رات گئے اپنی اہلیہ کے سوا تمام اہل خانہ کو لے کر نکل جائیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے لوط علیہ السلام اور ان کے ایمان دار گھر والوں کے چلے جانے کے بعد ”سدوم“ کو اس کے سب باشندوں سمیت تباہ

و برباد کر کے رکھ دیا۔ شہر کو الٹ کر اوپر سے نیچے کر دیا گیا اور ان پر کھنگر کے پتھر تہ بہ تہ برسائے گئے۔ اس عذاب سے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی سمیت سب تباہ ہو گئے۔ قرآن مجید کہتا ہے:

”پھر ہم نے ان (لوط علیہ السلام کو) اور ان کے اہل خانہ کو نجات دی، سوائے ان کی بیوی کے، ہم نے فیصلہ کر دیا تھا کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں سے ہوگی۔ اور ہم نے ان پر (پتھروں کی) بارش برسائی تو (ان) ڈرائے گئے لوگوں پر بدترین بارش برسائی گئی۔“ [3]

اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے سچے پیروکاروں کو بچا لیا اور یہ قصہ ان لوگوں کے لیے بطور عبرت بیان کیا جو سمجھ بوجھ رکھتے ہیں اور عبرت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

---

[1] العنکبوت 29:29۔ [2] العنکبوت 29:33،34۔ [3] النمل 27:57،58۔

لیلۃ القدر

لیلۃ القدر یا شبِ قدر ماہ رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے ایک رات ہے۔ اسی رات میں سب سے پہلے قرآن مجید اتارا گیا۔ اور اسی رات آنے والے سال کے متعلق موت و حیات اور وسائل زندگی کے فیصلے لوحِ محفوظ سے اتار کر فرشتوں کے سپرد کر دیے جاتے ہیں۔ لیلۃ القدر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''بے شک ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ شبِ قدر کیا ہے؟ شبِ قدر ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ اس رات میں فرشتے اور روح (جبریل) اپنے رب کے حکم سے ہر کام کے لیے نازل ہوتے ہیں۔ (وہ رات) طلوعِ فجر تک سراسر سلامتی ہے۔''[1]

قرآن مجید اسے برکت کی رات بھی قرار دیتا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''بے شک ہم نے اس (قرآن کریم) کو ایک بابرکت رات میں نازل کیا ہے، بے شک ہم (اس کے ذریعے سے انسانوں کو آخرت کے عذاب سے) ڈرانے والے ہیں۔'' [2]

رسول اللہ ﷺ نے لیلۃ القدر کی فضیلت کے بارے میں فرمایا:

''جو شخص ایمان کی حالت میں ثواب طلب کرنے کے لیے شب قدر کا قیام کرتا ہے تو اس کے پہلے گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں۔'' [3]

نبی کریم ﷺ اس رات کی خود بھی جستجو کرتے اور صحابہ کو بھی اس کی جستجو کا حکم دیتے تھے۔ نبی کریم ﷺ رمضان المبارک کے آخری عشرے کی راتوں میں اپنے خاندان کے افراد کو جگاتے تاکہ وہ رات کا زیادہ وقت عبادت و ریاضت میں گزاریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

''لیلۃ القدر کو رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں ڈھونڈو۔'' [4]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے یہ بھی بتایا کہ جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو نبی ﷺ رات کو جاگتے، اپنے گھر والوں کو بھی جگاتے اور (عبادت میں) خوب محنت کرتے اور (اس کام کے لیے) کمر کس لیتے۔ [5]

---

1 القدر 97:1-5. 2 الدخان 44:3. 3 صحیح البخاري، حدیث:1901. 4 صحیح البخاري، حدیث: 2017.

5 صحیح مسلم، حدیث: 1174، دیکھیے: رمضان المبارک۔

100

محمد ﷺ

پیارے نبی تمام جہانوں کے لیے رحمت، امامِ انبیاء، سید ابنائے آدم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کے بیٹے تھے۔ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ کا نام آمنہ تھا۔ جناب عبداللہ کا تعلق خاندانِ بنو ہاشم سے تھا جو قبیلہ قریش کا معزز ترین خاندان شمار ہوتا تھا۔ حضرت محمد ﷺ عام الفیل (بمطابق 571 عیسوی) میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد آپ کی ولادت سے قبل وفات پا چکے تھے اور والدہ اس وقت فوت ہوئیں جب آپ چھ سال کے تھے۔ اس طرح آپ نے یتیمی کی حالت میں پرورش پائی۔

آپ کو آپ کی والدہ کے بعد سب سے پہلے ابولہب کی لونڈی ثُوَیبَہ نے دودھ پلایا۔ بعد ازاں قبیلہ بنوسعد کی خاتون حلیمہ سعدیہ آپ کو دودھ پلانے کے لیے اپنے ساتھ لے گئیں۔ یہ قبیلہ صحرا کی کھلی اور صاف فضا میں رہتا تھا اور صحرائی روایات کا حامل تھا۔

آٹھ سال تک آپ کے معمر دادا جناب عبدالمطلب بڑی شفقت سے آپ کی دیکھ بھال کرتے رہے اور اپنی زندگی کے آخری لمحوں تک یہ فرض نبھایا۔ جب آپ آٹھ سال کے ہوئے تو دادا وفات پا گئے، پھر آپ اپنے چچا ابو طالب کے گھرانے میں شامل ہو گئے۔ آپ بچپن ہی سے انتہائی عمدہ عادات وصفات اور اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ آپ کو صادق اور امین کے لقب سے یاد کرتے تھے جس کے معنی سچا، دیانت دار اور قابل اعتماد کے ہیں۔

آپ چالیس سال کے ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصب نبوت پر فائز کیا اور ساری انسانیت کو سیدھا رستہ دکھانے کے لیے آپ کو مبعوث کیا۔ آپ سب سے آخری نبی ہیں۔

آپ پر وحی کے نزول کا آغاز کیسے ہوا؟ اس کے بارے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتدا نیند کی حالت میں سچے خوابوں کے ذریعے سے ہوئی، آپ ﷺ رات کو جو خواب دیکھتے، وہ اگلے دن صبح کی روشنی کی طرح سامنے آجاتا۔ [1]

جبریل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ پر جو پہلی وحی لے کر آئے تھے، وہ یہ تھی:

''اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھیے جس نے پیدا کیا۔ اس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔ پڑھیے کہ آپ کا رب بڑا کریم ہے۔ وہ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا۔ اس نے انسان کو وہ علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔'' [2]

یہ آیات اس وقت اتریں جب آپ غارِ حرا میں تھے۔ زندگی کے اس دور میں وہاں آپ تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے تھے اور کئی دن اور کئی راتیں وہاں قیام فرماتے تھے۔

جب نبیِ کریم ﷺ نے لوگوں کو اسلام کا سچا پیغام پہنچایا تو اس پر آپ کو بڑی تکلیفیں برداشت کرنی پڑیں۔ آپ کے صحابہ نے بھی مشرکینِ عرب کے ظلم اٹھائے۔ جب سختیاں حد سے بڑھ گئیں تو آپ نے صحابہ کو ہجرت کرنے کا حکم دیا۔ پہلے دو مرتبہ حبشہ کی طرف ہجرت کی گئی، بعد میں مسلمانوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور اس ہجرت کے آخر میں نبیِ کریم ﷺ بھی مدینہ تشریف لے گئے۔ اور مدینے کی مشکل اور جدوجہد سے بھری ہوئی زندگی کا آغاز ہوا۔

یہ صعوبتیں بالآخر رنگ لائیں۔ کئی سال بعد نبیِ اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ فاتحین کے طور پر مکہ میں واپس آگئے۔ آپ نے بے پناہ فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سب دشمنوں کو عام معافی دے دی۔ نبی ﷺ نے 63 سال کی عمر پائی۔ آپ کی زندگی ہی میں جزیرہ نمائے عرب کا بیشتر حصہ مسلمان ہو چکا تھا۔ آپ کے بعد ایک صدی کے دوران میں اسلام مغرب میں سپین تک اور مشرق میں چین تک پہنچ چکا تھا۔ اسلام کے تیز اور پرامن طریقے سے پھیلنے کے اسباب میں سے ایک سبب اس کی حقانیت اور اس کے پیش کردہ عقائد اور عبادات کا سچا، واضح اور آسان ہونا تھا۔ اسلام توحید کا علمبردار ہے، صرف ایک معبود، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے، صرف اسی کی عبادت کرنے اور پوری زندگی اللہ اور اس کے رسول کے احکام کے مطابق دانائی اور کامیابی سے گزارنے کا مطالبہ کرتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ سچائی، دیانتداری، انصاف، رحمدلی اور شجاعت کا کامل نمونہ تھے۔ آپ اگرچہ ایک انسان تھے مگر انسانوں میں پائی جانے والی خامیوں سے یکسر پاک تھے۔ آپ کا جہاد صرف اللہ کی رضا کی خاطر، مظلوموں کی حمایت اور آخرت میں ملنے والے اجر وثواب کے لیے تھا۔ آپ اپنے اعمال اور لوگوں سے معاملات میں اللہ کی خوشنودی کو پیش نظر رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی برکتوں اور رحمتوں کا نزول فرمائے۔ آمین!

اللہ تعالیٰ نے آپ کو پوری انسانیت کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ آپ اہل ایمان کے لیے خوشخبری اور نافرمانی کرنے والوں کے لیے ڈرنے کا پیغام لے کر آئے۔ قیامت کے دن آپ تمام بنی آدم کے سردار ہوں گے۔ سب سے پہلے آپ قبر مبارک سے نکلیں گے۔ شفاعت بھی سب سے پہلے آپ کریں گے اور آپ ہی کی شفاعت سب سے پہلے قبول کی جائے گی۔ آپ ہی پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ آپ سب انبیاء ورُسل کے سردار ہوں گے۔

آپ اپنے رب کی طرف سے حق اور سچائی لے کر دنیا میں آئے۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو حکم دیتا ہے کہ وہ آپ سے محبت کریں، آپ کی پیروی اور اطاعت کریں۔ اللہ فرماتا ہے:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔" [3]

ایک دفعہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے لیے اس کے والد، اس کی اولاد اور سب لوگوں کی نسبت زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔" [4]

نبی کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

"جس نے میری اطاعت کی تو اس نے یقیناً اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی تو اس نے یقیناً اللہ کی نافرمانی کی۔" [5]

درحقیقت رسول اللہ ﷺ سے محبت اور آپ پر ایمان کی شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ آپ کے احکامات کی تعمیل کی جائے۔

قرآن مجید میں ہے:

"آپ کہہ دیجیے: اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمھارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔ آپ کہہ دیجیے: تم اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، پھر اگر یہ (لوگ) منہ موڑیں تو بے شک اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا۔" [6]

---

[1] صحيح البخاري، حديث: 6982. [2] العلق 96:1-5. [3] النسآء 4:59. [4] صحيح البخاري، حديث: 15.
[5] صحيح البخاري، حديث: 7137. [6] آل عمران 3:31،32، دیکھیے: عام الفیل، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور ہجرت مدینہ۔

مدینہ منورہ

مدینہ منورہ وہ شہر ہے جہاں رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے تشریف لے گئے اور اسی کو اپنا وطن بنا لیا۔ اسی شہر میں آپ نے اپنی مسجد تعمیر کی، یہیں آپ نے اپنا مشن مکمل کیا اور یہیں آپ کا جسد اطہر مدفون ہے۔

مدینہ منورہ کو اسلام سے پہلے یثرب کہا جاتا تھا۔ یہ اس شخص کا نام تھا جس نے اس شہر کی بنیاد رکھی تھی۔ یثرب کے لغوی معنی ''ملامت، فساد، خرابی'' کے ہیں، اس لیے اس کا نام بدل کر ''مدینة النبی'' رکھ دیا گیا۔ یہاں دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج آباد تھے، کچھ دوسرے عرب اور یہودی قبیلے بھی رہتے تھے۔ مدینہ منورہ کے متعدد نام ہیں۔ علامہ یاقوت حموی نے اس شہر کے انتیس (29) نام لکھے ہیں جن میں سے چند مشہور نام یہ ہیں: طَابَة، طَیْبَة، اَلْمِسْکِیْنَة، اَلْمُحِبَّة، اَلْقُدْسِیَة، اَلْمُبَارَکَة، اَلْمُخْتَارَة۔ البتہ ''المدینہ'' اس شہر کا سب سے مشہور نام ہے۔ یہ ''مَدِیْنَةُ النَّبِي ﷺ'' (نبی ﷺ کا شہر) کی تخفیف ہے۔

نبیِ اکرم ﷺ نے مدینہ کی عزت، حرمت اور شان میں اضافے اور اسے امن کا گہوارہ بنانے کے لیے اس کے باہر دو پہاڑوں جبلِ عیرؑ اور جبلِ ثور کے درمیان کے سارے علاقے کو حرم قرار دیا ہے، لہٰذا وہاں درخت کاٹنا ممنوع ہے اور کفر و بدعت کے ارتکاب اور کسی انسان، جانور یا پرندے پر ظلم کرنے کی بھی سختی سے ممانعت ہے۔ نبیِ کریم ﷺ نے اللہ سے دعا کی کہ وہ مسلمانوں کے دلوں میں مدینہ کی محبت مکہ کی محبت سے بھی بڑھا دے، اسی طرح آپ نے اللہ تعالیٰ سے اس شہر پر خصوصی برکات کے نزول کی بھی دعا
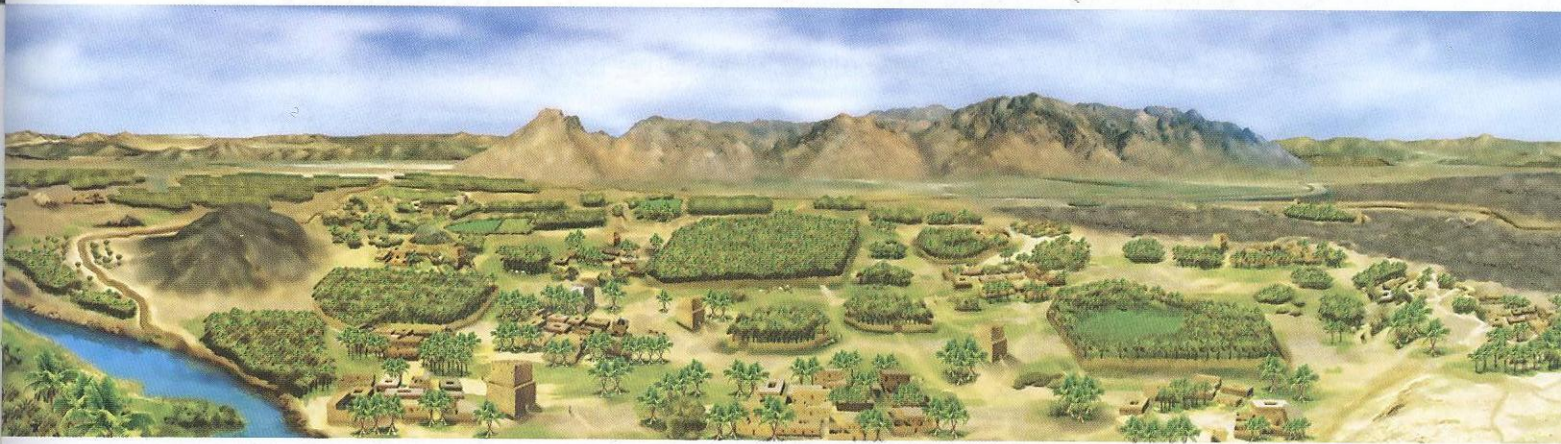
کی۔ ایک دفعہ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

''بلاشبہ یہ طیبہ ہے، آپ کی مراد مدینہ تھی۔ اور بلاشبہ یہ (مسلمانوں کے اندر کے) کھوٹ کو یوں دور کر دیتا ہے جس طرح آگ چاندی کے میل کچیل کو دور کر دیتی ہے۔''[1]

مدینہ منورہ کی شہرت کی ایک وجہ مسجد نبوی بھی ہے۔ مسجد نبوی کو خاص فضیلت، شرف اور عظیم مرتبہ حاصل ہے۔ نبیِ کریم ﷺ
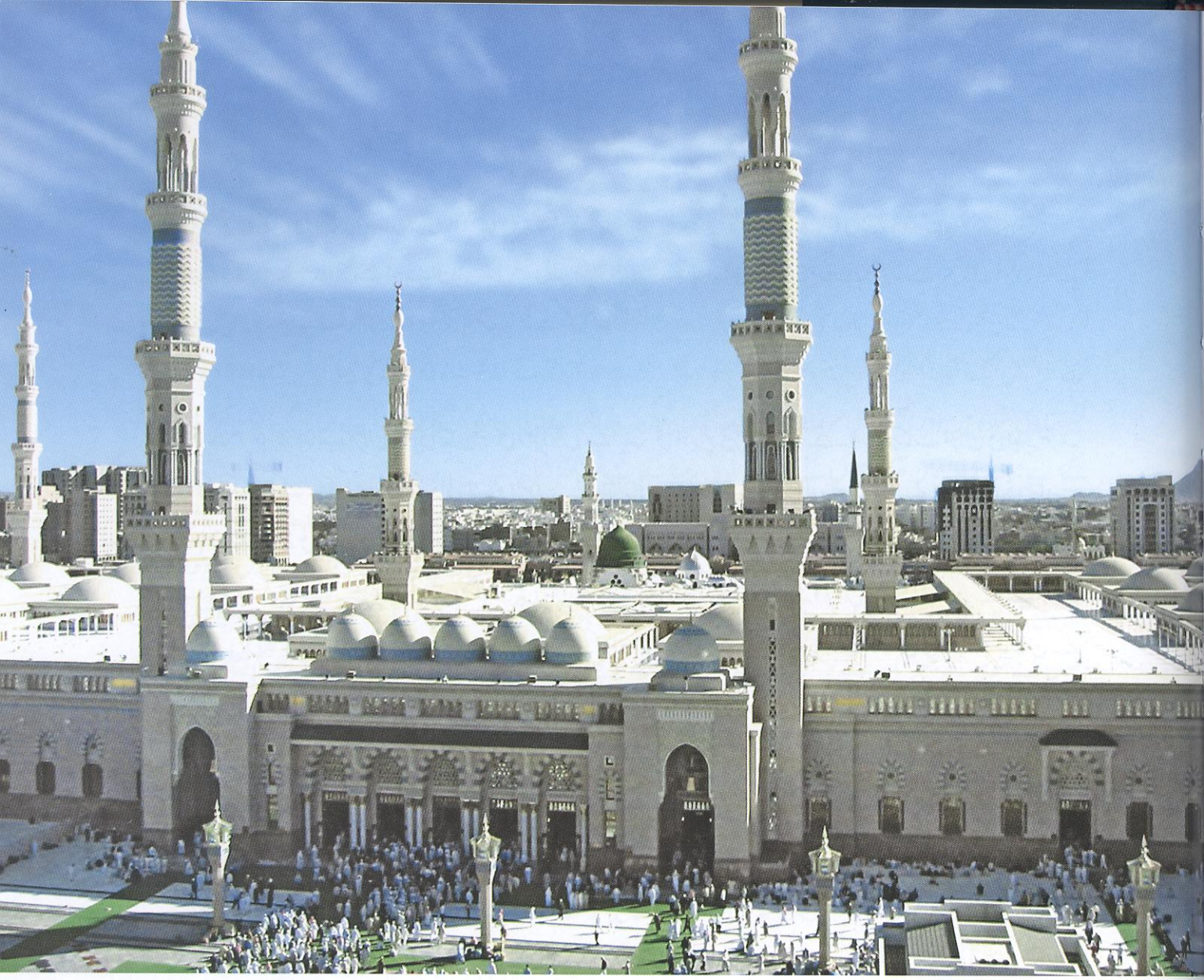
کا فرمان ہے:

’’میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مساجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے، البتہ مسجد حرام کا ثواب اس سے بھی زیادہ ہے۔‘‘ [2]

نبی ﷺ جب مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو اہلِ مدینہ نے نہ صرف آپ کا دل کی گہرائیوں سے استقبال کیا بلکہ اپنی جان، اولاد اور مال آپ پر نچھاور کیا اور آپ کے مشن کو زبردست تقویت دی۔ آپ کی برکت سے مدینہ منورہ اسلام کا صدر مقام بن گیا۔ نبیِ کریم ﷺ کا انتقال مدینہ ہی میں ہوا اور یہیں آپ کی تدفین ہوئی۔ آپ کی قبر مبارک مدینہ میں ہے۔

1 صحیح مسلم، حدیث: 1384.   2 صحیح البخاري، حدیث: 1190، دیکھیے: مسجدِ نبوی۔

مریم علیہاالسلام

حضرت مریم علیہاالسلام جناب عمران کی بیٹی تھیں جو بنی اسرائیل کے ایک متقی اور پرہیز گار شخص تھے۔ جب جناب عمران کی اہلیہ محترمہ پر واضح ہوگیا کہ وہ ایک بچے کی ماں بننے والی ہیں تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے خصوصی دعا مانگی اور ہونے والے بچے کو اللہ کی عبادت کے لیے وقف کر دینے کی نذر مانی۔ ان کا خیال تھا کہ لڑکا پیدا ہوگا جو اللہ کے دین کی خدمت کرے گا لیکن اللہ نے انھیں بیٹی عنایت کر دی۔ وہ نذر کے حوالے سے پریشانی میں مبتلا ہوئیں لیکن اللہ نے ان کے دل میں ڈالا کہ وہ اس بیٹی ہی کو دین کے لیے وقف کر دیں۔ اس بیٹی کا نام انھوں نے مریم رکھا اور اللہ سے دعا کی کہ وہ اس کو اپنی حفظ وامان میں رکھے اور اس کی اولاد کو شیطان کے شر سے محفوظ فرمائے۔

حضرت زکریا علیہ السلام حضرت مریم علیہاالسلام کے خالو تھے۔ حضرت مریم کی نگہداشت انھی کے سپرد ہوئی۔ وہ بعض اوقات مریم علیہاالسلام کی محراب (جائے عبادت) میں بھی جا کر ان کا حال دریافت کرتے۔ زکریا علیہ السلام جب بھی محراب میں داخل ہوتے تو حضرت مریم علیہاالسلام کے پاس کھانے پینے کی عمدہ چیزیں پاتے جو کسی کو میسر نہ تھیں، وہ کہتے:

''اے مریم! تمھارے پاس یہ کہاں سے آئیں؟ تو وہ جواب دیتیں: یہ اللہ کی طرف سے (آئی) ہیں، بے شک اللہ جسے چاہے بے حساب رزق دیتا ہے۔'' [1]

مریم علیہا السلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ تھیں اور عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت بھی وہ کنواری تھیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش یوں ہوئی کہ ایک روز وہ اپنے کمرے میں عبادت کر رہی تھیں کہ اچانک ایک فرشتہ انسانی شکل میں ان کے سامنے نمودار ہوا۔ وہ اس سے ڈریں اور کہا کہ میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں اگر تو ڈرنے والا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ وہ اللہ کی طرف سے انھیں یہ خبر دینے آیا ہے کہ انھیں ایک نیک اطوار اور پاکیزہ صفت بیٹا عطا ہوگا۔ حضرت مریم علیہا السلام نے دہشت زدہ ہو کر پوچھا کہ یہ کیسے ہوگا، حالانکہ وہ غیر شادی شدہ ہیں اور انھیں کسی مرد نے چھوا تک نہیں؟ اس نے جواب دیا: یہ اللہ کا حکم ہے کہ ایسے ہی ہوگا۔ یہ پاکباز مریم علیہا السلام کے لیے بہت بڑا امتحان تھا۔ انھوں نے صرف اللہ کی رضا کے لیے سر جھکا دیا۔[1]

بہر حال وہ صرف اللہ کے حکم سے حاملہ ہوئیں اور ایک الگ تھلگ مقام پر چلی گئیں جہاں ان کے بطن سے بچہ پیدا ہوا۔ انھیں اللہ نے بچے کی ولادت کے بعد جلد طاقت لوٹا دی اور وہ بچے کو اٹھائے ہوئے شہر میں داخل ہوئیں تو لوگوں نے انھیں کئی دنوں کے بعد پہلی بار بچہ اٹھا کر آتے دیکھا۔ وہ بڑی تعداد میں ان کے گرد جمع ہو گئے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ وہ گناہ کی مرتکب ہوئی ہیں کیونکہ انھوں نے شوہر کے بغیر ایک بچے کو جنم دیا ہے۔ جب ان سے پوچھا گیا کہ یہ بچہ کیسے پیدا ہوا؟ تو جواب میں مریم علیہا السلام نے بچے کی طرف اشارہ کر دیا۔

اس پر وہ ہنسے اور کہا کہ ہم چند دن کے ایک شیر خوار بچے سے کیسے بات کر سکتے ہیں؟ اس مشکل وقت میں عیسیٰ علیہ السلام جو بہت چھوٹے تھے، معجزاتی طور پر بول اٹھے:

”بلاشبہ میں اللہ کا بندہ اور اس کا کلمہ (حکم، جس کے سبب سے ان کی ولادت ہوئی) ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا ہے۔ اور اس نے مجھے، جہاں بھی میں ہوں، برکت والا بنایا ہے اور مجھے جب تک میں زندہ رہوں، نماز اور زکاۃ کی پابندی کا حکم دیا ہے۔ اور اپنی والدہ سے نیکی کرنے والا بنایا ہے۔ اس نے مجھے سرکش (اور) بد بخت نہیں بنایا۔ اور (اللہ کی طرف سے) سلامتی ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں زندہ (کر کے) اٹھایا جاؤں گا۔“ [2]

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

”ہر بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو شیطان پیدا ہوتے ہی اسے فوراً چھوتا ہے جس سے وہ بچہ چلاتا ہے سوائے مریم اور ان کے بیٹے (عیسیٰ علیہ السلام) کے، شیطان انھیں چھو تک نہ سکا، پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر تم چاہو تو (حضرت مریم کی والدہ کی دعا) پڑھ لو: ”اور بے شک میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردُود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔“ [3]

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

”مردوں میں تو بہت سے کامل ہوئے ہیں لیکن عورتوں میں فرعون کی بیوی آسیہ اور مریم بنت عمران علیہا السلام (بعض دوسری صحیح احادیث میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا نام بھی ہے) کے سوا اور کوئی کامل نہیں ہے۔“ [4]

1 آل عمران 3:37. 2 مريم 19:30-33. 3 آل عمران 3:36، و صحيح البخاري، حديث: 4548.
4 صحيح البخاري، حديث: 3411 دیکھیے: عیسیٰ علیہ السلام۔

مزدلفہ

مزدلفہ ایک میدان ہے جو مکہ مکرمہ کے باہر منیٰ اور عرفات کے تقریباً درمیان میں واقع ہے۔ اسے جَمع بھی کہا جاتا ہے کیونکہ حجاج کرام 10 ذوالحجہ کی رات کو عرفات سے واپسی پر یہاں جمع ہوتے ہیں۔ مزدلفہ میں قیام کرنا حج کا لازمی حصہ ہے اور جو ایسا نہ کرے، اسے ایک جانور کی قربانی کی صورت میں قیام نہ کرنے کا کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے۔

حجاج کرام 9 ذوالحجہ کو غروب آفتاب کے بعد عرفات سے مزدلفہ کے لیے روانہ ہوجاتے ہیں اور سارے رستے میں تلبیہ (لَبَّيْكَ اللّٰهُمَّ لَبَّيْكَ...) پڑھتے جاتے ہیں۔ مزدلفہ پہنچ کر مغرب اور عشاء کی نمازیں اکٹھی پڑھتے ہیں۔ دونوں نمازوں کے لیے ایک اذان کہی جاتی ہے جبکہ اقامت دونوں نمازوں کی علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے۔ مغرب کی نماز پوری پڑھی جاتی ہے جبکہ عشاء کو قصر کرتے ہوئے دو رکعتیں ادا کی جاتی ہیں۔ حجاج کرام رات مزدلفہ میں گزارتے ہیں۔ وہیں نماز فجر ادا کرتے ہیں اور 10 ذوالحجہ کو نماز فجر کے بعد صبح کی سفیدی پھیلنے تک قبلہ رخ ہوکر اللہ کا ذکر اور دعائیں کرتے ہیں، پھر سورج طلوع ہونے سے پہلے منیٰ کے لیے روانہ ہوجاتے ہیں۔ راستے میں سے سات کنکریاں چنتے ہیں تاکہ انھیں عقبہ کے جمرے (پتھر مارنے کے ایک ستون) پر مار سکیں۔

دیکھیے: حج، تلبیہ اور عرفات۔
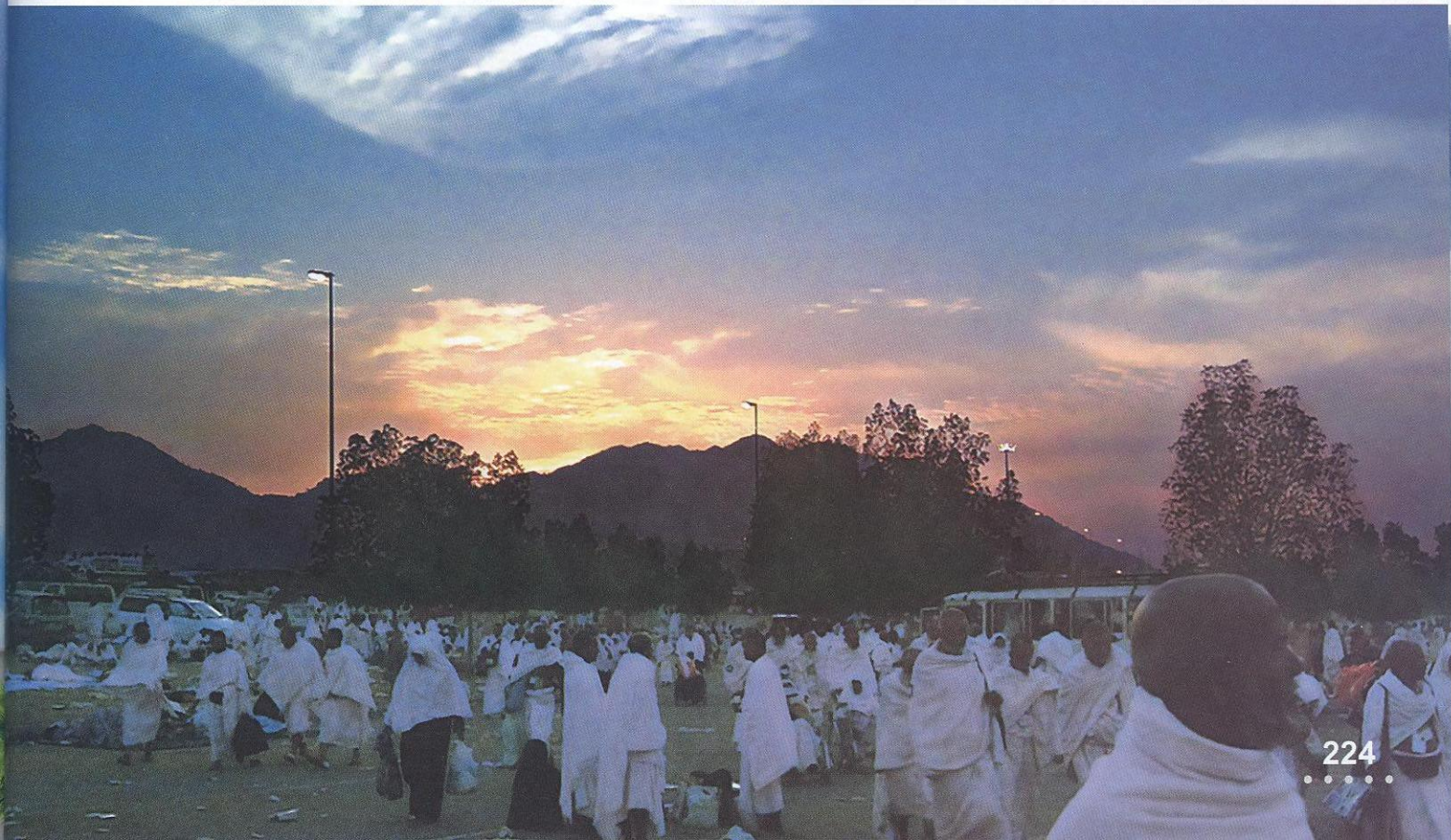
مسجد

مسجد، مسلمانوں کی عبادت گاہ ہے۔ مسجد کی جمع مساجد ہے۔ مسجد مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا مرکز ومحور ہوتی ہے اور ان کی ساری سرگرمیاں اس کے گرد گھومتی ہیں۔ مسجد کی اہمیت اتنی زیادہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ جب ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو انھوں نے

پہلا کام یہی کیا کہ مسجد تعمیر کرائی۔ مساجد کے بارے میں قرآن مجید میں کہا گیا ہے:

(یہ چراغ اور قندیلیں) ان گھروں میں ہیں (جن کے متعلق) اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کو بلند کیا جائے اور ان میں اللہ کا نام ذکر کیا جائے۔" [1]

یہ ایک حقیقت ہے کہ مسجدیں اللہ کے نزدیک بہترین مقامات ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کے نزدیک شہروں یا آبادیوں کے سب سے زیادہ پسندیدہ حصے مسجدیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک آبادیوں کے سب سے زیادہ ناپسندیدہ حصے بازار ہیں۔" [2]

مساجد کی اہمیت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انھیں تعمیر کرانے والوں کے لیے کثیر انعام اور اجر و ثواب کا وعدہ کیا ہے، بشرطیکہ وہ انھیں صرف اللہ کی خوشنودی کی خاطر بنوائیں۔ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص مسجد بنائے اور اس کے ذریعے سے صرف اللہ کی رضا چاہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے بہشت میں اسی طرح کا گھر بنا دیتا ہے۔" [3]

مسجدوں کو ہمیشہ صاف ستھرا رکھنا چاہیے اور ہمیشہ ان کا انتہائی ادب اور احترام ملحوظ رکھنا چاہیے۔ ان کی طرف آتے ہوئے ناگوار بو ساتھ لے کر نہ آئیں اور نہ ایسے ننھے بچوں ہی کو ہمراہ لائیں جو بہت ہی چھوٹے ہوں کیونکہ یہ بچے مسجد میں بھاگ دوڑ کر کے دوسروں کی عبادت میں خلل پیدا کرتے ہیں اور بلند آواز میں باتیں کر کے سب کا سکون خراب کرتے ہیں۔ مسجدوں میں اونچی آواز سے دوسروں کو مخاطب کرنا، دنیا کی باتیں کرنا یا تجارت اور دکانداری وغیرہ سے متعلق گفتگو یا اعلان کرنا ممنوع ہے۔ مسلمان مردوں کو پانچوں نمازیں مسجد میں ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور اس پر بہت زیادہ اجر و ثواب کا وعدہ کیا گیا ہے۔ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

"جو شخص دن کے پہلے یا آخری حصے میں (عبادت کے لیے) مسجد کی طرف جائے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے بہشت کی مہمانی تیار کرتا ہے۔" [4]

نبیِ کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

"سات آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے سائے میں رکھے گا۔ اس دن اس کے عرش کے سوا اور کسی چیز کا سایہ نہ ہوگا۔ (ان میں) ایک وہ شخص (ہے) جس کا دل ہر وقت مسجد کی طرف لگا رہتا ہے۔" [5]

---

1 النور 36:24.   2 صحيح مسلم، حديث: 671.   3 صحيح البخاري: حديث: 450.   4 صحيح البخاري، حديث: 662.

5 صحيح البخاري، حديث: 1423، دیکھیے: نماز اور مدینہ منورہ۔

105

مسجدِ حرام

مسجد حرام مکہ مکرمہ میں ہے جس کے اندر ایک مکعب (چوکور) عمارت ہے جسے کعبہ یا بیت اللہ کہتے ہیں۔ اس میں ایک سیاہ پتھر نصب ہے جس کا نام حجرِ اسود ہے۔ پہلے یہ بہت چھوٹی عمارت تھی اور اس کے گرد چار دیواری نہیں تھی۔ اس کی اولین توسیع نبیِ اکرم ﷺ نے کی تھی۔ بعد ازاں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما، مہدی بن ابو جعفر منصور اور
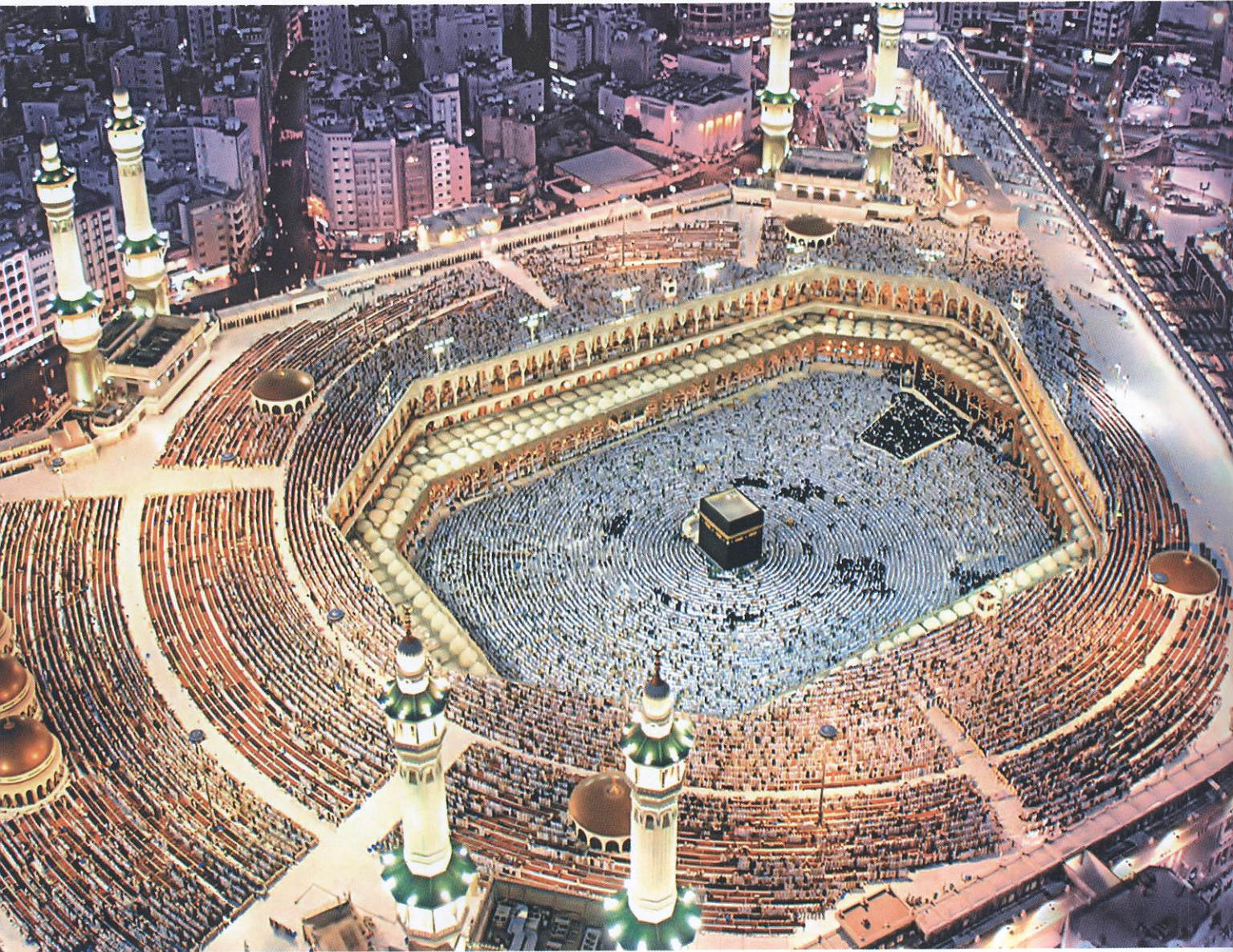
مسجدِ حرام

دیگر شخصیات نے اپنے اپنے عہد میں اس کی حدود میں توسیع کی۔ تاہم جدید دور میں شاہ عبدالعزیز آل سعود نے 1375 ہجری بمطابق 1956 عیسوی میں اور شاہ فہد بن عبدالعزیز نے 1409 ہجری بمطابق 1988 عیسوی میں بڑے پیمانے پر اس میں توسیع کی۔

مسجد حرام روئے زمین کی مقدس ترین مسجد ہے جس کی عظمت قرآن اور حدیث سے ظاہر ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

''میری مسجد میں نماز مسجد حرام کے سوا کسی بھی مسجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے اور مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنا کسی دوسری مسجد کی ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔'' [1]

مسلمان دنیا کے جس خطے میں ہوں نماز ادا کرتے وقت اسی مسجد کی طرف رخ کرتے ہیں، اسی لیے بیت اللہ یا کعبہ ہی کو قبلہ کہا جاتا ہے۔
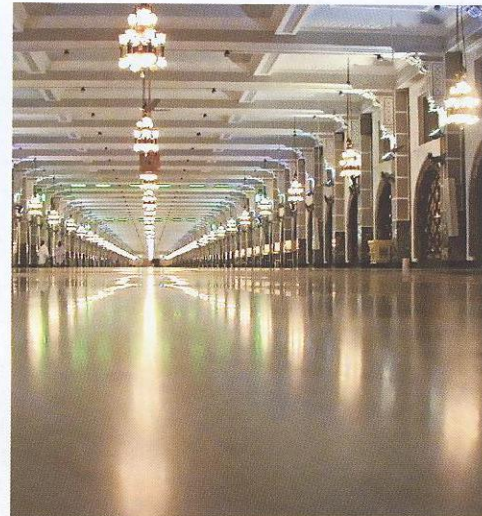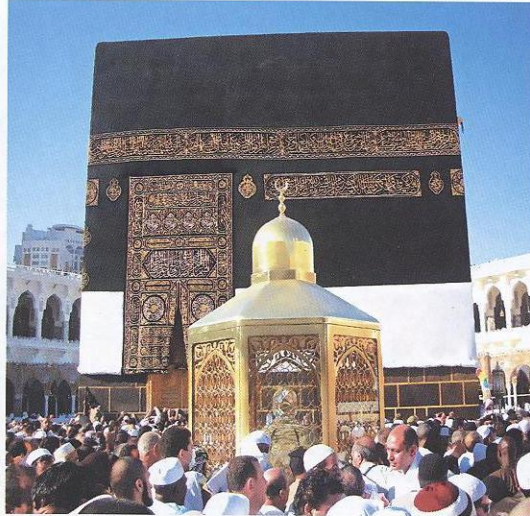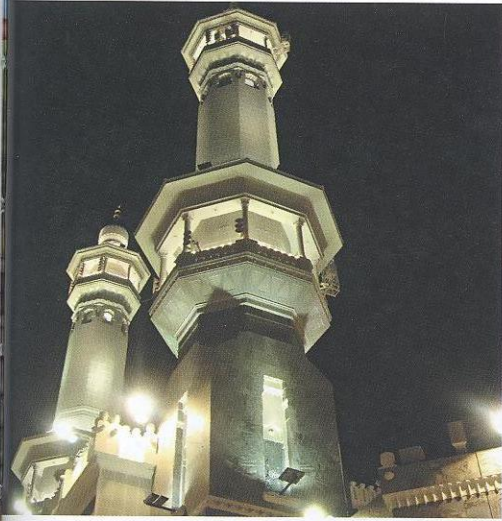
[1] سنن ابن ماجه، حديث: 1406.

مسجد نبوی

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو اس زمانے میں اس شہر کو یثرب کہا جاتا تھا۔ قبیلہ اوس اور خزرج سے تعلق رکھنے والے مسلمان لوگ روزانہ آپ کے انتظار میں دور تک آپ کے استقبال کے لیے باہر آتے۔ آخر کار ایک دن لوگوں نے دیکھا کہ آپ ایک اونٹنی پر سوار تشریف لا رہے ہیں۔ لوگوں نے آپ ﷺ کا بہترین استقبال کیا۔ جس دن آپ مدینہ کے اندر تشریف لائے، اس روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کے ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ آپ کی حفاظت کی خاطر ان کے ہاتھوں میں نیزے اور تلواریں چمک رہی تھیں۔ ان میں سے ہر ایک کو یہ امید تھی کہ آپ اس کے ہاں قیام کریں گے۔ مگر جو بھی درخواست کرتا آپ بڑی شفقت سے فرماتے کہ یہ اونٹنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے چل رہی ہے، یہ جہاں ٹھہرے گی وہیں میرا قیام ہوگا۔ آپ نے اس کی نکیل ڈھیلی کر رکھی تھی، چنانچہ اونٹنی مسلسل چلتی رہی اور اس مقام پر پہنچ کر بیٹھ گئی جہاں آج مسجد نبوی ہے۔ آپ نے اس جگہ کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ یہ جگہ خاندان بنو نجار کے دو یتیموں کی ہے۔ بنو نجار کا تعلق آپ کے دادا کے ننھیال سے تھا، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''ان شاء اللہ! یہی میرا گھر ہے۔''

یہی جگہ تھی جہاں مسجد نبوی اور اس کے بالکل ساتھ آپ کی رہائش کے لئے حجرے تعمیر ہوئے۔ یتیم بچوں نے اصرار کیا کہ وہ یہ زمین مفت پیش کریں گے لیکن آپ نے اصل قیمت سے زیادہ قیمت دے کر اسے خرید لیا، پھر وہاں سے کھجور اور غرقد کے درخت کاٹ کر قبلے کی جانب لگا دیے گئے۔ اس جگہ پر مشرکین کی قبریں بھی تھیں جنھیں اکھڑوا دیا گیا۔ مسجد کی تعمیر میں نبی کریم ﷺ نے خود بھی حصہ لیا۔ دیواریں کچی اینٹوں اور گارے سے بنائی گئیں۔ چھت کھجور کے پتوں اور شاخوں سے بنی اور ستون کھجور کے تنوں کو بنایا گیا۔

مسجد نبوی کی پہلی توسیع خود نبی ﷺ نے کی، پھر حضرت عمر بن خطاب، عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما اور ولید بن عبدالملک نے اپنے اپنے عہد میں اس کی توسیع کرائی۔ بعد میں ترکوں نے اور دور حاضر میں بہت بڑے پیمانے پر شاہ عبدالعزیز آل سعود اور شاہ فہد بن عبدالعزیز نے توسیع کرائی۔

مسجد حرام کے بعد مسجد نبوی سب سے زیادہ قابل احترام مسجد ہے۔ احادیث میں اس کے متعدد فضائل بیان ہوئے ہیں۔

نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

”تین مسجدوں کے سوا کسی مقام کو متبرک سمجھ کر اس کی طرف سفر نہیں کیا جا سکتا: مسجدِ حرام، مسجد نبوی اور مسجدِ اقصیٰ۔“ [1]

نبیِ کریم ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

”میری مسجد میں ایک نماز مسجد حرام کے سوا کسی بھی مسجد کی ہزار نمازوں سے افضل ہے اور مسجد حرام میں ایک نماز پڑھنا کسی دوسری مسجد کی ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔“ [2]

مسجد نبوی کو ایک خاص اہمیت یہ بھی حاصل ہے کہ نبی ﷺ کے منبر سے لے کر آپ کے گھر تک کا درمیانی حصہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔ فرمانِ نبوی ہے:

”میرے گھر اور منبر کا درمیانی ٹکڑا جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے اور میرا منبر میرے حوض (کوثر) پر ہے، یعنی قیامت کے دن حوض کوثر اسی جگہ پر ہوگا۔ یہ جگہ اس کے لیے خاص ہے۔“ [3]

[1] صحيح البخاري، حديث: 1189. [2] سنن ابن ماجه، حديث: 1406.

[3] صحيح البخاري، حديث: 1888، دیکھیے: مسجد، بیت المقدس اور مدینہ منورہ۔

مکہ مکرمہ

مکہ موجودہ سعودی عرب میں بحیرۂ احمر کے ساحل کے قریب واقع ہے۔ اس کے متعدد نام ہیں جن میں سے تین زیادہ مشہور ہیں: بَکَّة، اُمُّ القُریٰ، اَلْبَلَدُ الْاَمِیْنُ۔

مکہ مکرمہ حضرت محمد ﷺ کی جائے پیدائش ہے، اس کے وسط میں مسجد حرام ہے جو بیت اللہ، کعبہ کے اردگرد بنی ہوئی ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان دن میں پانچ نمازیں کعبے کی طرف رخ کر کے ادا کرتے ہیں۔

مکہ میں واقع مسجد حرام روئے زمین کی مقدس ترین مسجد ہے۔ اس کے اندر ادا کی جانے والی ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے ثواب سے بھی بڑھ کر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''میری اس مسجد (نبوی) میں ایک نماز دیگر مساجد کی ہزار نمازوں سے بہتر ہے، البتہ مسجد حرام کی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں سے بڑھ کر ہے۔'' [1]

شہر مکہ کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس وقت رکھی تھی جب وہ اپنی اہلیہ ہاجرہ علیہا السلام اور بیٹے اسماعیل علیہ السلام سمیت اللہ کے حکم پر اس جگہ پہنچے تھے جہاں آج مکہ واقع ہے۔ اس وقت یہ ایک بنجر علاقہ تھا جس میں زندگی کا نام ونشان تک نہ تھا۔

کعبے کے پاس ہی وہ مقدس کنواں ہے جسے زم زم کہا جاتا ہے۔ یہ وہی چشمہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہاجرہ علیہا السلام اور ان کے بیٹے
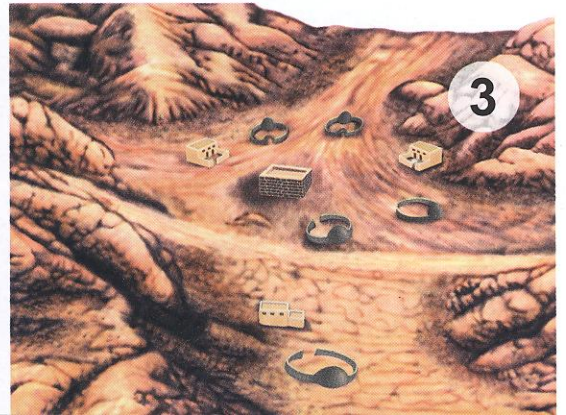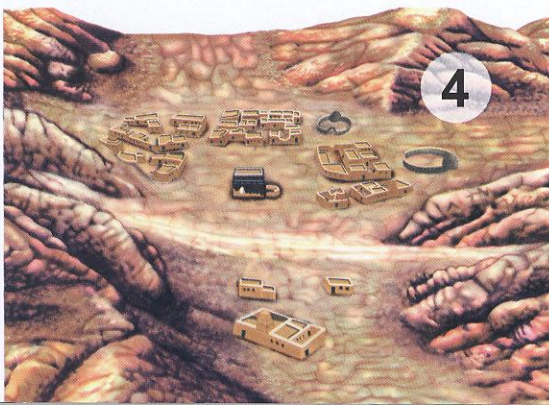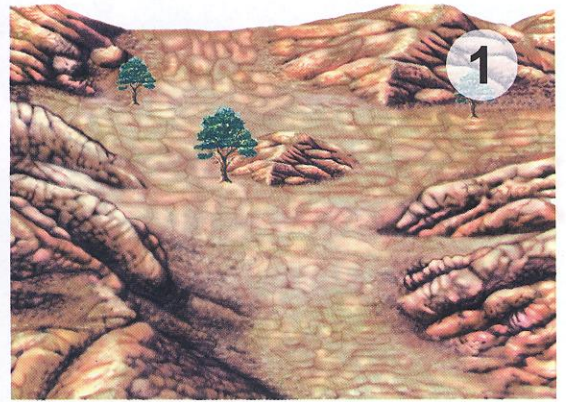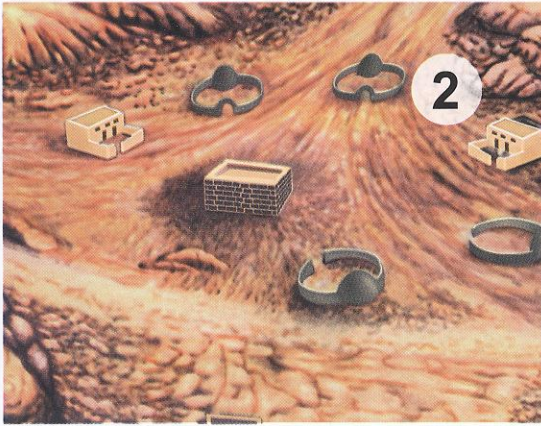
کے لیے جاری کیا تھا۔ یہ اس وقت نکلا جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ کے حکم سے اپنی بیوی اور بیٹے کو ایک بیابان میں چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اور جو پانی اور خوراک چھوڑ کر گئے تھے، وہ ختم ہوگئی تھی۔ زم زم کا پانی بلاشبہ روئے زمین کا مقدس ترین اور بہترین پانی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مکہ کو ایک مقدس اور حرمت والا علاقہ قرار دیا ہے، اس لیے یہاں سے نہ کانٹوں کو ہٹایا جاسکتا ہے اور نہ اس کے درختوں کو کاٹنے کی اجازت ہے۔ یہاں کسی جانور یا پرندے کو بھی پریشان نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ اسے شکار کیا جاسکتا ہے، یہاں خون بہانے کی ہرگز اجازت نہیں ہے، یہاں پر کوئی گری ہوئی چیز اٹھانے کی بھی اجازت نہیں، سوائے اس کے جو اٹھائے تو فورًا اعلان کرے کہ اسے فلاں چیز ملی ہے تاکہ جس کی گری ہو، اس تک پہنچ جائے۔

اللہ تعالیٰ نے اس سرزمین کو شرک کی جملہ اقسام سے محفوظ کیا ہے اور غیر مسلموں کے لیے اس میں داخلے کی ممانعت کردی گئی ہے۔
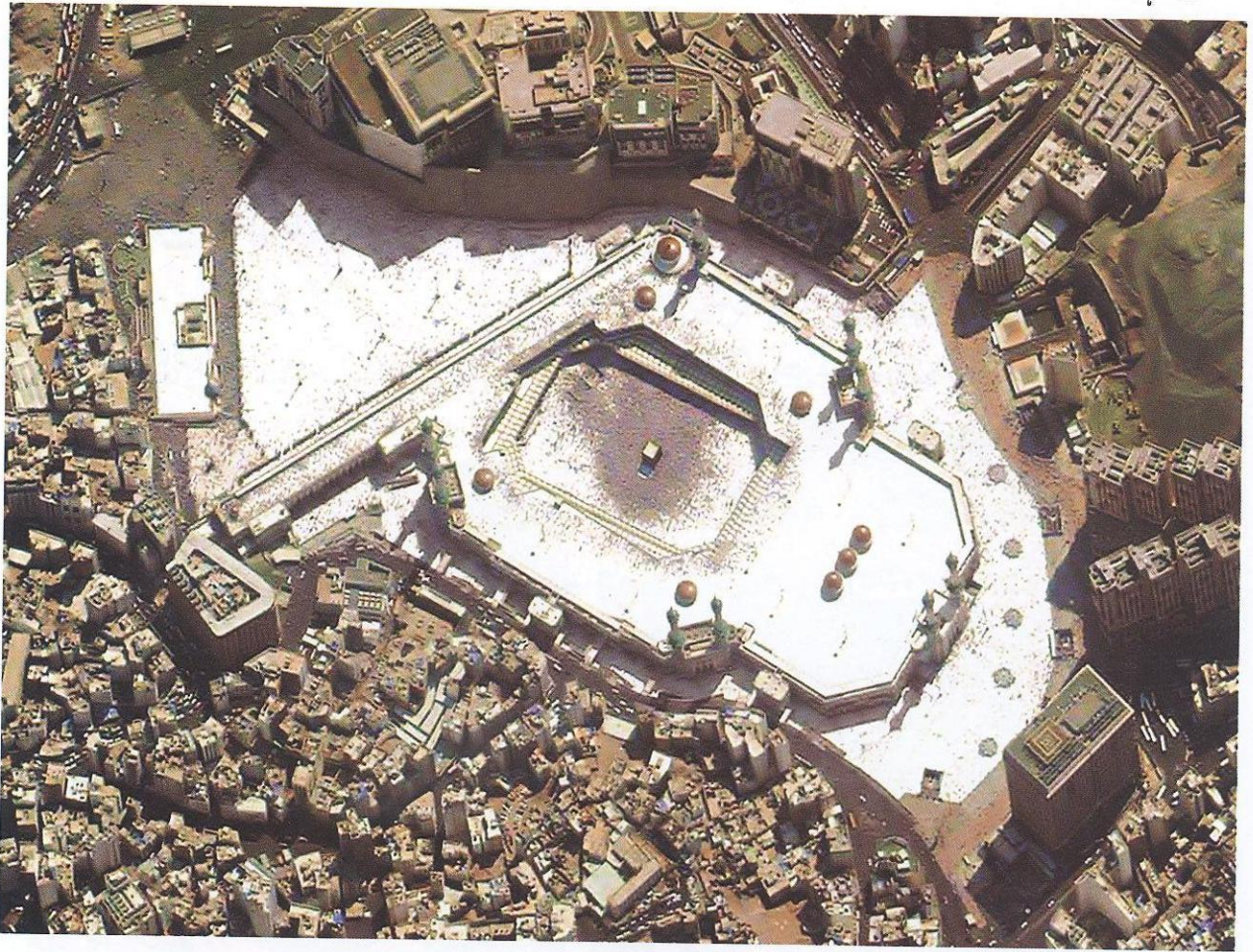
1 مسند أحمد:3/343. دیکھیے: مسجد حرام، آبِ زم زم، ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام۔

منیٰ

منیٰ مکہ سے تقریباً تین میل مشرق میں ایک صحرائی مقام ہے جہاں حج کے متعدد مناسک (عبادات) ادا کیے جاتے ہیں۔

عازمین حج یوم الترویہ (8 ذوالحجہ) کو زوالِ آفتاب سے پہلے یا بعد میں منیٰ پہنچ جاتے ہیں۔ اگلے روز 9 ذوالحجہ کو وہاں سے طلوع آفتاب کے بعد عرفہ کے لیے روانہ ہو جاتے ہیں۔ دن بھر میدان عرفات میں قیام کرتے ہیں اور رات واپسی کے راستے مزدلفہ میں گزارتے ہیں۔ قربانی کے دن 10 ذوالحجہ کو سورج طلوع ہونے کے بعد واپس منیٰ پہنچتے ہیں۔ منیٰ پہنچ کر نماز کو قصر کرتے ہیں، یعنی چار رکعتوں کی بجائے دو رکعتیں ادا کرتے ہیں۔ 11 اور 12 ذوالحجہ کی راتیں بھی منیٰ میں گزارنا مسنون ہے۔ منیٰ میں کم سے کم عرصۂ قیام ایک رات سے زیادہ ہونا چاہیے ورنہ اس سے کم قیام کی بنا پر کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے جو ایک جانور کی قربانی ہے۔

منیٰ میں تین جمرات، یعنی پتھر کے ستون ہیں۔ ان میں سے بڑے کو جمرۂ عقبہ، درمیانے کو جمرۂ وُسطیٰ اور سب سے چھوٹے کو جمرۂ دنیا یا جمرۂ صغریٰ کہا جاتا ہے۔

مناسک حج میں یہ بھی شامل ہے کہ 11، 12 اور 13 ذوالحجہ کو ان تینوں جمروں کو کنکریاں ماری جائیں۔ حجاج کرام اس کا آغاز چھوٹے، یعنی جمرۂ دنیا سے کرتے ہیں، پھر درمیانے کو مارتے ہیں اور آخر میں بڑے، یعنی جمرۂ عقبہ کو کنکریاں ماری جاتی ہیں۔ تینوں دن یہ کام دوپہر کے بعد کیا جاتا ہے۔ ان میں سے ہر جمرے کو سات سات کنکریاں ماری جاتی ہیں اور ہر کنکری اللہ اکبر کہہ کر پھینکی جاتی ہے۔ 13 ذوالحجہ کو کنکریاں مارنا اختیاری ہے۔ حجاج کرام چاہیں تو 12 ذوالحجہ کو کنکریاں مارنے کے بعد مکہ واپس آ سکتے ہیں تاکہ طوافِ وداع کر سکیں، تاہم انھیں غروبِ آفتاب سے پہلے منی سے نکل جانا چاہیے، اگر 12 ذوالحجہ کو منیٰ میں ہی سورج غروب ہو جائے تو رات کا قیام لازمی ہے۔

دیکھیے: طواف، حج اور مزدلفہ۔
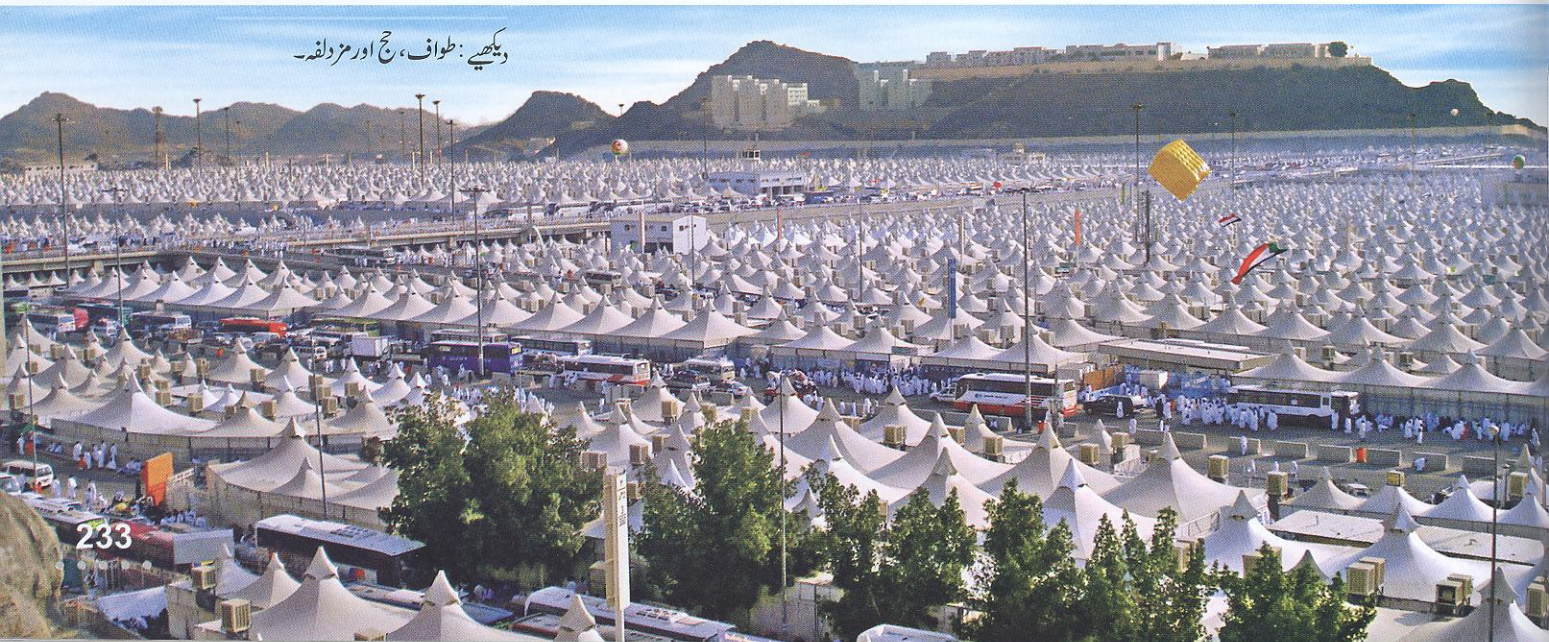
موسیٰ علیہ السلام

حضرت موسیٰ علیہ السلام اولو العزم رسولوں اورنبیوں میں سے تھے۔ ان کا لقب کلیم اللہ (جس سے اللہ تعالیٰ نے کلام کیا) ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کوہِ سینا پر ان سے براہِ راست کلام فرمایا تھا۔

فرعون مصر کا ظالم بادشاہ تھا۔ اس نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ آئی اور مصر کے تمام قبطیوں کے گھر جلا گئی لیکن بنی اسرائیل کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اس نے اپنے تمام درباری کاہنوں، عالموں اور جادوگروں کو جمع کر کے اس خواب کی تعبیر پوچھی تو انھوں نے بتایا: بنی اسرائیل میں ایک ایسا لڑکا پیدا ہونے والا ہے جس کے ہاتھ سے مصری تباہ و برباد ہو جائیں گے اور بنی اسرائیل کو کچھ نہیں ہوگا۔ اس پر فرعون نے حکم دے دیا کہ آیندہ سے بنی اسرائیل کے ہاں جو بھی لڑکا پیدا ہو، اسے فوراً قتل کر دیا جائے۔

لڑکوں کے قتل کے اسی زمانے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو سخت خوف لاحق ہوا کہ اب دوسروں کی طرح ان کے بیٹے کو بھی قتل کر دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ وہ لکڑی کا ایک صندوق بنوائیں اور موسیٰ علیہ السلام کو اس صندوق میں ڈال کر دریائے نیل میں بہا دیں۔ یہ کام کرتے ہوئے ایک ماں کے طور پر وہ غمگین تو بہت ہوئیں تاہم انھیں یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کے بیٹے کو محفوظ رکھے گا۔

یہ صندوق بہتے بہتے ایک جگہ دریا کے کنارے جا اٹکا۔ یہ جگہ فرعون کے محل کے قریب تھی۔ فرعون کی بیوی نے کسی ملازم کو بلوا کر صندوق اوپر لانے کو کہا۔ جب اس نے صندوق کھولا تو اس میں ایک پیارے سے بچے کو سامنے پا کر اس کا دل خوشی سے جھوم

اُٹھا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اولاد سے محروم رکھا ہوا تھا، اس لیے اس نے شوہر سے کہا کہ ہم اس کو اپنا بیٹا سمجھ کر پال لیتے ہیں۔ وہ راضی ہوگیا اور موسیٰ علیہ السلام فرعون کے شاہی محل میں پرورش پانے لگے۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص تدبیر سے یہ بھی کیا کہ اس بچے کو دودھ پلوانے کے لیے اس کی حقیقی ماں کی خدمات حاصل کی گئیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اچھی صحت، وافر جسمانی قوت اور بے بہا عقل و دانش عطا کی تھی۔ کمزور اور مظلوم لوگ اپنی حفاظت اور انصاف کے لیے ان سے رجوع کرتے تھے۔ ایک روز ایک مصری باشندہ ایک اسرائیلی کو شدید زدوکوب کر رہا تھا، موسیٰ علیہ السلام قریب پہنچے تو اسرائیلی نے ان سے فریاد کی۔ موسیٰ علیہ السلام نے مصری کو ہٹانے کے لیے ایک زوردار مکّے سے کام لیا جس کی تاب نہ لاکر وہ موقعے ہی پر ہلاک ہوگیا۔ اپنے ہاتھ سے ایک انسان کی موت واقع ہوجانے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام بے حد مغموم ہوئے اور فوراً اللہ تعالیٰ سے اس کی معافی مانگنے لگے۔

موسیٰ علیہ السلام کو معلوم تھا کہ ایک مصری کے قتل کی سزا موت ہے اور اس دور کی نسل پرست عدالتیں موسیٰ علیہ السلام سے کسی طرح کی صفائی بھی قبول نہیں کریں گی اور نہ حالات ہی کا تجزیہ کیا جائے گا۔ اس پر وہ بہت خوفزدہ ہوئے اور ایک شخص کے مشورے سے شہر چھوڑ دیا کیونکہ دربار کے سرداروں نے ان کے قتل کا مشورہ کرلیا تھا اور یہ سارا واقعہ سازش کے تحت کرایا گیا تھا۔ وہ اسرائیلی اس سازش کا ایک حصہ تھا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکل کر ایک دوسرے

ملک مدین چلے گئے۔ موسیٰ علیہ السلام طویل سفر کی تھکاوٹ اُتارنے کے لیے ایک درخت کے نیچے لیٹ گئے۔ آپ پانی پینے کے لیے مدین کے ایک کنویں پر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ گڈریے اپنی بھیڑ بکریوں کو چشمے سے پانی پلوا رہے ہیں اور دو نوجوان لڑکیاں اپنی بکریوں کو دوسروں کی بکریوں سے الگ کرنے کی کوشش کر رہی ہیں اور انھیں اپنی بکریوں کو باری پر پانی پلوانے میں بہت مشکل پیش آ رہی تھی، چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کی مدد کرتے ہوئے ان کی بکریوں کو اچھے طریقے سے پانی پلوا دیا۔ لڑکیوں نے جب واپس جا کر اپنے گھر والوں کو یہ واقعہ بتایا اور اپنے جلدی گھر لوٹ آنے کی وجہ بتائی تو ان کے والد حضرت شعیب علیہ السلام جو خود ایک نبی تھے، بہت متاثر ہوئے اور انھوں نے بچیوں کو بھیجا کہ وہ اس اجنبی کو بُلا لائیں۔

جب موسیٰ علیہ السلام ان کے والد کے پاس آئے تو ان کی ایک صاحبزادی نے والد کو یہ تجویز دی کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کو ملازم رکھ لیں کیونکہ وہ مضبوط اور قابل اعتماد ہیں۔ والد کو یہ تجویز پسند آئی اور انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کو پیش کش کی کہ وہ انھی کے پاس رہیں۔ وہ اپنی ایک بیٹی کا رشتہ بھی اس شرط پر موسیٰ علیہ السلام کو دے دیں گے کہ وہ آٹھ سال تک ان کی بکریاں چرائیں کیونکہ بیٹیاں بکریاں نہیں چرا سکتیں اور خود شعیب علیہ السلام نابینا ہو چکے تھے۔ اگر دس سال تک یہ کام کرتے رہیں تو یہ ان کا ایک احسان ہوگا۔ یہ تجویز موسیٰ علیہ السلام کو نہایت مناسب لگی، چنانچہ ان کی شادی ہوگئی اور وہ دس سال اپنے سُسر کی خدمت کرتے رہے۔

معاہدہ مکمل ہونے کے بعد موسیٰ علیہ السلام اپنی اہلیہ سمیت مدین سے روانہ ہوئے۔ وہ جنوبی صحرا میں سے ہوتے ہوئے مصر کی طرف واپس چل پڑے تاکہ اپنے خاندان سے جا ملیں۔ رات انتہائی سرد اور اندھیری تھی۔ وہ رستہ بھول گئے۔ انھیں جلد ہی کچھ فاصلے پر کوہِ طور کی سمت میں آگ دکھائی دی۔ انھوں نے اپنی اہلیہ سے کہا کہ آپ یہیں ٹھہریں تاکہ میں جا کر جلتی ہوئی آگ کا کوئی انگارا لے آؤں یا آگ کے پاس کسی سے راستے کی اطلاع حاصل کروں۔

جب وہ آگ کے قریب پہنچے تو انھیں وادی کے دائیں کنارے، مبارک جگہ میں ایک درخت سے آواز دی گئی:

''اے موسیٰ! بلاشبہ میں اللہ ہی ہوں، سب جہانوں کا رب۔'' [1]

وہاں اللہ نے انھیں نبوت عطا کی اور دو عظیم الشان معجزے بھی دیے۔ ایک یہ کہ ان کے پاس جو عصا (لاٹھی) تھا، وہ زمین پر پھینکنے سے ایک بہت بڑا حقیقی اژدھا بن جائے گا۔ دوسرا معجزہ یہ تھا کہ وہ اپنا ہاتھ اپنے گریبان میں ڈال کر جب باہر نکالیں گے تو وہ سفید روشن ہو جائے گا۔

پھر موسیٰ علیہ السلام کو اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے ساتھ فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا گیا تا کہ وہ اسے ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیں اور اسے یہ بھی کہیں کہ بنی اسرائیل کو جنھیں زبردستی غلام بنا لیا گیا تھا، وہاں سے چلے جانے کی اجازت دے۔ جب دونوں بھائی فرعون کے دربار میں پہنچے اور اسے اللہ کی نشانیاں (معجزے) دکھا کر اللہ تعالیٰ کا پیغام دیا تو اس نے نہایت تکبر کے ساتھ اسے مسترد کر دیا اور کہا کہ وہ بھی اپنے جادوگروں کو بلا کر ایسے شعبدے دکھا سکتا ہے، لہٰذا تم ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر لو جس کی خلاف ورزی نہ ہم کریں اور نہ تم کرو اور صاف میدان میں مقابلہ کر لو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چیلنج قبول کر لیا اور اسے کہا کہ معبد کے تہوار کے روز مقابلہ کرا دے اور جتنے آدمی چاہے اکٹھے کر لے، چنانچہ فرعون نے پوری سلطنت سے لوگوں کو اکٹھا ہونے کی دعوت دی تا کہ اس کی بادشاہت کی شان ظاہر ہو۔ مقررہ وقت پر درباری جادوگر آئے اور اپنا جعلی تماشا دکھایا، لیکن جب موسیٰ علیہ السلام نے عصا پھینکا تو وہ جھوٹ موٹ کے سارے سانپوں کو نگل گیا۔ فرعون کے جادوگر ایسا سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ اس معجزے نے ان کے تماشے کی جعل سازی کا پول کھول دیا تو جادوگروں نے دل سے شکست تسلیم کر لی اور اللہ کے حضور سجدہ ریز ہو گئے، پھر انھوں نے موسیٰ علیہ السلام کے کہنے کے مطابق ربِ کائنات پر اپنے ایمان کا اعلان کر دیا۔

کچھ عرصہ تک حضرت موسیٰ علیہ السلام، جس قدر ممکن ہو سکا، دین کی دعوت دیتے رہے۔ اس کے بعد انھیں اللہ کی طرف سے حکم ہوا کہ وہ راتوں رات اپنی قوم کو لے کر فلسطین کی طرف چل دیں۔ وہ کچھ ہی دور چلے تھے کہ انھیں پیچھے سے فرعونی لشکر تعاقب کرتا ہوا نظر آیا۔ بنی اسرائیل نے کہا: اوہ! ہم تو پکڑ لیے جائیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام نے انھیں یقین دلایا کہ اللہ فرعون اور اس کے لشکر کے مقابلے میں ہماری مدد کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی کی کہ دریا پر اپنا عصا ماریں۔ عصا کی ضرب لگتے ہی دریا دو حصوں میں تقسیم ہو گیا اور ہر حصہ عظیم پہاڑ کی طرح تھم کر کھڑا ہو گیا اور درمیان میں راستہ بن گیا۔ اہل ایمان اس طرح بننے والے راستے سے ہوتے ہوئے پار چلے گئے۔ فرعون بھی اپنے لشکر سمیت اس راستے میں داخل ہو گیا۔ جب یہ سب درمیان میں پہنچے تو دریا اپنی اصل شکل میں آ گیا اور فرعون اپنے لشکروں سمیت غرق ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول موسیٰ علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کو اس ظالم کے شر سے بچا لیا۔

1 القصص 28:30.

نبی

نبی کی اصطلاح اللہ تعالیٰ کے ایسے پسندیدہ اور منتخب شخص پر لاگو ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے بذریعۂ وحی صحیح طریقۂ زندگی سے مطلع کیا ہو اور حکم دیا ہو کہ وہ طریقہ گمراہ لوگوں تک پہنچائے اور انھیں اس پر چلنے کی دعوت دے۔ نبی کی جمع انبیاء ہے۔ نبی اور رسول میں فرق یہ ہے کہ رسول وہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ایک مستقل شریعت اور زندگی کا طریقہ دے کر آسمانی کتاب کے ساتھ یا آسمانی کتاب کے بغیر بھیجا ہو، جبکہ نبی وہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو پہلے سے موجود شریعت کی طرف بلانے پر مامور کیا ہو لیکن کوئی آسمانی کتاب یا کوئی نئی شریعت عطا نہ کی ہو۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر رسول، نبی بھی ہوتا ہے لیکن ہر نبی، رسول نہیں ہوتا۔

نبی تمام اچھی صفات سے متصف ہوتے ہیں، مثلاً: راستبازی، دیانتداری، گناہوں سے پاکیزہ ہونا، اچھی جسمانی ساخت اور بے پناہ روحانی قوت۔ ان صفات میں کوئی انسان یا جن ان سے بڑھ کر نہیں ہوسکتا۔ نبی، انسان ہوتے ہیں، کھاتے ہیں، پیتے ہیں، بیمار بھی پڑ سکتے ہیں، شادیاں بھی کرتے ہیں اور بالآخر دنیا سے رخصت بھی ہو جاتے ہیں۔ لیکن وہ ان تمام اچھی صفات کے مالک ہوتے ہیں جو اللہ کو بے حد پسند ہیں لیکن ان میں معبود والی صفات نہیں ہوتیں، اس لیے ان کی عبادت نہیں کی جانی چاہیے۔ معبود صرف اور صرف اللہ ہے اور اس کی صفات ہی سچے معبود کی صفات ہیں۔

دیکھیے: رسول۔

نفاق

نفاق یا منافقت کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص زبان سے ایمان کا اظہار کرے لیکن دل میں اس کا انکار کرے۔ یہ دھوکے اور فریب کی بدتر شکل ہے۔ ایمان کے معاملے میں ایسے نفاق کو نفاقِ اکبر (سب سے بڑا نفاق) کہا جاتا ہے۔ یہ نفاق نبیِ کریم ﷺ کے زمانے میں بھی پایا جاتا تھا۔ اس سلسلے میں چند آیات بھی نازل ہوئیں جن میں ایسا نفاق کرنے والوں کی شدید مذمت کی گئی اور بتایا گیا کہ یہ لوگ دوزخ کے سب سے نچلے گڑھے میں ڈالے جائیں گے۔ یہ نفاق، عقیدے کے معاملات سے تعلق رکھتا ہے۔

دوسری قسم کا نفاق وہ ہے جو اعمال سے تعلق رکھتا ہے اسے نفاقِ اصغر، (کم درجے کی منافقت) کہا جاتا ہے۔ مسلمانوں کو اس سے بچنے کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔ جو شخص اس قسم کے نفاق میں مبتلا پایا جائے، وہ ادنیٰ درجے کا مومن تو ہوتا ہے لیکن ایسے اعمال میں ملوث ہوتا ہے جنھیں نبی ﷺ نے منافقانہ اعمال قرار دیا ہے۔ ایسا شخص قیامت کے دن سزا کا مستحق سمجھا جائے گا۔ تاہم اسے اگر دوزخ کی آگ میں ڈال دیا گیا تو وہاں ہمیشہ کے لیے نہیں رہے گا۔

رسول اللہ ﷺ نے اس نفاق کی کئی واضح نشانیاں بیان فرمائی ہیں، ہمیں ان سے بچنا چاہیے کیونکہ اگر ان سے نہ بچا جائے تو وہ نفاقِ اکبر کی طرف لے جاتی ہیں اور آگے چل کر وہ شخص خالص منافق بن جاتا ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

''چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جس شخص میں بھی وہ ہوں گی، وہ منافق ہوگا یا ان چار میں سے کوئی ایک خصلت بھی اس میں ہے تو اس میں نفاق کی ایک خصلت ہے یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے (خصلتیں یہ ہیں): جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو پورا نہ کرے، جب معاہدہ کرے تو بدعہدی کرے اور جب جھگڑے تو بدزبانی پر اتر آئے۔''[1]

منافق وہ شخص ہوتا ہے جو نفاق کا مظاہرہ کرے۔ منافق کی جمع ''منافقون'' ہے۔ جو عورت منافقت کرے، اسے ''منافقہ'' کہا جاتا ہے۔ منافقہ کی جمع ''منافقات'' ہے۔

1 صحیح البخاري، حدیث: 2459، دیکھیے: کفر۔

نفلی روزے

رمضان المبارک کے روزے فرض ہیں۔ رمضان کے علاوہ باقی ایام میں روزے رکھنا بہت بڑی نفلی عبادت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے حکم سے نفلی روزے ان مواقع پر رکھے جاتے ہیں:

- **یوم عرفہ کا روزہ:** یومِ عرفہ کا روزہ ان لوگوں کو رکھنا چاہیے جو حج ادا نہ کر رہے ہوں۔ 9 ذوالحجہ کو یومِ عرفہ کہتے ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

  ''یومِ عرفہ کا روزہ (ایسا ہے کہ) میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اسے ایک سال پہلے کے اور ایک سال بعد کے گناہوں کا کفارہ بنا دے گا۔'' [1]

- **یوم عاشورہ کا روزہ:** یوم عاشورہ سے مراد محرم الحرام کی دس تاریخ ہے لیکن دس کے ساتھ نو تاریخ کا بھی روزہ ملا کر رکھنا چاہیے۔ عاشورہ کے روزے کے بارے میں فرمانِ نبوی ہے:

  ''اور عاشورہ کے دن کا روزہ، میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ وہ اسے گزشتہ سال کے گناہوں کا کفارہ بنا دے گا۔'' [2]

- **ماہ شوال کے چھ روزے:** رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

  ''جس نے رمضان کے روزے رکھے اور اس کے بعد شوال کے چھ روزے بھی رکھے تو گویا اس نے سارا سال روزے رکھے۔'' [3]

- سوموار اور جمعرات کا روزہ: ان دو دنوں میں ہر شخص کے اعمال اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش کیے جاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"ہر سوموار اور جمعرات کے دن اعمال پیش کیے جاتے ہیں، سب مسلمانوں یا ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے، سوائے آپس میں گفتگو ترک کرنے والوں کے۔ ان کے بارے میں فرماتا ہے کہ ان کا معاملہ مؤخر کر دو۔" [4]

اس دن روزہ رکھنے سے معافی کی امید زیادہ ہو جاتی ہے۔

- ایامِ بیض، یعنی ہر قمری مہینے کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کا روزہ رکھنا۔ حضرت منہال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (ہمیں) ایامِ بیض، (یعنی) تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کو روزہ رکھنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ ہمیشہ کے روزوں کی طرح ہیں یا ان کی کیفیت وہی ہے جو ہمیشہ روزانہ رکھے جانے والے روزوں کی ہے۔" [5]

- ذوالحجہ کے پہلے نو دنوں کے روزے: نبی ﷺ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ کو کسی دن میں کوئی نیک عمل اس قدر پسندیدہ نہیں ہے جتنا کہ ان دنوں میں رکھے جانے والے روزے پسندیدہ اور محبوب ہیں، یعنی ذوالحجہ کے پہلے عشرے میں۔" [6]

روزہ نیکی کا بڑا عمل ہے۔ ان دنوں میں اللہ اس کو اور زیادہ پسند فرماتا ہے۔

- ماہ محرم میں روزے: رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

"رمضان کے (روزوں کے) بعد سب سے زیادہ فضیلت والے روزے اللہ کے مہینے محرم کے ہیں۔" [7]

---

[1] صحیح مسلم، حدیث: 1162. [2] صحیح مسلم، حدیث: 1162. [3] صحیح مسلم، حدیث: 1164.
[4] مسند أحمد: 329/2. [5] سنن ابن ماجه، حدیث: 1707. [6] سنن أبي داود، حدیث: 2438.
[7] صحیح مسلم، حدیث: 1163، دیکھیے: روزہ، رمضان المبارک، عاشورہ اور عرفات۔

نماز

نماز بندے کی اپنے رب کے سامنے حاضری کی بہترین صورت ہے۔ اس کے دوران میں وہ اپنے رب سے مناجات کرتا ہے اور اس کے سامنے اپنے دل کی بات کہتا ہے۔ اس وقت بندہ اپنے رب کے قریب ہوتا ہے اور بہت اونچے مقام پر فائز ہوتا ہے، چونکہ انتہائی مہربان معبود یہ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس کے سامنے حاضری کے شرف سے محروم نہ رہیں، اس لیے ہر مسلمان مرد اور عورت پر نماز فرض کر دی ہے۔ اللہ اور اس کے رسول نے نماز کو دین کا ستون قرار دیا ہے۔ کلمۂ شہادت کے بعد اسلام کا دوسرا اہم رکن نماز ہے۔ نماز انسان کے اعمال میں سے وہ اہم ترین عمل ہے جس کے بارے میں قیامت کے روز سب سے پہلے سوال کیا جائے گا۔ اگر کسی کا نماز کا معاملہ درست نکلا تو اس کے لیے باقی معاملات کا جواب بھی نسبتاً آسان ہو جائے گا اور وہ کامیاب و کامران ہوگا۔ اگر وہ نمازوں کے معاملے میں ناکام ہوگیا، یعنی نمازیں ہی ناقص اور کم نکلیں تو وہ ناکام رہے گا اور تباہ ہو جائے گا۔

نماز ایک مسلمان اور کافر کے درمیان فیصلہ کن کسوٹی ہے۔ جو شخص اس کسوٹی پر پورا نہیں اترتا، وہ حقیقی طور پر مسلمان نہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

''ہمارے درمیان اور ان (کافروں اور مشرکوں) کے درمیان (فرق کرنے والی) ذمہ داری نماز کی ہے۔ جس نے اسے چھوڑ دیا، اس نے کفر کیا۔'' [1]

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

''انسان اور شرک و کفر کے درمیان (فاصلہ) نماز ترک کرنے کا ہے (یعنی جونہی اسے ترک کر دے گا تو کفر و شرک میں داخل ہو جائے گا)۔'' [2]

اللہ تعالیٰ نے نماز کی اہمیت، اس کے بے شمار فضائل اور اپنے پسندیدہ ترین عمل ہونے کی وجہ سے، اسے ہر عاقل و بالغ مسلمان پر فرض قرار دیا ہے اور دن اور رات میں پانچ نمازیں مقرر وقت پر فرض کی ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''بے شک مومنوں پر مقررہ وقتوں میں نماز فرض ہے۔'' [3]

اللہ تعالیٰ ہمیں دوزخیوں کے حالات بتاتے ہوئے فرماتا ہے:

''(جنتی، جہنمیوں سے پوچھیں گے:) تمھیں کس چیز نے جہنم میں ڈالا؟ وہ کہیں گے: ہم نماز پڑھنے والوں

میں سے نہیں تھے۔ اور ہم مسکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ اور ہم (غلط کاموں میں) مشغول رہنے والوں کے ساتھ مشغول ہو جاتے تھے۔ اور ہم روزِ جزا کو جھٹلاتے تھے۔ یہاں تک کہ ہمیں موت نے آلیا، پھر سفارش کرنے والوں کی سفارش بھی انھیں نفع نہ پہنچائے گی۔'' [4]

ایک بار نبی ﷺ نے نماز کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''جس شخص نے ہمیشہ تمام نمازوں کی مسلسل اور مستقل طور پر حفاظت کی، اس کے لیے نماز قیامت کے دن نور، برہان اور نجات ہوگی اور جس نے نمازوں کی مستقل اور مسلسل طور پر حفاظت نہ کی تو اس کے لیے نہ نور ہوگا، نہ برہان اور نہ نجات اور ایسا شخص قیامت کے دن قارون، فرعون، ہامان اور ابی بن خلف کے ساتھ ہوگا، یعنی اس کا انھی جیسا انجام ہو گا۔'' [5]

فرض نمازوں کی تعداد اور انھیں ادا کرنے کے اوقات، ایک مسلمان کو اس کی دنیاوی سرگرمیوں میں یہ بات بھلانے ہی نہیں
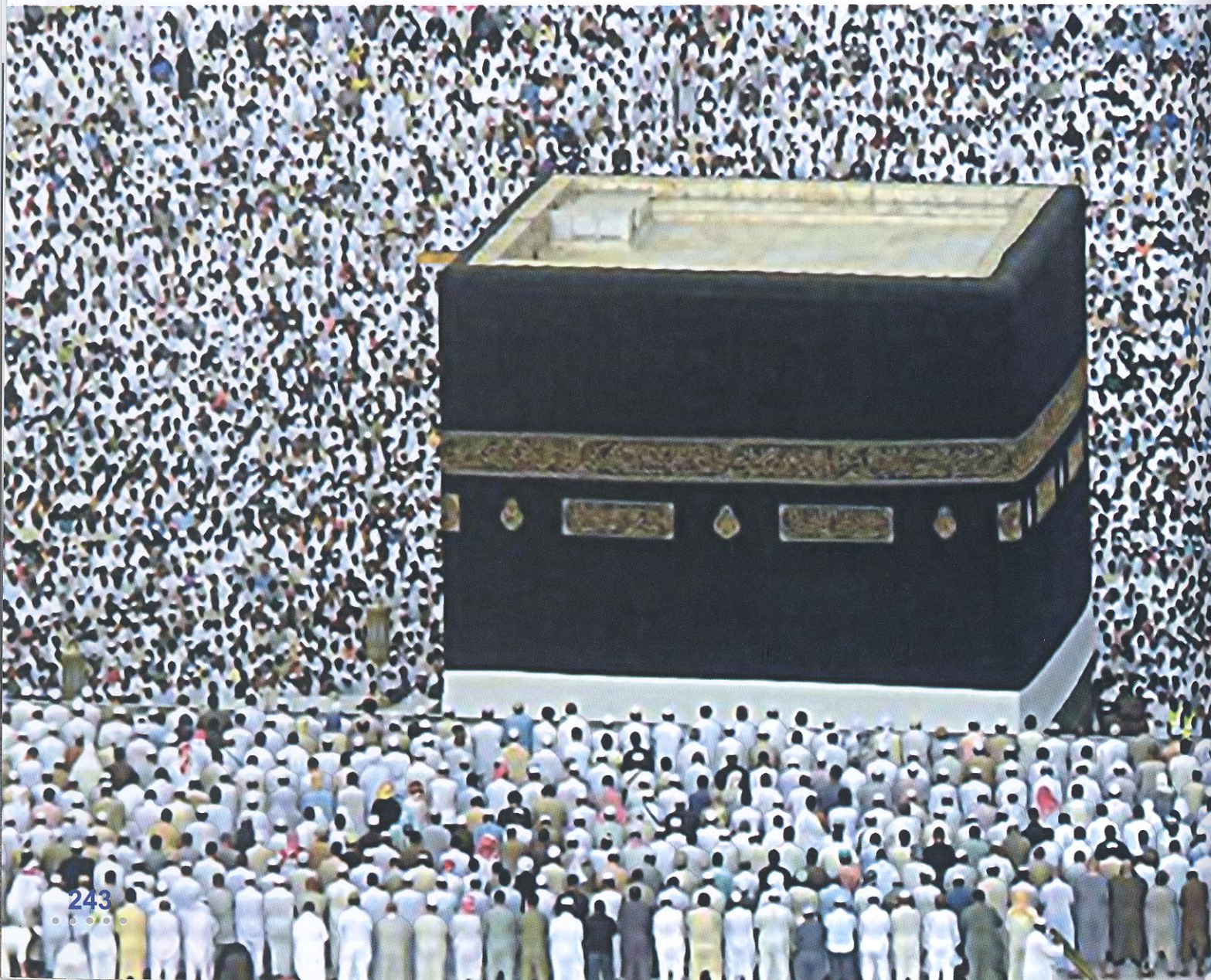
دیتے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کیوں پیدا کیا ہے۔

پانچ فرض نمازیں اوران کے اوقات یہ ہیں

- نمازِ فجر: نماز فجر کا وقت صبح صادق (پَو پھٹنے) سے شروع ہو کر سورج طلوع ہونے تک رہتا ہے۔ افضل یہی ہے کہ نمازِ فجر اول وقت میں ادا کی جائے۔
- نمازِ ظہر: اس کا وقت سورج ڈھلنے سے شروع ہوتا ہے اور (اصلی سایہ نکال کر) ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو جانے تک جاری رہتا ہے۔
- نمازِ عصر: جب دو پہر کے وقت کا اصلی سایہ نکال کر ہر چیز کا سایہ اس کی لمبائی کے برابر ہو جائے تو عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے اور سایہ دوگنا ہونے تک جاری رہتا ہے۔
- نمازِ مغرب: اس کا وقت سورج غروب ہو جانے سے شروع ہو کر شفق (سرخی) کے غائب ہونے تک رہتا ہے۔ شفق، سورج کی وہ سرخی ہے جو غروبِ آفتاب کے تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ بعد مغربی مطلع سے ختم ہوتی ہے۔
- نمازِ عشاء: عشاء کا وقت شفق غائب ہونے سے شروع ہو کر نصف شب تک رہتا ہے۔

نماز کے فضائل اور فوائد اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا کسی اور عمل سے موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کے شعور کے ساتھ نماز ادا کرتے ہیں، ان کے دل اللہ کے خوف سے معمور ہو جاتے ہیں۔ وہ ایک منفرد تجربے سے آشنا ہوتے ہیں۔ جب وہ پانچ وقت اللہ کے حضور میں ان کیفیات کے ساتھ جھکتے ہیں تو انھیں ایک دن اس کے سامنے حاضر ہونے کا بھی احساس رہتا ہے، یہ احساس انھیں گناہوں سے بچنے میں مدد دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

> ''اور نماز قائم کیجیے، یقیناً نماز بے حیائی اور بُرے کاموں سے روکتی ہے اور بلاشبہ اللہ کا ذِکر سب سے بڑی چیز ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔'' [6]

نماز مسلمانوں کو باقاعدگی سکھاتی ہے کیونکہ اسے مقررہ وقت پر پڑھا جاتا ہے۔ ایک وقت کی نماز ادا کرنے کے بعد مسلمانوں کے دل میں اگلی نماز کے وقت کا احساس رہتا ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ

’’بلاشبہ مومنوں پر مقررہ وقتوں میں نماز فرض ہے۔‘‘ [7]

نماز حوصلے اور استقامت کا سرچشمہ ہے جو مشکلات اور آزمائشوں کے موقعے پر نمازی کی ڈھارس بندھاتا رہتا ہے اور اس کے اندر صبر پیدا کر کے اسے کامیابی سے ہم کنار کرتا ہے، چنانچہ قرآن کہتا ہے:

’’اور تم صبر اور نماز کے ذریعے سے اللہ کی مدد طلب کرو۔‘‘ [8]

جب اہلِ ایمان باقاعدگی سے نماز ادا کرتے ہیں تو ان کے اندر نیک کام کرنے کی زبردست خواہش پیدا ہوتی ہے کیونکہ انھیں نیک اعمال کے ساتھ اللہ کے سامنے حاضری پسند ہوتی ہے اور آخرت میں انھیں عظیم اجر و ثواب کی امید ہوتی ہے۔ جب وہ باجماعت نماز ادا کرتے ہیں تو اُن کے درمیان مضبوط سماجی روابط قائم ہوتے ہیں۔ ان میں جذبۂ اخوت و رواداری مستحکم ہوتا ہے اور دلوں میں ایک دوسرے کے ساتھ محبت، شفقت، احترام اور باہمی تعاون کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

رات اور دن میں فرض نمازیں پانچ ہیں لیکن ان کے علاوہ کچھ نفلی اور سبھی نمازیں بھی ہیں جنھیں نبی کریم ﷺ پڑھا کرتے تھے۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

- نمازِ اشراق: اشراق کے معنی ہیں، طلوعِ آفتاب۔ جب آفتاب طلوع ہو کر ایک نیزے کے برابر بلند ہو جائے تو اس وقت کے نوافل اشراق کہلاتے ہیں۔ اشراق کی نماز پڑھنا مستحب ہے، اشراق کی دو رکعتیں بھی پڑھی جا سکتی ہیں، چار بھی اور آٹھ بھی لیکن ہر دو رکعتوں کے بعد سلام پھیرنا چاہیے۔
- نمازِ تسبیح: نمازِ تسبیح کی چار رکعتیں ہیں۔ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھنے کے بعد (سُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ، وَاللهُ اَكْبَرُ) پندرہ (15) بار پڑھے، پھر رکوع میں دس بار ان کلمات کو پڑھے، پھر رکوع سے اٹھ کر دعا کے بعد دس بار ان کلمات کو پڑھے، پھر پہلے سجدے میں دس بار یہ کلمات پڑھے، پھر بیٹھ جائے اور دس بار ان کلمات کو پڑھے، پھر دوسرے سجدے میں دس بار یہی کلمات پڑھے، پھر بیٹھ جائے اور دس بار یہ کلمات پڑھے، اس کے بعد قیام کے لیے اٹھے۔ اس طرح ایک رکعت میں کل 75 تسبیحات ہوتی ہیں۔ بقیہ تین رکعتیں اسی طرح ادا کی جائیں۔ اگر طاقت ہو تو انسان روزانہ نمازِ

تسبیح پڑھے، روزانہ نہ پڑھ سکے تو ہفتے میں ایک بار پڑھے، اس کی بھی طاقت نہ ہو تو مہینے میں ایک بار پڑھے۔ یہ بھی ممکن نہ ہو تو سال میں ایک بار پڑھے۔ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو زندگی میں ایک بار ضرور پڑھے۔ اس نماز کو پڑھنے کے نتیجے میں انسان کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔[9]

- نمازِ استخارہ: استخارہ کے معنی ہیں ''اللہ تعالیٰ سے خیر طلب کرنا''۔ جب انسان کسی جائز کام کے متعلق متذبذب ہو کہ اس کو کرے یا نہ کرے، اس کا نتیجہ درست ہوگا یا غلط تو اس موقع پر استخارہ کرنا سنت ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ دو رکعت نفل خشوع وخضوع اور حضورِ قلب سے پڑھے اور فارغ ہو کر یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْٓ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَ اَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَآ اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَآ اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ، اَللّٰھُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَ مَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدُرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاقْدُرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ اَرْضِنِیْ بِهٖ

''اے اللہ! میں تیرے علم کے ذریعے سے تجھ سے خیر طلب کرتا ہوں اور تیری طاقت اور قدرت کے ذریعے سے تجھ سے طاقت طلب کرتا ہوں اور تیرے عظیم فضل سے سوال کرتا ہوں کیونکہ تو قدرت رکھتا ہے، میں نہیں رکھتا، تو جانتا ہے اور میں نہیں جانتا اور تو تمام امورِ غیب کو جاننے والا ہے۔ اے اللہ! اگر تیرے علم کے مطابق یہ کام میرے دین، میری معاش اور میرے کام کے انجام کے لحاظ سے بہتر ہے تو اسے میرے لیے مقدر فرما دے اور اسے میرے لیے آسان فرما دے، پھر میرے لیے اس میں برکت ڈال دے۔ اور اگر تیرے علم کے مطابق یہ کام میرے دین، میری معاش اور میرے کام کے انجام کے لحاظ سے برا ہے تو اس کو مجھ سے ہٹا دے اور مجھے اس سے ہٹا دے، اور میرے لیے خیر کو مقدر فرما دے جہاں بھی وہ ہو، پھر مجھے اس پر راضی کر دے۔''[10]

اس دعا میں ھٰذَا الْاَمْرَ کی جگہ اپنی حاجت کا نام لے، مثلاً: ھٰذَا النِّكَاحَ یا ھٰذَا الْبَیْعَ وغیرہ یا ھٰذَا الْاَمْرَ پر پہنچ کر اپنے اس کام کو ذہن میں لائے جس کے لیے استخارہ کر رہا ہے۔ مکروہ اوقات کے سوا رات اور دن کی جس گھڑی میں بھی آپ چاہیں، استخارہ کر سکتے ہیں۔

- نمازِ سفر: سفر میں ظہر، عصر اور عشاء کی چار چار فرض رکعتوں کو دو دو پڑھنا قصر (کم کرنا) کہلاتا ہے۔ فجر اور مغرب میں قصر نہیں ہے۔ اگر کسی شخص نے 23 کلومیٹر یا اس سے زیادہ مسافت سفر کرنا ہو اور وہ اپنے شہر، قصبے یا دیہات کی حدود سے باہر چلا جائے تو نماز قصر پڑھے، اسی طرح سفر سے واپسی پر اپنے شہر، قصبے یا دیہات کی حدود میں داخل ہونے سے قبل قصر پڑھے۔ منزلِ

مقصود پر پہنچنے کے بعد اگر اس کا ارادہ چار دن سے کم ٹھہرنے کا ہو تو وہاں بھی قصر نماز پڑھے۔ اگر چار دن یا اس سے زیادہ ٹھہرنے کا ارادہ ہو تو پوری نماز پڑھے اور قصر نہ کرے۔

- **نمازِ کسوف:** سورج یا چاند کے گرہن کے موقعے پر جو نماز پڑھی جاتی ہے، اسے ''نمازِ کسوف'' کہتے ہیں۔ اس کا طریقہ عام نماز سے مختلف ہے۔ یہ طریقہ اس طرح ہے کہ آدمی دو بہت طویل رکعتیں پڑھے، ہر رکعت میں لمبی قراءت کرے اور ایک کی بجائے یکے بعد دیگرے دو رکوع کرے، پہلے رکوع کے بعد پھر قراءت شروع کر دے لیکن یہ قراءت رکوع سے پہلے کی قراءت سے کم ہو، اس قراءت کے بعد دوسرا رکوع کرے، دونوں رکوع لمبے ہوں لیکن دوسرا رکوع پہلے رکوع سے کم لمبا ہو، پھر کھڑا ہو جائے، پھر دو طویل سجدے کرے۔ اسی طرح دوسری رکعت ادا کرے۔[11]
- **نمازِ استسقاء:** قحط سالی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سے نماز، دعا اور استغفار کے ذریعے سے بارش طلب کرنے کو استسقاء کہتے ہیں۔ اس نماز کا طریقہ یوں ہے کہ لوگ کھلے میدان میں جمع ہوں اور امام ان کو دو رکعت پڑھائے، پہلی رکعت میں سات اور دوسری میں پانچ تکبیریں کہے اور بلند آواز سے قراءت کرے۔ نماز سے فارغ ہو کر امام لوگوں کی طرف متوجہ ہو اور خطبہ پڑھے جس میں کثرت سے استغفار کرے، پھر الٹے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگے اور لوگ آمین کہیں۔ نمازِ استسقاء کے لیے نہ اذان ہے اور نہ اقامت۔[12]

1 سنن ابن ماجه، حديث: 1079.
2 صحيح مسلم، حديث: 82.
3 النسآء4:103.
4 المدثر74:42-48.
5 مسند أحمد: 2/169.
6 العنكبوت 29:45.
7 النسآء4:103.
8 البقرة 2:45.
9 سنن أبي داود، حديث: 1297.
10 صحيح البخاري، حديث: 1162.
11 صحيح البخاري، حديث: 1052.
12 جامع الترمذي، حديث: 557، وصحيح البخاری، حديث: 1022.

نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام کو انگریزی میں ''NOAH'' لکھا جاتا ہے۔نوح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے پہلے رسول تھے۔نوح علیہ السلام کی قوم نے شیطان کے بہکاوے میں آکر بتوں کی عبادت شروع کر دی تھی۔وہ لوگ سمجھتے تھے کہ ہم جن بتوں کی پوجا کرتے ہیں انھی سے خیر ملے گی۔یہی انھیں ہر شر سے محفوظ رکھیں گے اوران کی تمام ضروریات پوری کریں گے۔ان بتوں میں مشہور ترین بتوں کے نام یہ تھے: وَدّ، سواع، یغُوث، یعُوق اور نَسر۔ یہ دراصل نوح علیہ السلام کی قوم کے گزرے ہوئے نیک لوگوں کے نام تھے۔جب یہ نیک لوگ فوت ہو گئے تو شیطان نے ان کے عقیدت مندوں کو کہا کہ ان کی تصویریں بنا کر تم اپنے گھروں اور دکانوں میں رکھ لو تا کہ ان کی یاد تازہ رہے اوران کے تصور سے تم بھی ان کی طرح نیکیاں کرتے رہو۔جب پہلے پہل تصویریں بنا کر رکھنے والے فوت ہو گئے تو شیطان نے اگلی نسلوں کو یہ کہہ کر شرک میں ملوث کر دیا کہ تمھارے باپ دادا تو ان کی عبادت کرتے تھے جن کی تصویریں تمھارے گھروں میں لٹک رہی ہیں، چنانچہ انھوں نے ان بتوں کی پوجا شروع کر دی۔ اسی سے بُت پرستی، بُت تراشی اور صَنم پرستی کی روایت چل پڑی۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی ہدایت کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کو بھیجا۔انھوں نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی عظیم اور حیران کن تخلیقات آسمان، زمین، چاندستاروں اور عظیم الشان نعمتوں کی طرف توجہ دلائی اور بتایا کہ شیطان تمھیں اتنے عرصے سے گمراہ کرتا رہا ہے، تم اس گمراہی سے باز آجاؤ۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں جو اس نے تمھیں عطا کر رکھی ہیں، اس لیے تم اسی ایک اللہ کی عبادت کرو، اگر تم نے بت پرستی نہ چھوڑی تو اللہ کے سخت عذاب کے مستحق بن جاؤ گے۔ یہ عذاب آخرت میں بھی ہوگا اور دنیا میں بھی نازل ہوسکتا ہے۔

انھوں نے نوح علیہ السلام سے کہا کہ آپ ہم جیسے ہی ایک انسان ہیں، آپ کس طرح پیغمبر ہوسکتے ہیں؟ جب انھوں نے دیکھا کہ آپ کے پیروکاروں میں زیادہ تعداد غرباء اور مساکین کی ہے تو اس پر انھوں نے آپ کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔انھوں نے سچائی کے پیغام کو تکبر وغرور کے ساتھ مسترد کر دیا۔نوح علیہ السلام انھیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے لیے دن رات تبلیغ کرتے رہے، کھلے طور پر بھی اوران کی نجی مجلسوں میں جا کر بھی۔ وہ اللہ کی نشانیوں کی وضاحت کرتے رہے اور بتاتے رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کو نئے سرے سے بھی پیدا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔اسی طرح وہ انھیں ختم کر دینے اور پھر دوبارہ زندگی دینے کی بھی طاقت رکھتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام جب انھیں اللہ کی طرف بلانے کی کوشش کرتے تو وہ بھاگ جاتے۔ جب انھیں اللہ سے مغفرت مانگنے کی تلقین کرتے تو وہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے۔سچائی کی بات کہی جاتی تو کپڑے جھاڑ کر اُٹھ جاتے۔

حضرت نوح علیہ السلام انھیں ساڑھے نو سو سال تک اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیتے رہے اور ایسا ہوتا رہا کہ ہر گزرنے والی نسل اپنی آنے والی نسل کو حضرت نوح علیہ السلام کی بات سننے اور حق کا راستہ اختیار کرنے سے منع کرتی رہی۔ آخر کار جب نوح علیہ السلام نے دیکھا کہ ایمان لانے والوں کی تعداد نہیں بڑھ رہی اور نئی نسلیں بھی گمراہی پر چل رہی ہیں تو انھوں نے اللہ سے ان کی ہلاکت کی دعا مانگی تاکہ اللہ کی زمین شرک کی گندگی سے پاک ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کا جواب دیتے ہوئے انھیں ایک بڑی کشتی تیار کرنے کا حکم دیا۔ نوح علیہ السلام اللہ کی ہدایت کے مطابق دن رات کشتی بنانے میں لگ گئے۔ پاس سے گزرنے والے سرداران کا خوب مذاق اڑاتے مگر حضرت نوح علیہ السلام انھیں نظرانداز کر کے اپنے کام میں مصروف رہتے۔

آخر عذاب کا مقررہ دن آپہنچا، آسمان سے زبردست بارشوں کا سلسلہ شروع ہو گیا اور زمین سے بھی پانی کے فوارے پھوٹ پڑے۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اہلِ ایمان کو کشتی میں سوار ہونے کا حکم دیا اور ہر قسم کے جانوروں کا جوڑا جوڑا بھی ساتھ رکھ لیا۔ نوح علیہ السلام کے بیٹے نے کشتی میں بیٹھنے سے انکار کر دیا، اس کا خیال تھا کہ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اس طوفان سے محفوظ ہو جائے گا لیکن وہ اس سے بے خبر تھا کہ اللہ کے عذاب سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اب پہاڑوں کی چوٹیاں بھی ڈوب جانے والی تھیں۔

موسلا دھار بارش اور زمینی چشمے پھوٹ جانے سے ایسا زوردار سیلاب آیا جس کی کوئی مثال نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں میں سے ایک شخص بھی نہ بچ سکا۔ سب ڈوب کر مر گئے۔ ہلاک ہونے والوں میں نوح علیہ السلام کا بیٹا اور ان کی بیوی بھی شامل تھی کیونکہ یہ بھی دیگر کفار جیسے تھے۔ صرف وہی بچے جو حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا تو پانی اُتر گیا اور زمین کا سکون واپس آ گیا۔ سیلاب نے بداعمال لوگوں کو صفحۂ ہستی سے نابود کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام اور ان کے پیروکاروں کو بچا کر انھی سے آدم علیہ السلام کی نسل کو آگے بڑھایا۔ مگر افسوس کہ بعد میں شیطان نے ان کی اولادوں کو بھی اپنے فریب کے جال میں پھنسا لیا۔

والدین سے حُسنِ سلوک

اسلام مسلمانوں کو والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے، ان کا احترام کرنے اور ان کی اطاعت کا حکم دیتا ہے۔ اللہ ان کے ساتھ بدسلوکی کا ہلکا سا بھی مظاہرہ کرنے یا ان کے سامنے سرکشی کا رویہ اختیار کرنے کی سختی سے ممانعت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''اور آپ کے رب نے فیصلہ کر دیا کہ تم سب اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرو، اگر ان دونوں میں سے ایک یا دونوں تمھارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے اُف تک نہ کہو اور انھیں بالکل نہ جھڑکو اور ان سے نرم لہجے میں (ادب واحترام سے) بات کرو۔ اور ان کے سامنے رحم دلی سے عاجزی کے ساتھ اپنا بازو (پہلو) جھکائے رکھو اور کہو: میرے رب! جس طرح انھوں نے بچپن میں میری پرورش کی تو بھی ان دونوں پر رحم فرما۔'' [1]

والدین کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا، اللہ کی نگاہ میں انتہائی محبوب فعل ہے۔ یہ جنت کی کنجی ہے۔ نبیِ کریم ﷺ نے ایک بار فرمایا:

''اس کی ناک خاک آلود ہوگئی، اس کی ناک خاک آلود ہوگئی، اس کی ناک خاک آلود ہوگئی۔ عرض کیا گیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! کس کی ناک خاک آلود ہوگئی؟ آپ نے فرمایا: جس کے والدین میں سے ایک یا دونوں اس کے سامنے بڑھاپے کو پہنچے، پھر وہ (ان کی خدمت کر کے) جنت میں داخل نہ ہوا۔'' [2]

نبیِ اکرم ﷺ نے ایک دفعہ صحابہ کو مخاطب کر کے فرمایا: ''کیا میں تم لوگوں کو سب سے بڑے گناہ کے بارے میں نہ بتاؤں؟ تین بار آپ نے اسی طرح فرمایا۔ صحابہ نے عرض کی: ہاں، اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور والدین کی نافرمانی کرنا۔'' [3]

والدین کی نافرمانی اتنا بڑا گناہ ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہیں کرے گا جو والدین کے سامنے سرکشی کرتے رہے ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''تین آدمیوں کی طرف قیامت کے روز اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں ڈالے گا: والدین کا نافرمان، مردوں کی مشابہت کرنے والی عورت اور دیوث، یعنی جسے اپنے اہل وعیال کے سلسلے میں غیرت وحمیت نہ ہو۔ اور تین آدمی جنت میں نہیں جائیں گے: ایک والدین کی نافرمانی کرنے والا، دوسرا ہمیشہ شراب پینے والا اور تیسرا احسان کر کے جتلانے والا۔'' [4]

اسلام مسلمانوں کو یہ بھی حکم دیتا ہے کہ وہ اپنے والدین کے مرنے کے بعد بھی ان کے حقوق ادا کریں۔ ایک شخص نے نبیِ کریم ﷺ سے پوچھا: اے اللہ کے رسول! کیا میرے والدین کے فوت ہو جانے کے بعد بھی مجھ پر ان کا کوئی حق باقی رہتا ہے

جس کو ادا کر کے میں ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرتا رہوں؟ آپ نے فرمایا: ’’ہاں، ان کے لیے دعا کرنا، بخشش مانگنا، ان کے کیے ہوئے وعدوں کو پورا کرنا، ایسے رشتہ داروں سے میل ملاپ رکھنا جن سے والدین کے بغیر میل ملاپ نہ ہو سکتا تھا اور ان کے دوستوں کی عزت کرنا۔‘‘ [5]

1 بنی اسراء یل 17:23,24 . 2 صحيح مسلم، حديث: 2551 . 3 صحيح البخاري، حديث: 2654 .
4 سنن النسائي، حديث: 2563 . 5 سنن أبي داود، حديث: 5142، دیکھیے: کبیرہ گناہ۔

وتر

عربی زبان میں ''وتر'' کے معنی ''طاق'' کے ہیں۔ عشاء کے بعد رات کے نوافل کے آخر میں پڑھی جانے والی ایک رکعت کو وتر کہتے ہیں۔ وتر ایک رکعت بھی ہوسکتا ہے، تین بھی، پانچ بھی، سات بھی اور نو بھی۔ تین اور پانچ وتر پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ صرف آخری رکعت میں تشہد کے لیے بیٹھے۔ سات رکعت وتر پڑھے تو چھٹی کے بعد تشہد کے لیے بیٹھے، پھر ساتویں رکعت پڑھے۔ نو رکعت وتر پڑھنے ہوں تو آٹھویں رکعت کے بعد پہلے تشہد میں بیٹھے، پھر نویں رکعت پڑھے اور تشہد کے بعد سلام پھیر دے۔

وتر پڑھنا نبیِ اکرم ﷺ کی سنت ہے۔ آپ مسلمانوں کو اس کی ادائیگی کے لیے تاکید فرماتے تھے، اس لیے مسلمانوں کو اس سے صرفِ نظر نہیں کرنا چاہیے۔ نبی ﷺ نے فرمایا:

''رات کی نماز دو دو رکعت ہے، جب تم میں سے کسی کو صبح ہونے کا اندیشہ ہو جائے تو ایک رکعت پڑھے، اس طرح اس کی ساری پڑھی ہوئی نماز وتر (طاق) بن جائے گی۔'' [1]

مسنون طریقہ یہ ہے کہ وتر سے پہلے کم از کم دو رکعت یا زیادہ سے زیادہ دس رکعات تک پڑھے، پھر وتر پڑھے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کا معمول یہی تھا۔ وتر کا وقت نمازِ عشاء کے بعد شروع ہوتا ہے اور فجر سے پہلے ختم ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

''رات کی نماز کا آخری حصہ وتر کو بناؤ۔'' [2]

نبی ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

''بلاشبہ اللہ تعالیٰ وتر (طاق) ہے اور وتر کو پسند کرتا ہے، چنانچہ اے (راتوں کو) قرآن (پڑھنے) والو! تم وتر پڑھو!'' [3]

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے کچھ کلمات سکھائے تاکہ میں ان کو وتر کی قنوت میں پڑھوں، (وہ کلمات یہ ہیں):

اَللّٰهُمَّ اهْدِنِیْ فِیْمَنْ هَدَیْتَ وَعَافِنِیْ فِیْمَنْ عَافَیْتَ وَتَوَلَّنِیْ فِیْمَنْ تَوَلَّیْتَ وَبَارِكْ لِیْ فِیْمَآ اَعْطَیْتَ وَقِنِیْ شَرَّ مَا قَضَیْتَ فَاِنَّكَ تَقْضِیْ وَلَا یُقْضٰی عَلَیْكَ اِنَّهٗ لَایَذِلُّ مَنْ وَّالَیْتَ (وَلَا یَعِزُّ مَنْ عَادَیْتَ) تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَیْتَ

''اے اللہ! مجھے ہدایت دے کر ان لوگوں (کے زمرے) میں (شامل فرما) جنھیں تو نے ہدایت سے نوازا ہے۔ اور مجھے عافیت دے ان لوگوں میں جنھیں تو نے عافیت بخشی ہے۔ اور جن کو تو نے اپنا دوست بنایا، ان میں مجھے بھی (شامل کر کے) اپنا دوست بنا۔ اور جو کچھ تو نے مجھے عطا فرمایا ہے، اس میں میرے لیے برکت ڈال دے اور تو نے جس بات کا فیصلہ فرمایا ہے، مجھے اس کے برے نتائج سے محفوظ رکھ۔ یقیناً تو ہی فیصلہ صادر فرماتا ہے اور تیرے خلاف فیصلہ صادر نہیں کیا جا سکتا، جس کا تو دوست بنا، وہ کبھی ذلیل وخوار اور رسوا نہیں ہو سکتا اور جس کے ساتھ تیری دشمنی ہو، وہ شخص کبھی عزت نہیں پا سکتا۔ ہمارے پروردگار! تو (بڑا) ہی برکت والا ہے اور بلند و بالا ہے۔'' [4]

1 صحيح البخاري، حديث: 990. 2 صحيح البخاري، حديث: 998. 3 جامع الترمذي، حديث: 453.

4 سنن أبي داود، حديث: 1425.

وضو

وضو سے مراد نماز یا کسی دوسرے اچھے کام، مثلاً: ذکر وغیرہ کی نیت سے جسم کے ان حصوں کو دھو کر صاف کرنا ہے جن کا قرآن اور حدیث میں حکم دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے چہرے اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ دھولو اور اپنے سروں کا مسح کر لو اور اپنے پاؤں ٹخنوں تک (دھولو)۔" [1]

وضو نہ ہو تو نماز باطل قرار پاتی ہے۔ نبیِ کریم ﷺ نے فرمایا:

"ایسے شخص کی نماز قبول نہیں ہوتی جو بے وضو ہو جائے یہاں تک کہ دوبارہ وضو کرے (اور اس کے بعد نماز پڑھے)۔" [2]

وضو بنیادی طور پر پانی سے کیا جاتا ہے۔ اس کے لیے پہلے نیت ہونی چاہیے۔ نیت دل کے ارادے کا نام ہے۔ اس کے لیے زبان سے الفاظ کہنا سنت سے ثابت نہیں۔ نیت کر کے بسم اللہ پڑھ کر اپنے اعضا اس طرح دھوئے جاتے ہیں:

1. دونوں ہاتھ پہنچوں تک تین بار دھوئیں۔ ہاتھوں کو دھوتے وقت ہاتھوں کی انگلیوں کے درمیان خلال کریں۔
2. پھر دائیں ہاتھ کے چلو میں پانی لے کر منہ میں ڈالیں اور اچھی طرح کلی کریں، پھر پانی نکال دیں۔ تین دفعہ ایسا کریں، پھر اسی طرح ناک میں پانی ڈالیں اور بائیں ہاتھ سے ناک جھاڑیں، تین بار ایسا کریں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ چلو میں پانی لے کر آدھے سے کلی کریں اور آدھا ناک میں ڈالیں اور ناک کو بائیں ہاتھ سے جھاڑیں۔ یہ عمل تین بار کریں۔
3. پھر تین بار منہ دھوئیں۔
4. پھر ایک چلو لے کر اسے ٹھوڑی کے نیچے داخل کر کے داڑھی کا خلال کریں۔
5. پھر دایاں ہاتھ کہنی سمیت تین بار دھوئیں، پھر بایاں ہاتھ کہنی سمیت تین بار دھوئیں۔
6. پھر سر کا مسح کریں۔ دونوں ہاتھ سر کے اگلے حصے سے شروع کر کے گدی تک پیچھے لے جائیں، پھر پیچھے سے آگے اسی جگہ لے آئیں جہاں سے مسح شروع کیا تھا، پھر کانوں کا مسح اس طرح کریں کہ شہادت کی انگلیاں دونوں کانوں کے سوراخ میں ڈال کر کانوں کی پشت پر انگوٹھوں کے ساتھ مسح کریں۔
7. پھر دونوں پاؤں ٹخنوں سمیت تین بار دھوئیں، پہلے دایاں اور پھر بایاں پاؤں۔
8. پاؤں کو دھوتے وقت پاؤں کی انگلیوں کے درمیان خلال کریں۔

2
1
4
3
6
5
8
7
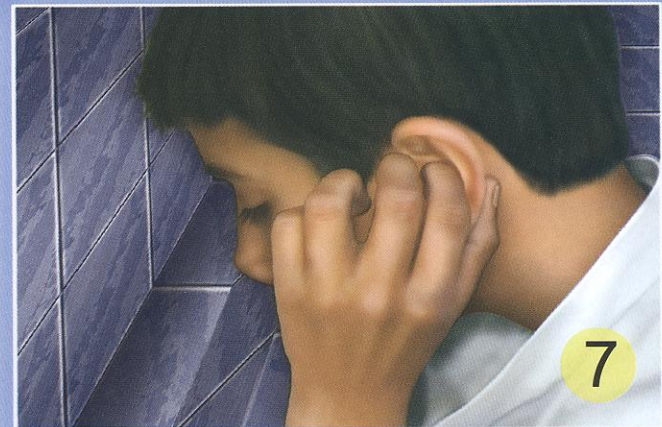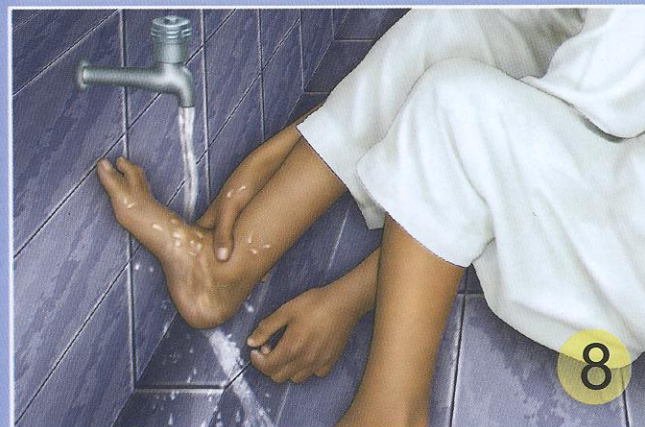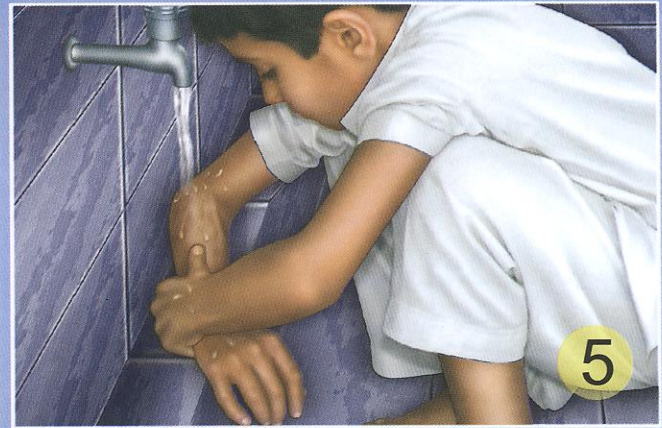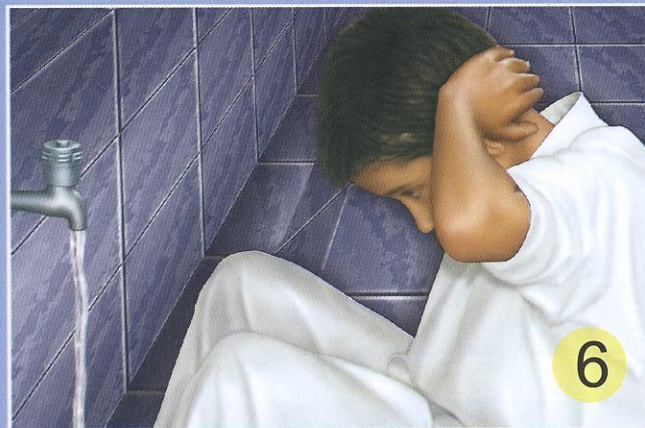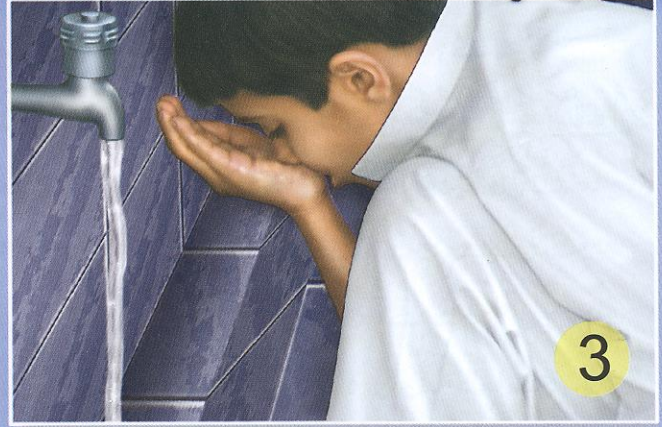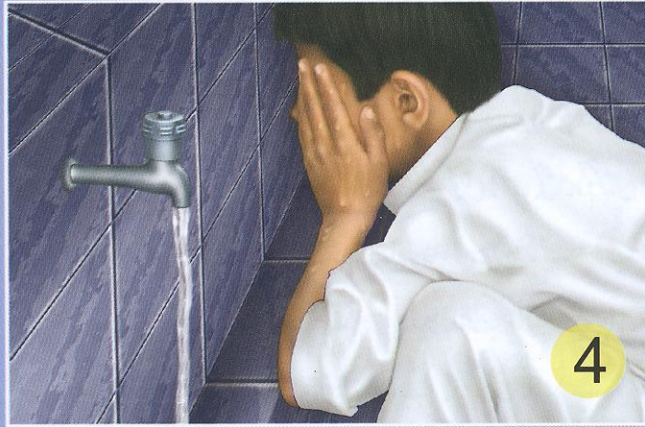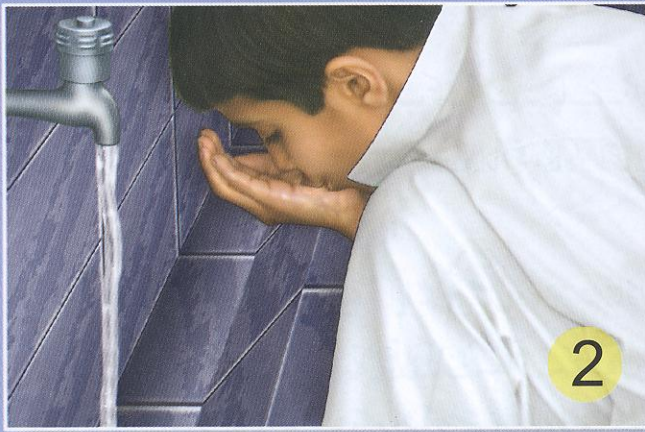
وضواس وقت تک رہتا ہے جب تک ٹوٹ نہ جائے۔ جن چیزوں سے وضوٹوٹتا ہے، ان میں ہوا کا خارج ہونا، مذی ومنی کا خارج ہونا، بول وبراز کرنا، اونٹ کا گوشت کھانا، شرمگاہ کو ہاتھ لگانا اور سہارا لگا کر گہری نیند سو جانا شامل ہیں۔

وضو کے بہت سے فضائل ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''کیا میں تمھیں وہ چیز نہ بتاؤں جس کے سبب اللہ تعالیٰ گناہوں کو دور کرتا ہے اور درجات کو بلند کرتا ہے؟'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی: اے اللہ کے رسول! (ارشاد فرمائیں) آپ نے فرمایا: ''مشقت (بیماری یا سردی) کے وقت کامل وضو کرنا، کثرت سے قدم اٹھا کر مسجدوں کی طرف جانا اور نماز کے بعد اگلی نماز کا انتظار کرنا۔'' [3]

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص وضو کرے اور پورا وضو کرے، پھر کہے:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ یقیناً محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔''

اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیے جاتے ہیں کہ جس سے چاہو داخل ہو جاؤ۔'' [4]

[1] المآئدة 6:5. [2] صحيح البخاري، حديث: 135. [3] صحيح مسلم، حديث: 251.

[4] صحيح مسلم، حديث: 234، دیکھیے: طہارت، غسل اور تیمم۔

ہجرت مدینہ

نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اہل مکہ کے ظلم وستم کے پیشِ نظر اللہ کے حکم سے مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ تاریخ میں اس واقعے کو ہجرتِ مدینہ کہا جاتا ہے۔

مدینہ سے ہر سال حج کے لیے مکہ آنے والوں میں سے ایک جماعت نے منیٰ میں رسولِ اکرم ﷺ کا پیغام سنا۔ یہ لوگ اتنا متاثر ہوئے کہ مشرف بہ اسلام ہوگئے۔ واپس جاکر انھوں نے اپنے باقی لوگوں سے اسلام کے بارے میں بات چیت کی جس سے وہ بھی متاثر ہوئے۔ اگلے سال اور زیادہ افراد آئے۔ انھوں نے اسلام قبول کیا اور نبی ﷺ کے ہاتھ پر اظہارِ وفاداری کے لیے بیعت کی۔ اسے بیعتِ عَقَبہ کہا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو مدینہ بھیجا تاکہ وہ مدینہ کے لوگوں کو اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کریں۔ حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے جانے کا بہت اچھا نتیجہ نکلا اور اسلام مدینہ میں بہت تیزی سے پھیلنے لگا۔ جب اگلے سال حج کا موسم آیا تو نبی اکرم ﷺ نے خود کو مدینے کے پُرجوش لوگوں کے بڑے ہجوم میں گھرے ہوئے پایا۔ یہ 73 افراد تھے، ان میں دو عورتیں بھی شامل تھیں۔ انھوں نے خفیہ طور پر نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اسے بیعتِ عقبہٗ ثانیہ کہا جاتا ہے۔ اس کے تحت انھوں نے عہد کیا کہ وہ تمام دشمنوں سے اسلام اور نبی اکرم ﷺ کی حفاظت کریں گے، خواہ اس کے لیے انھیں اپنی جانوں کی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔

اس بیعت کے بعد نبی ﷺ کے حکم سے مسلمان خفیہ طور پر چھوٹے چھوٹے گروہوں میں اپنے گھر بار اور جائدادوں کو چھوڑ کر مدینہ جانے لگے تاکہ اپنا ایمان بچاسکیں۔ جب تقریباً سبھی لوگ ہجرت کرچکے تو آخر میں نبی کریم ﷺ کو ہجرت کا حکم ملا۔ نبی کریم ﷺ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر چل پڑے۔ پہلے آپ تین دن تک مکہ کے قریب ایک غار میں پناہ گزیں رہے۔ اس کا نام
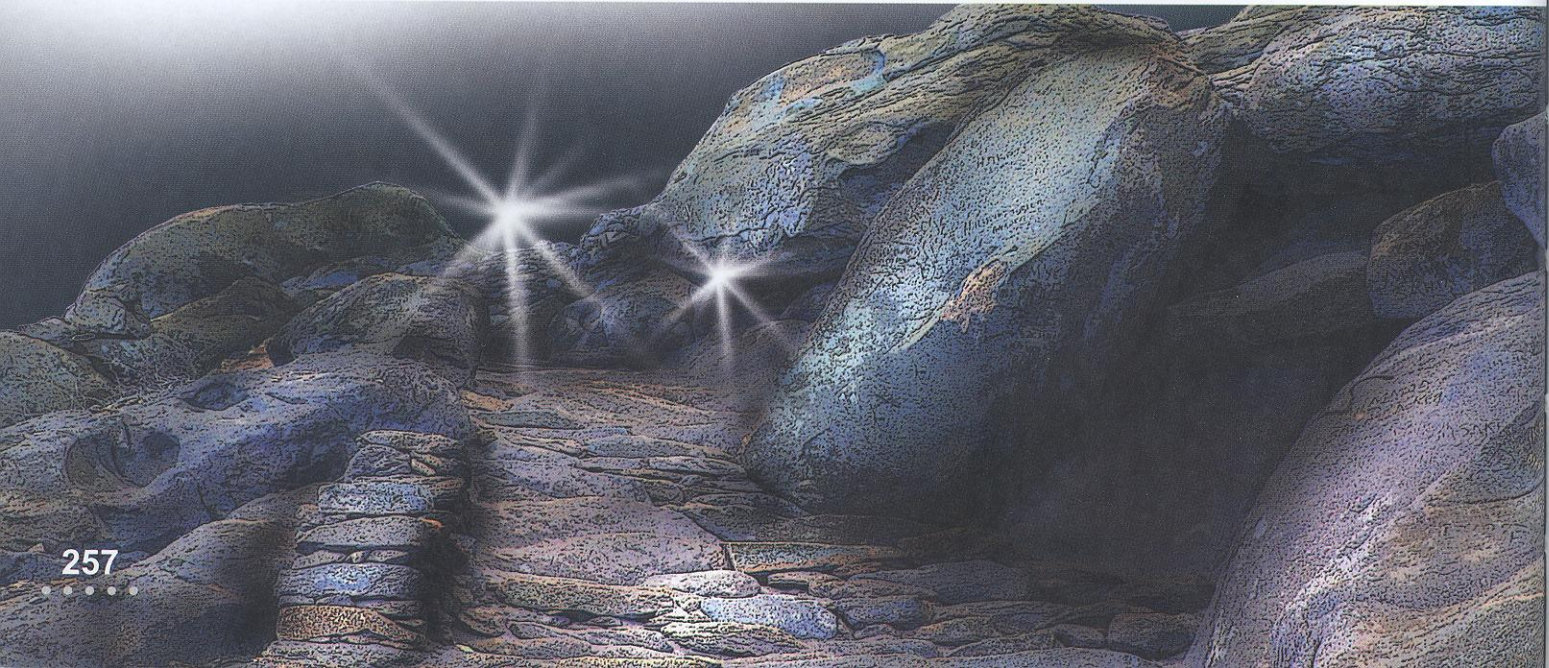
غارِثور رہے۔ کفار نے آپ کا تعاقب شروع کر دیا تھا۔ جب کفار نے مایوس ہو کر تعاقب چھوڑ دیا تو نبی کریم ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آگے کی طرف سفر شروع کر دیا۔ جب آپ مدینہ پہنچے تو منتظر لوگوں نے آپ کا پُر تپاک خیر مقدم کیا۔ آپ پر نظر پڑتے ہی انھوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور آپ کے گرد جمع ہو گئے اور ایسے جوش و خروش کا مظاہرہ کیا جس کی شاید ہی دنیا میں کوئی مثال ملتی ہو۔

مدینہ منورہ میں نبی ﷺ نے ایک مسجد تعمیر کی جسے مسجد نبوی کہا جاتا ہے۔ آپ نے انصار و مہاجرین کے درمیان محبت و شفقت کے رشتوں کو مضبوط کرنے اور مہاجرین کی مدد کے لیے، انھیں ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا۔ مسلمان ہجرت کے اس واقعے سے سَن کا شمار کرتے ہیں اور اسے سَن ہجری کہتے ہیں۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اسی کی بنیاد پر باقاعدہ طور پر اسلامی کیلنڈر کا آغاز کیا۔

دیکھیے: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور اسلامی کیلنڈر۔

ہود علیہ السلام

حضرت ہود علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں قومِ عاد کی طرف بھیجا تھا۔ قومِ عاد جنوبی عرب کے ایک بڑے علاقے پر قابض تھی جو خلیج عرب کے دہانے عُمان سے حضرموت اور بحیرۂ قلزم کے جنوبی سرے پر یمن تک پھیلا ہوا تھا۔ قوم عاد کے لوگ بڑے مضبوط جسموں کے مالک تھے اور بڑی بڑی عمارتیں تعمیر کیا کرتے تھے۔ ان کے پاس اتنی دولت اور طاقت جمع ہوگئی کہ انھوں نے اپنی بے پناہ طاقت کے نشے میں اللہ تعالیٰ کی توحید کو مسترد کر دیا۔ وہ اپنے ہاتھوں کے تراشے ہوئے بتوں کی پوجاپاٹ کے اتنے خوگر ہوگئے کہ اللہ کے نبی حضرت ہود علیہ السلام کی خیر خواہانہ نصیحت کو کوئی اہمیت نہ دی۔ ہود علیہ السلام نے انھیں بت پرستی سے باز رکھنے کے لیے بہت کوششیں کیں مگر سب ناکام رہیں۔
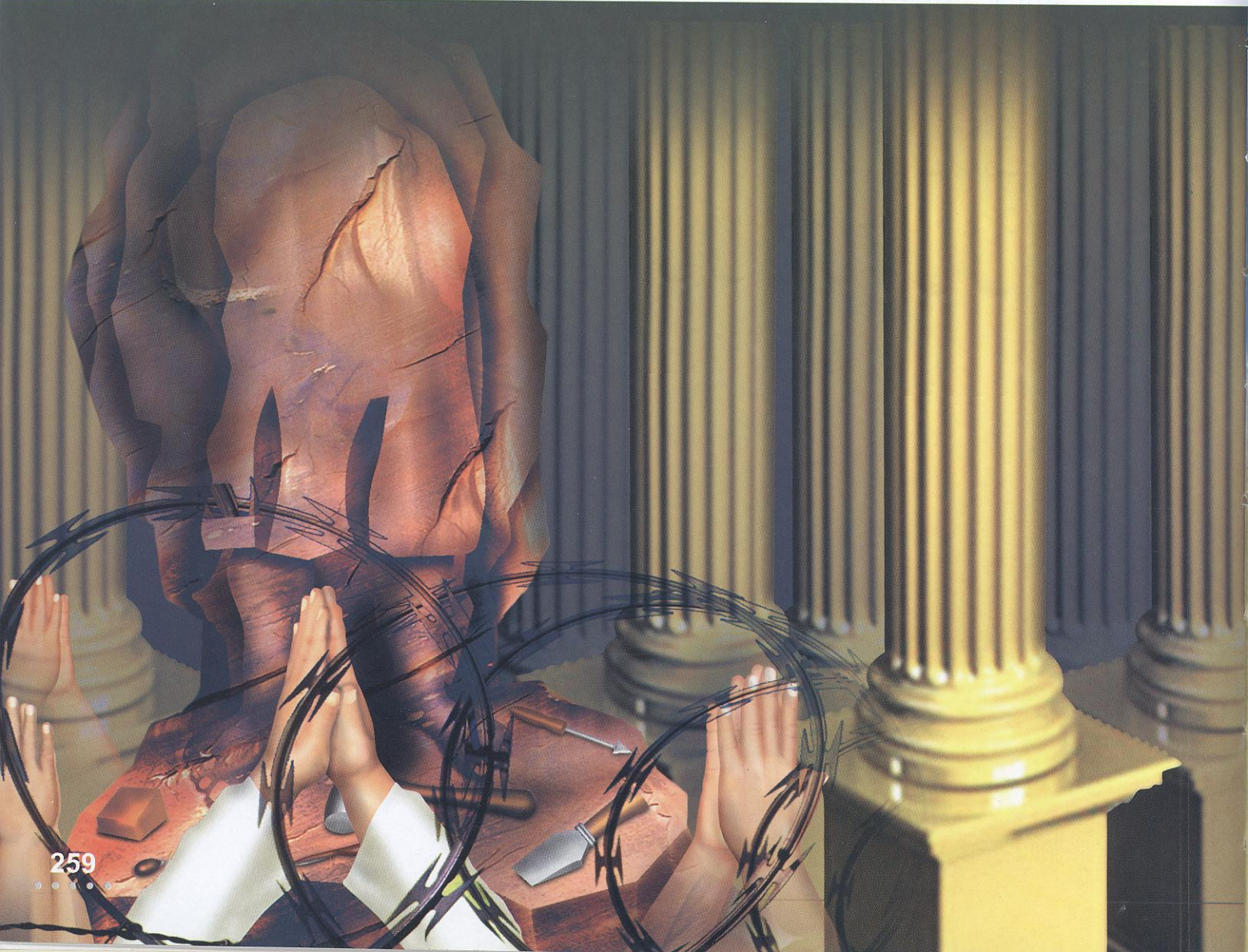
حضرت ہود علیہ السلام انھیں دن رات توحید کی دعوت دیتے، بتوں کی پوجا سے روکنے کے لیے آپ انھیں آخرت کے عذاب سے ڈراتے اور اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں یاد دلاتے۔ انھیں احساس دلایا کرتے کہ میں تم لوگوں سے کوئی اجر نہیں مانگتا، میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ اللہ نے مجھے جو سچا پیغام دے کر بھیجا ہے تم اسے مانو۔ لیکن قومِ عاد نے نہ صرف اس خیر خواہانہ نصیحت کو قبول کرنے سے انکار کیا، بلکہ آپ کی دعوت کا مذاق اڑانا بھی شروع کر دیا۔ وہ ظالم آپ کو دیوانہ کہنے لگے۔ انھوں نے ہود علیہ السلام سے جو کچھ کہا، قرآن نے اسے یوں بیان کیا ہے:

”اے ہود! آپ ہمارے پاس کوئی واضح دلیل لے کر نہیں آئے اور ہم (صرف) آپ کے کہنے سے اپنے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور ہم آپ پر ایمان لانے والے (بھی) نہیں۔ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے آپ کو (دماغی) خرابی میں مبتلا کر دیا ہے۔“ [1]

جوں جوں وقت گزرتا گیا، ان کی گستاخیوں اور شیخیوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ جب ان کا فساد حد سے بڑھ گیا تو ہود علیہ السلام نے دوٹوک الفاظ میں ان سے اور ان کے بتوں سے براءت کا اعلان کر دیا اور فرمایا:

”بے شک میں اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ بے شک میں ان سب سے بری ہوں جنھیں تم اللہ کے سوا (اس کا شریک ٹھہرا کر) پوجتے ہو، چنانچہ تم سب مل کر مجھے نقصان پہنچانے کی تدبیر کر لو، پھر تم مجھے کوئی مہلت نہ دو۔ بے شک میں نے اللہ پر بھروسا کیا ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے۔ (زمین پر) چلنے والا کوئی جاندار ایسا نہیں جسے اس (اللہ) نے پیشانی سے نہ پکڑ رکھا ہو (اس پر مکمل قبضہ نہ رکھتا ہو) بے شک میرا رب صراطِ مستقیم پر ہے، پھر اگر تم (حق سے) منہ موڑو گے (تو انجام کے خود ذمہ دار ہو گے) میں نے تمھیں وہ (پیغامِ حق) پہنچا دیا ہے جس کے ساتھ مجھے تمھاری طرف بھیجا گیا تھا اور میرا رب یقیناً ایک اور قوم کو (تمھارا) جانشین بنا دے گا اور تم اسے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکو گے، یقیناً میرا رب ہر چیز کا نگہبان ہے۔“ [2]

ہود علیہ السلام نے ان سے اور ان کے جھوٹے معبودوں سے اعلانِ بیزاری کر دیا اور اپنے اللہ کی طرف دیکھنے لگے۔ انھیں یقین تھا کہ ان کی قوم کے سرکش اور نافرمان عناصر کو سزا مل کر رہے گی۔

قومِ عاد پر مرحلہ وار عذاب نازل ہوا۔ پہلے سارے ملک میں شدید قحط پڑا۔ حضرت ہود علیہ السلام نے انھیں تنبیہ کی کہ وہ رب العالمین سے معافی مانگیں اور اپنے کفر و شرک سے توبہ کریں تاکہ اللہ تعالیٰ انھیں معاف کر کے بارش برسائے، ان کی فصلیں پیدا ہوں اور قوت میں اضافہ ہو۔ انھوں نے اس تنبیہ کا بھی مذاق اڑایا، آپ کو جھٹلایا اور رب العالمین پر ایمان لانے سے سخت انکار کیا۔ اس پر قحط سالی مزید شدت اختیار کر گئی اور وہ بارش کے پہلے سے بھی زیادہ محتاج ہو گئے۔

پھر عذاب نے انھیں اچانک آلیا، حالانکہ وہ ذرہ بھر بھی اس کی توقع نہیں کر رہے تھے۔ وہ تو صرف بارش

چاہتے تھے۔ ایک دن انھیں پہاڑوں کے پیچھے سے سیاہ اور گھنے بادل اُمڈ کر اپنی طرف رخ کرتے ہوئے نظر آئے۔ وہ جوں جوں قریب آتے اور ان کے کھیتوں کی طرف بڑھتے گئے، ان کی خوشیوں میں اضافہ ہوتا گیا۔ انھوں نے سوچا کہ اب آبپاشی کرنے والے ندی نالے بھر جائیں گے اور ان کے سوکھے کھیت پھر سے لہلہا اٹھیں گے، ہر طرف سبزہ ہی سبزہ دکھائی دے گا اور بھرپور فصل ہوگی۔ مگر معاملہ وہ نہ تھا جس کی کافر توقع کر رہے تھے۔ وہ گرد و غبار کا ایک انتہائی ہولناک طوفان تھا جو اپنے ساتھ زہریلی ریت اور باریک کنکریاں لے کر آ رہا تھا۔ وہ طوفان آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل جاری رہا، اس نے ہر چیز کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیا اور ہزاروں درخت جڑوں سے اکھڑ گئے۔

اس طوفان نے قومِ عاد کا جو حشر کیا قرآن مجید نے اسے اس طرح بیان کیا ہے:

''اور جو عاد تھے تو وہ تند و تیز بے قابو آندھی سے ہلاک ہوئے۔ اللہ نے اسے ان پر سات راتیں اور آٹھ دن ان کی جڑ کاٹنے (فنا کرنے) کے لیے مسلط کیے رکھا، پھر تم اس قوم کو اس طرح پچھاڑے (ہلاک کیے) ہوئے دیکھتے ہو گویا وہ کھجور کے کھوکھلے تنے ہوں۔''[3]

صرف حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے مخلص پیروکاروں کو بچا لیا گیا، چنانچہ حضرت ہود علیہ السلام اہل ایمان کے ساتھ حضرموت کے علاقے میں چلے آئے اور امن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے باقی زندگی گزار دی۔

[1] ہود 11:53,54. [2] ہود 11:54-57. [3] الحاقة 69:6,7.

یوسف علیہ السلام

حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ ان کے دس سوتیلے اور ایک سگا بھائی تھا۔ یوسف علیہ السلام بے حد خوبصورت اور خوب سیرت تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام ان سے بہت پیار کرتے تھے۔ اس پر ان کے سوتیلے بھائی ان سے بُری طرح حسد کرنے لگے۔ ایک رات یوسف علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے، سورج اور چاند ان کے سامنے سجدہ کر رہے ہیں۔ انھوں نے یہ خواب اپنے والد کو سنایا تو والد نے انھیں تاکید کی کہ وہ یہ خواب بھائیوں کو نہ سنائیں، کہیں وہ ان کو نقصان پہنچانے کی سازش نہ کرلیں۔ ان کے بھائی مسلسل حسد کی آگ میں جلتے رہے۔ ایک روز بھائیوں نے منصوبہ بنا کر والد سے کہا کہ وہ ان کے بھائی یوسف کو بھی ان کے ہمراہ بھیج دیں تاکہ وہ سیر و تفریح سے اپنا جی بہلالے۔ والد نے ان کے اصرار اور یقین دہانی پر انھیں یوسف علیہ السلام کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی۔ ساتھ لے جانے کے بعد انھوں نے اپنے منصوبے کے تحت حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک گہرے کنویں میں پھینک دیا، ان کی قمیص پر جھوٹا خون لگایا اور واپس جا کر والد کو وہ خون آلود قمیص دکھاتے ہوئے بتایا کہ یوسف کو ایک بھیڑیا کھا گیا ہے۔ یعقوب علیہ السلام کو ان کی شرارت کا اندازہ ہوگیا اور انھوں نے صاف کہہ دیا:

> ''(حقیقتِ حال یوں نہیں ہے) بلکہ تمھارے دلوں نے تمھارے لیے ایک (بری) بات آراستہ کر دی ہے، لہٰذا صبر ہی بہتر ہے اور اس بات پر جو تم بیان کرتے ہو، اللہ ہی سے مدد مطلوب ہے۔'' [1]

ادھر یہ ہوا کہ یوسف علیہ السلام جس کنوئیں میں پڑے ہوئے تھے، اس کے قریب ایک قافلہ آکر رکا۔ انھوں نے پانی نکالنے کے لیے کنوئیں میں ڈول ڈالا تو یوسف علیہ السلام اس ڈول میں بیٹھ گئے۔ جب اوپر پہنچے تو ڈول کھینچنے والے نے دیکھا کہ اس ڈول میں ایک

ننھا سا خوبصورت بچہ بیٹھا ہوا ہے۔ وہ پکار اٹھا: واہ! یہ تو لڑکا ہے، چنانچہ اہلِ قافلہ اس لڑکے کو اپنے ہمراہ مصر لے گئے اور اسے مصر کے ''عزیز'' (سب سے زیادہ اختیار رکھنے والے نائب سلطنت) کے ہاتھوں معمولی سی قیمت، یعنی گنتی کے چند درہموں کے عوض فروخت کر دیا۔

یوسف علیہ السلام جوانی کی دہلیز پر پہنچے تو آپ کا حسن و جمال اور مردانہ وجاہت اپنے عروج پر تھی۔ عزیز مصر کی بیوی نے بار بار آپ کو ورغلانے کی کوششیں کی لیکن ناکام رہی۔ یوسف علیہ السلام اس کی چال میں نہ آئے۔ اس پر اس نے انتقامی طور پر یہ کہانی گھڑی کہ یوسف علیہ السلام نے اس کے ساتھ دست درازی کی کوشش کی ہے۔ اگر چہ اس عورت کی بات جھوٹی ثابت ہوگئی لیکن اس کا یہ نتیجہ ضرور نکلا کہ وہ جیل میں ڈال دیے گئے۔ جیل میں بھی ان کا طرزِ عمل مثالی رہا اور وہ اپنے ساتھی قیدیوں کی دینی اور اخلاقی تعلیم و تربیت کرتے رہے۔ ان کی صداقت اور شفقت کے قصے مشہور ہوگئے۔ اس کے ساتھ ہی خوابوں کی صحیح تعبیر بتانے میں ان کی شہرت عروج پر پہنچ گئی۔ ایک مرتبہ دو قیدی ساتھیوں نے انھیں اپنا خواب بتایا جس پر انھوں نے ایک کو بتایا کہ تمھیں بہت جلد رہا کر دیا جائے گا اور تم بادشاہ کے خادمِ خاص بن جاؤ گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ جلد رہائی پا گیا اور بادشاہ نے اسے شراب پیش کرنے کی خدمت پر مامور کر دیا۔ اور دوسرے کے خواب کی یہ تعبیر بتائی کہ تمھیں عنقریب سولی پر لٹکا دیا جائے گا اور پرندے تمھارا سر نوچ کھائیں گے۔ اس کے ساتھ بھی بالکل وہی ہوا جس طرح آپ نے بتایا تھا۔

یوسف علیہ السلام ابھی جیل ہی میں تھے کہ شاہِ مصر نے ایک خواب دیکھا جس پر وہ بے حد پریشان ہوگیا۔ بادشاہ کے درباریوں میں سے کوئی بھی اس کی تعبیر نہ بتا سکا۔ اس پر اس شراب پیش کرنے والے کو اپنے جیل کے دن اور اپنے خواب کی تعبیر درست نکلنے کا واقعہ یاد آ گیا۔ اس نے جیل میں حضرت یوسف علیہ السلام سے جا کر ملنے کی اجازت مانگی اور جا کر بادشاہ کے خواب کی تعبیر پوچھی۔ یوسف علیہ السلام نے جو کچھ بتایا، وہ اس نے بادشاہ کے سامنے پیش کر دیا۔ بادشاہ اس سے بہت متاثر ہوا۔

یوسف علیہ السلام نے بادشاہ کے خواب کی یہ تعبیر بتائی تھی کہ ملک میں سات سال کے لمبے عرصے کا قحط پڑے گا۔ آپ نے اس سے
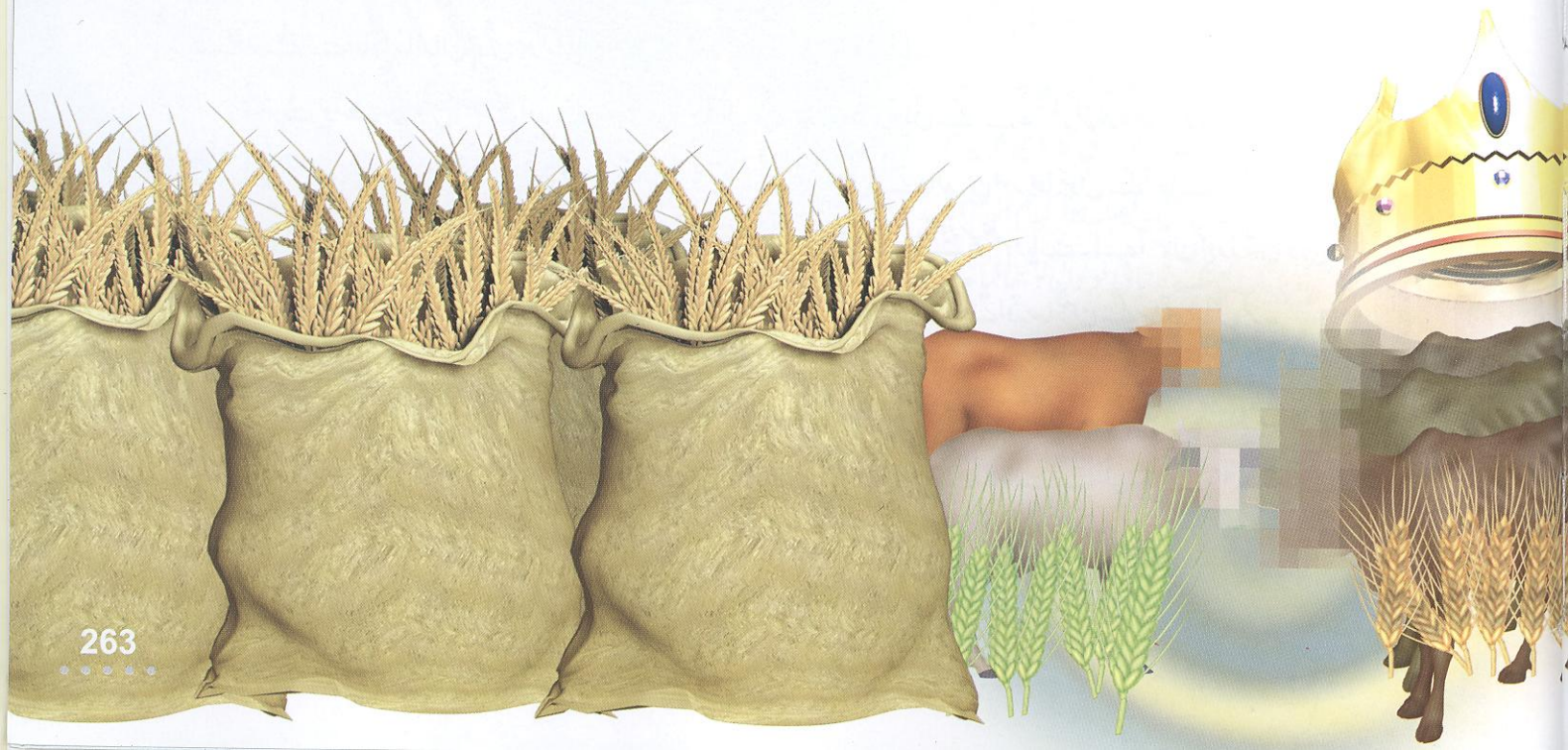
پیدا ہونے والے مسائل کا حل بھی خواب کی تعبیر کر کے بتا دیا۔ بادشاہ اتنا متاثر ہوا کہ اس نے انھیں فوراً رہا کر کے اپنے پاس لانے کا حکم دے دیا۔ یوسف علیہ السلام نے رہائی سے انکار کر دیا اور اپنے خلاف لگائے گئے الزام کی تحقیقات کا مطالبہ کر دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ اس کیس کا صحیح فیصلہ عوام کے سامنے آجائے اور انھیں باقاعدہ طور پر بے گناہ قرار دیا جائے۔

چنانچہ بادشاہ نے تحقیق کرائی تو یوسف علیہ السلام کی بے گناہی واضح ہوگئی۔ اس کے بعد یوسف علیہ السلام کی تجویز پر انھیں ملکی خزانے اور غلے کے گوداموں کا انچارج بنا دیا گیا۔

یوسف علیہ السلام نے ملک میں شدید قحط پڑنے کی جو پیش گوئی کی تھی، وہ پوری ہوگئی اور قحط دور دور تک پھیل گیا۔ اس کے اثرات یوسف علیہ السلام کے آبائی علاقے میں بھی پہنچ گئے۔ یوسف علیہ السلام کی تدابیر نے بے شمار انسانوں کو موت کے منہ میں جانے سے بچا لیا۔ گودام بھرے ہوئے تھے اور لوگ دور دور سے گندم خریدنے کے لیے مصر آرہے تھے۔ اس غرض سے آنے والوں میں یوسف علیہ السلام کے بھائی بھی تھے۔ یہ دراصل اللہ کی تدبیر تھی کہ وہ ان کے بھائیوں کو بھی غلے کے حصول کے لیے ان کے پاس لے آیا۔ پہلے وہ انھیں نہ پہچان سکے کیونکہ بھائیوں کا خیال تھا کہ شاید ان کا چھوٹا بھائی کنوئیں کے اندر ہی مر کر ختم ہو چکا ہے۔ تاہم کچھ عرصہ بعد ان پر بات کھل گئی کہ آج ہم جہاں سے غلہ لے رہے ہیں، اس ملک کے مختار حاکم یوسف علیہ السلام ہی ہیں۔ اس پر وہ بے حد شرمندہ ہوئے اور اپنی مکروہ سازش کی معافی مانگی۔ یوسف علیہ السلام نے بڑی فراخ دلی سے انھیں معاف کر دیا، پھر انھوں نے بھائیوں سے کہا کہ تم میرے زندہ ہونے اور اس مرتبے پر فائز ہونے کی اطلاع میرے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کو پہنچاؤ اور یہ میری قمیص لے جاؤ، اس کو والد صاحب کی آنکھوں پر ڈالو گے تو ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔ اس کے بعد سب اہل و عیال کو لے کر مصر چلے آنا۔ جب یہ خوشخبری یعقوب علیہ السلام کو پہنچی تو وہ بے حد خوش ہوئے اور یوسف علیہ السلام کی قمیص ان کی آنکھوں پر ڈالی گئی تو اللہ تعالیٰ نے ان کی بینائی بھی بحال کر دی جو بیٹے کے غم میں مسلسل روتے رہنے سے زائل ہوگئی تھی۔

اس کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے خاندان سمیت ہجرت کر کے یوسف علیہ السلام کے پاس مصر آگئے۔ وہاں طویل عرصے کی جدائی کے بعد ملنے سے سارا خاندان خوش ہوگیا اور یوسف علیہ السلام کا خواب بھی پورا ہوگیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام اس عظمت اور بے پناہ اقتدار کو پہنچنے کے باوجود اللہ تعالیٰ کے بے حد شکر گزار، اطاعت کیش اور تابع فرمان پیغمبر تھے۔ قرآن مجید میں ان کی اس دعا کا خاص طور پر ذکر آیا ہے جو انھوں نے والدین اور بھائیوں کے آجانے کے موقع پر کی تھی:

"اے میرے رب! تو نے مجھے حکومت دی ہے اور مجھے باتوں کی حقیقت جاننے کا علم دیا ہے۔ اے آسمان اور زمین کو پیدا کرنے والے! تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے، تو مجھے اسلام پر موت دے اور صالحین کے ساتھ شامل کر۔" [2]

---

[1] یوسف 12: 18. [2] یوسف 12: 101.

یونس علیہ السلام

حضرت یونس علیہ السلام کو ذوالنون اور صاحب الحوت، یعنی مچھلی والا بھی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں سلطنت اشوریہ کے دارالحکومت نینویٰ کے لوگوں کی طرف بھیجا تاکہ وہ انھیں بت پرستی سے روکیں، ایک اللہ کی عبادت کی دعوت دیں اور گناہوں کے بُرے انجام سے ڈرائیں۔ جب اہل نینویٰ نے ان کی تبلیغ و دعوت سُنی اَن سُنی کر دی تو انھوں نے اس قوم کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا۔ قوم نے آپ کو جھٹلایا اور کفر و عناد پر اڑے رہے۔ جب اسی طرح ایک طویل مدت گزر گئی تو یونس علیہ السلام خود فیصلہ کر کے بستی سے نکل گئے اور لوگوں سے کہہ گئے کہ تین دن کے بعد ان پر اللہ کی طرف سے عذاب آجائے گا۔ یونس علیہ السلام کے جانے کے بعد قوم کو ہوش آیا، وہ توبہ کرنے لگے اور ہدایت قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

ادھر یونس علیہ السلام ایک کشتی میں سوار ہو گئے جو دن بھر پُرسکون سمندر میں چلتی رہی، پھر اچانک طوفان آگیا اور اونچی اونچی لہریں اٹھنے لگیں۔ صاف لگ رہا تھا کہ کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔ لہریں بلند سے بلند تر ہوتی رہیں اور مصیبت اتنی شدید ہوگئی کہ کشتی کے عملے کے سربراہ نے لوگوں سے کہا کہ وہ اپنا سامان سمندر میں پھینک دیں تاکہ کشتی پر بوجھ کم ہو جائے لیکن بہت سامال و اسباب پھینکنے کے بعد بھی مسئلہ حل نہ ہوا تو کشتی کا بوجھ مزید کم کرنے کی ضرورت پڑ گئی۔ فیصلہ ہوا کہ کم از کم ایک سوار کو سمندر میں پھینک کر باقی لوگوں کو بچا لیا جائے۔

چنانچہ مسافروں نے مشورے سے طے کیا کہ قرعہ اندازی کریں اور جس کا نام بھی نکل آئے، اسے سمندر میں پھینک دیا جائے۔ قرعہ اندازی میں ایک سے زائد بار حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا،

چنانچہ انھیں سمندر میں پھینک دیا گیا۔ اللہ کے حکم سے ایک بڑی مچھلی نے انھیں نگل لیا اور سمندر کی تہ میں گھومنے لگی۔ یونس علیہ السلام نے اپنی نجات کے لیے اللہ تعالیٰ سے بڑی آہ و زاری کی۔ قرآن مجید نے ان کا ذکر اس طرح کیا ہے:

''اور (یاد کریں) مچھلی والے (یونس) کو، جب وہ (اپنی قوم سے) ناراض ہو کر چلے گئے اور انھوں نے سمجھا کہ ہم ان پر گرفت نہیں کریں گے، پھر انھوں نے اندھیروں میں (ہمیں) پکارا کہ (اے رب) تیرے سوا کوئی معبود نہیں، تو پاک ہے، بلاشبہ میں ہی ظالموں میں سے ہوں (کہ آپ کے حکم کا انتظار کیے بغیر خود فیصلہ کر کے نینویٰ سے نکل آیا)، چنانچہ ہم نے اس کی دعا قبول کی اور ہم نے اسے غم سے نجات دی۔ ہم اسی طرح مومنوں کو بچاتے ہیں۔'' [1]

یونس علیہ السلام مسلسل دعائیں کرتے اور معافی مانگتے رہے، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی اور مچھلی کو حکم دیا کہ وہ ساحل پر جا کر یونس علیہ السلام کو خشکی پر اُگل دے۔ وہاں انھیں یقطین (ایک بیلدار درخت) کے سائے میں پناہ مل گئی اور وہ ہوش میں آ گئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''پھر اگر یہ بات نہ ہوتی کہ بے شک وہ تسبیح کرنے والوں میں سے تھے، تو وہ لوگوں کے دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے جانے کے دن (روزِ قیامت) تک اسی (مچھلی) کے پیٹ میں رہتے، پھر ہم نے انھیں چٹیل میدان میں پھینکوا دیا جبکہ وہ بیمار تھے۔ اور ہم نے ان پر ایک بیل دار درخت اُگا دیا۔ اور ہم نے انھیں ایک لاکھ (انسانوں) کی طرف (واپس) بھیجا یا وہ اس سے کچھ زیادہ تھے، چنانچہ وہ لوگ ایمان لے آئے تو ہم نے انھیں (مقرر) وقت تک متاعِ زندگی سے نوازا۔'' [2]

[1] الأنبیاء 21:87,88۔ [2] الصّٰفّٰت 37:143-148۔

بچّوں کا

اسلامی اِنسائیکلوپیڈیا

بچے، ہماری زندگی کے شگفتہ پھول ہیں۔ ہمارے مستقبل کی روشن اُمید اور ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں۔

بچوں کے اندر ذوقِ تجسس اور کسی بھی چیز کو جاننے اور پرکھنے کا مادہ دوسروں کے مقابلے میں غیر معمولی حد تک زیادہ ہوتا ہے۔ بچے اپنے اردگرد پھیلی ہوئی اچھی یا بری چیزوں کو اپنے ذہن میں محفوظ کر لیتے ہیں۔ اسی احساس کے پیشِ نظر دارُالسّلام نے بچوں کو دینی تعلیمات و اصطلاحات سے روشناس کرانے کے لیے یہ انسائیکلوپیڈیا تیار کیا ہے۔

''بچوں کا اسلامی انسائیکلو پیڈیا'' میں آدم علیہ السلام سے آغاز کیا گیا ہے۔ اس کے بعد ایمان کیا ہے؟ احسان کیا ہے؟ وضو، اذان واقامت، نماز، روزہ، حج، زکاۃ جیسے اہم اور ناگزیر مضامین پر روشنی ڈالنے کے ساتھ ساتھ دیگر بہت سے مفید عنوانات کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

''بچوں کا اسلامی انسائیکلو پیڈیا'' نہ صرف بچوں کی دینی معلومات میں اضافے کا ذریعہ بنے گا بلکہ ان کے اخلاق و کردار کو سنوارنے اور اُنھیں باعمل مسلمان بننے میں بھی خوب مدد دے گا۔ ان شاء اللہ!

ریاض • جدہ • شارجہ • لاھور • کراچی
اسلام آباد • لندن • ھیوسٹن • نیو یارك